بخاری شریف کے چند دروس کا مجموعہ

منحة الباري

في حل

صحيح البخاري

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت نبیرۂ حجۃ الاسلام جانشین مفتیِ اعظم ہند جگر گوشۂ مفسرِ اعظم

تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

رحمۃ اللہ علیہ

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

WWW.MUFTIAKHTARRAZAKHAN.COM

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/ /muftiakhtarraza

+92 334 3247192

منحۃ الباری

فی

حل صحیح البخاری

از

تاج الشریعہ فقیہ اسلام فخر المحدثین جانشین حضور مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری

قاضی القضاۃ فی الہند، بریلی شریف

باہتمام

شہزادہ حضور تاج الشریعہ ابوحسام حضرت علامہ محمد عسجد رضا قادری

ناشر

مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، متھراپور بی بی گنج، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منحۃ الباری
فی
حل صحیح البخاری

از:

تاج الشریعہ فقیہ اسلام فخر المحدثین جانشین حضور مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری

قاضی القضاۃ فی الہند، بریلی شریف

باہتمام

شہزادۂ حضور تاج الشریعہ ابو حسام حضرت علامہ محمد عسجد رضا قادری

ناشر
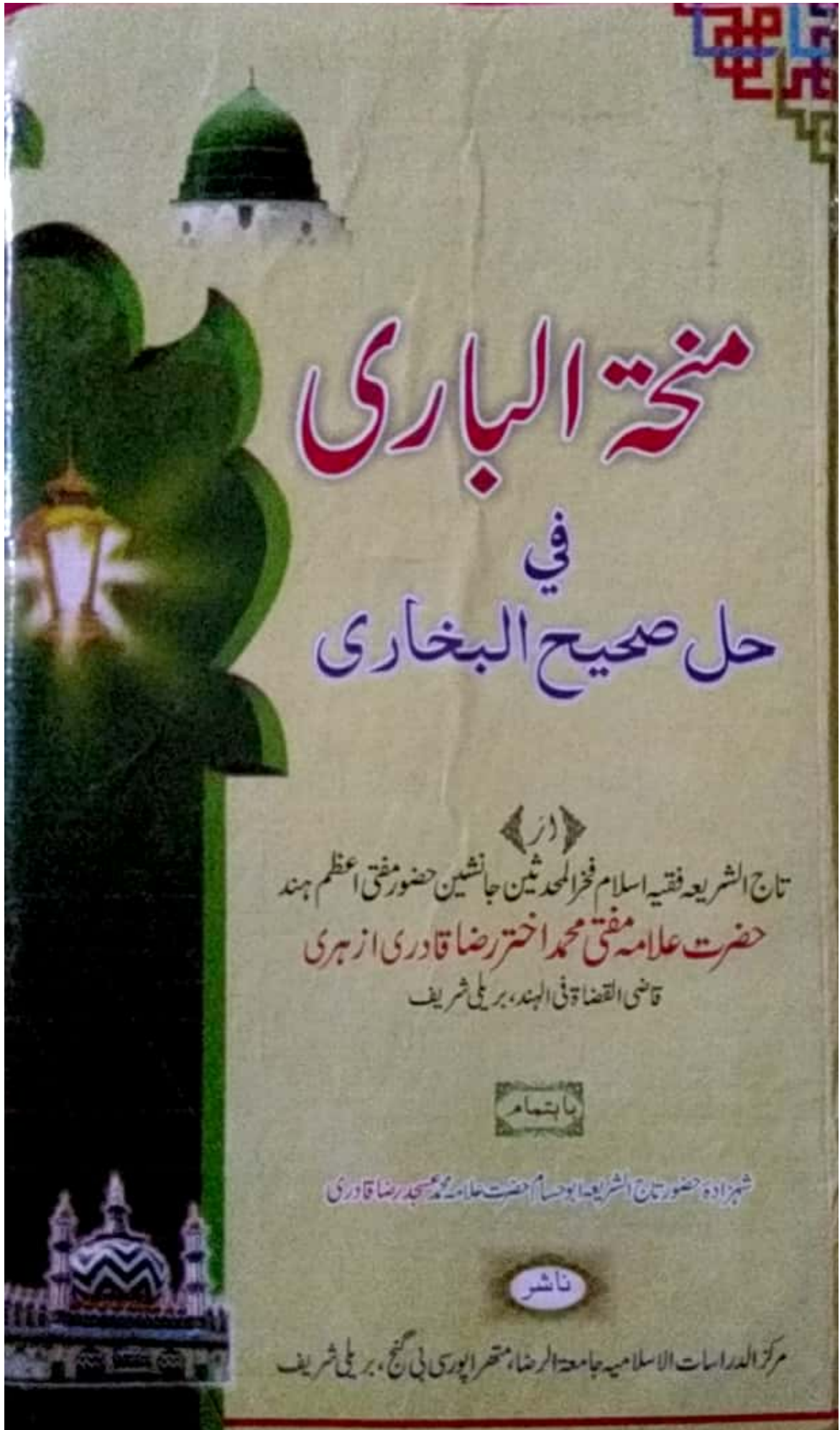
مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا، متھرا پوری بی گنج، بریلی شریف

عرض حال

تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں آپ نے اپنے دعوت وارشاد درس وتدریس اور تقریر وتحریر سے بے شمار لوگوں کو فیضیاب فرمایا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے مولی تعالی آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔

زیر نظر کتاب "منحة الباری" حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کے بخاری شریف کے چند دروس کا مجموعہ ہے جو تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ کافی معلوماتی ہے ان کی رکارڈنگ کا کام راقم السطور نے انجام دیا اور نقل، تسوید، تبییض اور تصحیح کا فریضہ مولانا شکیل احمد رامپوری، مولانا محمد شکیل بریلوی، مولانا محمد شہزاد عالم ومولانا شاہد رضا اساتذۂ جامعۃ الرضا نے انجام دیا، کپوزنگ اور تزئین کاری کا کام ماسٹر عتیق احمد حشمتی، مولانا محمد افضل اور مولانا ندیم رضا صاحبان نے جامعہ کے چند ہونہار طلبہ کے تعاون سے انجام دیا۔ نیز مولانا محمد شکیل بریلوی نے اس پر ایک وقیع مقدمہ اور مولانا محمد شہزاد عالم نے امام بخاری کے حالات زندگی تحریر فرمائے اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر دے اور انہیں سنیت کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کتاب کو شائع کرنے میں حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا قادری دامت برکاتہم العالیہ کی بے پناہ شفقتیں اور عنایتیں شامل حال رہیں جنہوں نے ہر موقع پر ہماری رہنمائی اور بھرپور تعاون فرمایا۔ ہم تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے مولی تعالی آپ کو آپکے آبائے کرام کا سچا جانشین بنائے، صحت وتندرستی عطا فرمائے اور علم وعمل اور وقت میں برکت عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم

عاشق حسین کشمیری
خادم العلم الشریف جامعۃ الرضا، بریلی شریف

فہرست مضامین

تقدیم

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ الکرام اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

علم حدیث کو اصول شرع میں سے ایک اصل ہونے کی بنا پر اجلہٗ علوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیز یہ نبی آخر الزماں کے اقوال وافعال وتقریرات کے مجموعے پر مشتمل ہے جو اس علم کے تاج عظمت کا کوہِ نور ہے، اسی سے اس علم کے اندر گفتگو کی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں جبکہ نزول وحی کا زمانہ تھا، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال کو جمع کرنے سے منع فرمادیا تاکہ قرآن جو وحی متلو ہے وہ وحی غیر متلو سے ممتاز رہے۔ لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات ظاہری سے تشریف لے جانے کے بعد وہ نفوس قدسیہ جن کے دل ودماغ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں اور اقوال زریں محفوظ تھے، ایک ایک کرکے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت کرنے لگے اور وہ گنجینۂ معرفت جو ان کے سینے میں سمایا ہوا تھا، ان کے ساتھ ہی رُخصت ہونے لگا جس سے پسماندگان کو اس گرانقدر سرمائے کے فوت ہونے کا خدشہ لاحق ہوا لہٰذا بعد کے لوگوں نے ان خوش بخت حضرات سے ملاقاتیں کرکے اس قیمتی سرمائے کو تحریری شکل دینے کا عزم کیا اور اسی عزم کے تحت باضابطہ تدوین حدیث کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور خیر اندیش لوگ دور دراز مقامات کا سفر کرکے اس منتشر سرمائے کو یکجا کرنے میں کوشاں ہوگئے اور اپنے اپنے طور پر احادیث کو جمع کرنا شروع کردیا۔

جمع حدیث کا کام اس ضاویے سے بھی مشکل ترین تھا کہ خیر القرون کے بعد کچھ لوگوں کے حفظ واتقان میں انحطاط آیا تو کچھ لوگوں نے اس میں ہوائے نفس کی

آمیزش شروع کردی جس کی وجہ سے صحیح وغیر صحیح میں تمیز دینا ایک اہم امر ہو گیا لہٰذا مدونین حدیث نے اس کے لئے اپنے اپنے طور پر معیار قائم کرلیا، اور اس پر پرکھنے کے بعد ہی وہ اُس حدیث کو اَخذ کرتے اور اپنے مجموعے میں جگہ دیتے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی جمع وتدوین کا کام شروع کیا اور اُس کے لئے معیار قائم کیا، قدرے تفاوت کے ساتھ دونوں کا معیار ایک ہی تھا، دونوں حضرات اپنے معیار پر پرکھنے کے بعد حدیث کو اَخذ کرتے اور اپنے مجموعے میں جگہ دیتے، جو مجموعے آگے چل کر جامع صحیح کے نام سے جانے گئے، یوں تو دیگر مدونین نے بھی شرائط صحت کا التزام کرتے ہوئے احادیث کو اپنے اپنے مجموعے میں جگہ دی، اُن میں صحاح ستہ، صحیح بخاری ومسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور جامع ترمذی غیر معمولی شہرت کی حامل ہیں لیکن ان میں اول الذکر دو مجموعے دیگر مجموعوں کے مابین قرین منیرین کا درجہ رکھتے ہیں، حتی کہ کتاب اللہ کے بعد علیٰ اختلاف الاقوال اصح الکتب ہونے کا اعزاز انہی کو حاصل ہوا، جس کے سبب لوگوں نے اِن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور سنت رسول سے آشنائی کا ذوق رکھنے والے حضرات نے اپنے اپنے حلقوں میں ان کے درس وتدریس کا کام شروع کردیا جس سے یہ علم بڑی برق رفتاری کے ساتھ اکناف عالم میں پھیل گیا۔

چونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خاص جوامع الکلم ہے اور احادیث بھی سرکار کے کلمات طیبات کا مجموعہ ہیں تو ضرورت محسوس ہوئی اس بات کی کہ ان کلمات جامعہ کی شرح کی جائے تاکہ ہر طبقۂ ذہن کے لوگ علم کے اس بحر ذخار سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ نتیجۃً ان مجموعوں کی شرح کے کام کی داغ بیل پڑی اور چونکہ تلقی بالقبول کے اعتبار سے امام بخاری کی جامع صحیح دیگر صحاح وجوامع ومسانید پر فوقیت رکھتی ہے تو شرح کے معاملے میں بھی اس کی یہ فوقیت برقرار رہی اور تمام جوامع وصحاح میں سب سے زیادہ اس کی شروح معرض وجود میں آئیں اور تقریباً ہر دور کے جیّد علما نے اس کی شرح کا کام انجام دیا جن میں علامہ بدرالدین عینی، ابن

حجر عسقلانی وعلامہ شہاب الدین قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی کاوشیں قابل ذکر ہیں۔

جب علم حدیث کی اشاعت کا سلسلہ اکناف عالم میں چلا تو برصغیر، ہندو پاک کی سرزمین بھی اس سے اچھوتی نہ رہی اور یہاں پر بھی علم حدیث کی نشرواشاعت کا سلسلہ محقق علی الاطلاق حضرت شاہ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے شروع کیا اور نہایت برق رفتاری سے ہندوستان میں بھی اس کے مراکز قائم ہوگئے اور باضابطہ درس و تدریس کا آغاز ہوگیا، اور یہاں پر بھی قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اہل عقل ودانش پر یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہے کہ سرزمین ہند میں جب تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے تعلق سے گفتگو کی جائے تو خانوادۂ رضویہ کا تذکرہ کیے بغیر یہ باب نامکمل رہتا ہے، اس لئے کہ خانوادۂ رضویہ میں بالعموم اور اعلیٰ حضرت مجدد اعظم شاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے آج تک بالخصوص تعلیم وتعلم فرزندان خانوادۂ رضویہ کا نصب العین رہا ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تمام عمر تدریس وتحریر کے ذریعے کتاب وسنت کی تعلیمات کو عام کیا اور ہزاروں ایسے فرزندان توحید پیدا کیے جنہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے اس مشن کو آگے بڑھایا کیونکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت عشق رسول کی سمندر میں غوطہ زن تھے تو بھلا کیسے ممکن ہوتا کہ اعلیٰ حضرت جس کے عشق میں وارفتہ ہیں، اس کے اقوال وافعال سے اپنے سینے کو منور نہ کرتے اور اپنے محبوب کے اقوال وافعال دوسروں سے بیان نہ فرماتے۔ بریں بنا اعلیٰ حضرت نے بھی اس سلسلۂ تعلیم وتدریس علم حدیث میں حصہ لیا اور اس کی اشاعت کا کام انجام دیا۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھ ساتھ ان کے تلامذہ اور شہزادگان نے بھی ان کی حیات میں اور بعد وصال بھی اس سلسلے کو قائم رکھا جو تاہنوز نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ فی الہند الشاہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری دام ظلہ العالی کے توسط سے جاری ہے۔

زیر نظر کتاب سیدی تاج الشریعہ دامت برکاتہ کی طرف سے تشنگان علوم نبویہ کی سیرابی کے لئے جاری کیے گئے ان فیضان علم کے چشموں کا ذخیرہ ہے جو آپ نے

تشنہ لبوں کی خواہش پر اُن کی تشنگی دور کرنے کے ئے جاری کیے۔ یہ حضرت کی غائب متعلمین کو حاضر مان کر اُن درسگاہی تقریروں کا مجموعہ ہے جن کو آپ کی بارگاہ کے حاضر باش نے محفوظ کرلیا۔ یہ علم دوستی اور محبت رسول کی زندہ وجاوید مثال ہے کہ حضرت نے اپنی عمر کے اس حصے میں جبکہ ضعف ونقاہت حیات فانی کا زیور بن چکی ہے، اپنی جہدِ مسلسل اور سعی پیہم سے اس کام کو انجام دیا اور ملک وبیرون ملک مسلسل اسفار کے باوجود یہ سلسلۂ تدریس آگے بڑھتا رہا جس سے فی الفور استفادہ کرنے کے لئے اس کو جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے عالم کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا گیا تا کہ ہر ایک کو اپنی سہولت کے مطابق بغیر کلفت ومشقت کے اس سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع مل جائے۔

ہم میں سے ہر ایک یہ بخوبی جانتا ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ سے استفادہ اسی کا حق ہے جو اِس سے آشنا ہو اور وہ طبقہ جو اِس سے آشنا نہیں، بہر حال تشنہ لب تھا، اُن کا لحاظ کرتے ہوئے اور یہ علمی ذخیرہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائے آپ کے ایما پر اس کو ترتیب دینے کا آغاز ہوا تا کہ یہ تحریر کی شکل میں بھی محفوظ ہو سکے۔

ترتیب کے سلسلے میں تین مراحل تھے:

(۱) تقاریر سننا۔

(۲) اُن کی تبییض وتلخیص۔

(۳) حتی الامکان اصل سے مراجعت۔

نقل کا کام مولانا شکیل احمد رامپوری (استاذ جامعۃ الرضا متھرا پور) کے سپرد کیا گیا اور باقی مراحل راقم السطور کے ذمے میں آئے۔ بہر حال حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کی دعاؤں کے زیر سایہ کام کا آغاز ہو گیا، نقل تقریر کے مراحل میں آواز صاف نہ آنے کی وجہ سے کچھ مقامات پر مشکلیں در پیش آئیں لیکن وہ لاینحل نہیں تھیں اور کتاب بدء الوحی سے لے کر کتاب الایمان تک کی جملہ احادیث شرح و بسط کے ساتھ اپنے آخری مرحلے سے گزر گئیں۔

چونکہ اس ترتیب کے کام سے پہلے ان دروس کو کبھی سننے کا اتفاق نہ ہوا، لیکن اب سن کر یہ محسوس ہوا کہ تشنہ لبوں کی تشنگی کو آپ نے کتنی شدت سے محسوس کیا اور سیرابی کی ہر ممکن کوشش کی جس کے نتیجے میں یہ ضخیم مجموعہ نذرِ قارئین ہے، اس سے پہلے صحیح بخاری کی دوسری اردو شروح نظر سے گزریں، لیکن یہ مجموعہ ان شروح سے جدا نظر آیا کیونکہ اس مجموعے میں شرح حدیث کے ساتھ اس بات پر مکمل زور دیا گیا کہ اگر حدیث سے کسی بھی طور پر اہلسنت و جماعت کا کوئی عقیدہ یا معمول ثابت ہوا تو اس کی تفصیل سے اولاً سامعین اور ثانیاً قارئین محروم نہ رہ جائیں، دیگر آیات و احادیث اور علما کے اقوال و عبارات سے بھی اس کو واضح فرما دیا۔ مثال کے طور پر اہل حق کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا کیا گیا، اس کی مکمل وضاحت کے لئے آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی کتاب مستطاب "الدولۃ المکیۃ" سے بھی اقتباسات پیش کیے۔ یونہی مسئلہ توسل میں استعانت بالغیر میں حاکم کی مستدرک سے متعدد احادیث ذکر فرمائیں نیز حکیم بن حزام کی حدیث کے تحت گفتگو کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا کہ کافر کو اس کے حالت کفر میں کیے گئے افعال خیر مفید ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟ وغیرہ۔ جہاں پر بھی مقام کا تقاضا تفصیل کا ہوا، آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی اور اِس کا سبب واحد یہی تھا کہ مقصود صرف شرح حدیث نہیں بلکہ سامعین و قارئین تک عقائد و معمولاتِ اہل حق مع کمالِ وضوح پہنچ جائیں۔ نیز اس میں عصر حاضر کے وہ جدید فتنے جن سے نئی نسل متأثر ہو رہی تھی، ان کے رد کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا جن میں فتنۂ طاہر القادری و تفضیلی قابل ذکر ہیں۔

کتاب کی ترتیب قدرے تبدیلی کے ساتھ وہی ہے جو حضرت نے اپنے درس میں بیان فرمائی ہے اور الفاظ و عبارات میں بھی اس کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہے کہ آپ کے بیان کو آپ ہی کے کلمات میں رکھا جائے، تاہم کہیں کہیں تبدیلی ناگزیر ہونے کی وجہ سے تبدیلی کی جرأت کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب وہی ہے جو عرب دنیا

کی مشہور شخصیت علامہ بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری کی ہے جس میں ناگزیر حل لغات، ترکیب عبارات، احوال رواۃ، لطائف اسناد و تعدد مقامات بالالتزام ذکر کیے گئے ہیں۔ نقل تقریر و دیگر مراحل میں مکمل انہماک سے کام لیا گیا ہے تاہم بتقاضۂ بشریت امکان خطا کو ناقل و مرتب کی طرف ہی منسوب کریں، صاحب تقریر کا دامن اس قدغن سے محفوظ تصور کریں۔

بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قارئین و مستفیدین کے لئے اس کتاب کو خوب سے خوب مفید بنائے۔

اب ذیل میں چند اصطلاحات ذکر کی جاتی ہیں جو استفادۂ کتاب میں معاون ثابت ہوں گی۔

(۱) حدیث: حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔

(۲) اثر: عام طور پر صحابی یا تابعی کے قول کو کہتے ہیں، مگر کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کو بھی اثر کہہ دیتے ہیں۔

(۳) متواتر: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔

(۴) مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے زیادہ ہوں۔

(۵) عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

(۶) غریب: وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی دور میں یا ہر دور میں صرف ایک ہوں۔

(۷) صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، تام الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو۔

(۸) صحیح لغیرہ: جس کے اندر صحت کے شرائط میں کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے اس کی تلافی ہو گئی ہو۔

(۹) حسن لذاتہ: جس کے ضبط میں کچھ کمی ہو، بقیہ صحت کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

(۱۰) حسن لغیرہ: وہ حدیث ضعیف ہے جس کی کثرت طرق سے تلافی ہوگئی ہو۔

(۱۱) اتصال سند: راوی سے لے کر حضور اقدس ﷺ تک کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

(۱۲) ارسال: اگر سند میں راوی کا سقوط آخر سند سے ہو تو اسے ارسال کہتے ہیں اور حدیث کو مرسل کہتے ہیں۔ جیسے کوئی تابعی کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

(۱۳) تعلیق: ابتدائے سند سے اگر راوی ساقط ہو تو اِس فعل کو تعلیق اور حدیث کو معلق کہتے ہیں خواہ ایک راوی ساقط ہو، یا تمام ساقط ہوں۔

(۱۴) انقطاع: سند کے درمیان سے کوئی راوی چھوٹ جانا۔ اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔

(۱۵) تدلیس: اس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہے، اس کا نام نہ لیا بلکہ اُس سے اوپر کے راوی کا نام لیا اور لفظ ایسا استعمال کیا جس سے سماع سمجھا جاتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ راوی جھوٹ بول رہا ہے۔

(۱۶) معلل: جس کی اسناد میں کچھ خفی، دقیق، ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں۔

(۱۷) متابعت: دو یا چند راویوں کا کسی حدیث کو ایک دوسرے کے موافق ذکر کرنا۔

(۱۸) تحدیث: راوی کا "حدثنا فلان" کہہ کر حدیث روایت کرنا۔

(۱۹) عنعنہ: راوی کا کسی حدیث کو "عن فلان، عن فلان" کہہ کر روایت کرنا۔

از: محمد شکیل بریلوی
صدر المدرسین جامعۃ الرضا، بریلی شریف

حالات امام بخاری

امام بخاری اپنے سابق ائمہ کی آرزو، اساتذہ کا فخر، اور ہم عصروں کے لیے سراپا رشک تھے گو کہ آپ کے زمانے میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کی فن حدیث میں بڑی شہرت تھی لیکن جب آسمان علم حدیث پر امام بخاری کا سورج طلوع ہوا تو سارے محدثین ستاروں کے مانند چھپتے چلے گئے۔ صحیح مجرد میں اولین مجموعہ حدیث پیش کرنے والی ذات آپ کی ہے اور پھر لوگوں نے کتب صحاح کی تصنیف کا آغاز فرمایا۔

ولادت: امام بخاری ۱۳ شوال المکرم ۱۹۴ھ میں ماوراء النہر کے مشہور شہر ''بخارا'' میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزہ جعفی ہے بعد میں آپ نے اپنی کنیت ''ابوعبداللہ'' اختیار کی۔ آپ کے والد محترم اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی عظیم محدث اور خداترس بزرگ تھے، ابن حبان نے انکو طبقہ رابعہ کے ثقات اور معتمد علیہ راویوں میں گردانا ہے، امام ذہبی نے ''تاریخ اسلام'' اور امام بخاری نے ''تاریخ کبیر'' میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

انہیں امام مالک، عبداللہ بن مبارک اور حماد بن زید جیسے نابغہ روزگار حضرات سے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یحییٰ بن جعفر بیکندی، احمد بن جعفر، نصر بن حسین اور اہل عراق کی بڑی جماعت نے آپ سے احادیث کا سماع کیا۔

امام بخاری کے والد بڑے خوش حال اور دولت مند تھے۔ احمد بن حفص کا قول ہے کہ میں اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی کی موت کے وقت حاضر خدمت تھا تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میرے پاس جتنا مال ہے اس میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں۔

امام بخاری عجمی النسل ہیں۔ آپ کے جد امجد مغیرہ بن بردزہ جعفی مجوسی تھے حاکم بخارا ''یمان جعفی'' کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اس نسبت سے امام بخاری کو بھی جعفی

کہا جاتا ہے۔

ابتدائی حالات: بچپن کے زمانہ میں ہی امام بخاری کے والد اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے باپ کے انتقال کے بعد امام بخاری کی ماں نے تعلیم وتربیت اور دیگر امور کی تمام تر ذمہ داریاں سنبھالیں۔ مورخین لکھتے ہیں: کم سنی میں ہی امام بخاری کی بینائی جاتی رہی۔ اس زمانہ کے مشہور اطبا و معالجین سے رجوع کیا گیا لیکن نتیجہ بے سود رہا۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی نیک اور پارسا تھیں ہمیشہ بیٹے کی فکر میں بے چین رہا کرتی تھیں اور بارگاہ خداوندی میں رو رو کر فریاد کرتیں اور دامن پھیلا کر اپنے لخت جگر کے لئے بینائی کی بھیک مانگتی تھیں ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور بشارت عظمیٰ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رب قدیر نے تمہاری آہ وزاری اور دل سوز دعاؤں کے صدقہ میں تمہارے فرزند ارجمند کی بینائی لوٹادی ہے صبح جب امام بخاری بستر استراحت سے اٹھے تو آپ کی آنکھیں منور ہو چکی تھیں۔

ابتدائی تعلیمی مراحل سے گذرنے کے بعد جب امام بخاری دس سال کی عمر کو پہنچے تو قوت ایزدی نے آپ کے دل میں طلب علم حدیث کا شوق پیدا کر دیا۔ اور آپ نے "بخارا" کے درس حدیث میں داخلہ لے لیا۔ بڑی جانفشانی و دلچسپی کے ساتھ بڑے بڑے محدثین سے اکتساب فیض کرنے لگے۔

متن کو محفوظ رکھا، اور سند کے ایک ایک راوی کو ضبط کیا، یہاں تک کہ ایک سال گذرنے کے بعد متن حدیث اور سند پر اس درجہ کمال حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات اساتذہ بھی آپ سے اپنی تصحیح کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے استاد نے حدیث بیان کرتے ہوئے "حد ثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم" کہا تو اس پر امام بخاری گرفت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ابو الزبیر کی ابراہیم سے کوئی روایت نہیں ہے، استاد نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو تہدید کی امام بخاری نے کہا کہ آپ کے پاس اصل موجود ہے اس کی طرف رجوع کیجئے، استاد نے جب

اصل سے ملایا تو آپ سے پوچھا بتاؤ کس طرح ہے: آپ نے جواباً عرض کیا ''حدثنا سفیان عن زبیر بن عدی عن ابراہیم'' اور بتلایا کہ سفیان کے شیخ ابو الزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں۔آپ کی خداداد قوت حافظہ دیکھ کر استاد حیران و ششدر رہ گئے اور بھرے مجمع میں آپ کی مدح و ستائش کی۔اسی تیزی اور عرق ریزی کے ساتھ آپ علوم نقلیہ و عقلیہ حاصل کرتے رہے اور جب سولہ سال کی عمر کے ہوئے تو عبداللہ بن مبارک، وکیع اور دیگر اصحاب حنفیہ کی تصانیف کو ازبر کرلیا اور اہل کلام کی رائے سے واقف ہو گئے۔

حج وزیارت اور آغاز تصنیف ۲۱۰ھ میں امام بخاری اپنے بھائی احمد بن اسماعیل اور اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ حج کرنے کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔حج سے فارغ ہو کر آپ کے بھائی والدہ ماجدہ کو لیکر وطن واپس آ گئے اور آپ مزید تعلیم کے حصول کے لئے وہیں رہ گئے اسی دوران آپ نے ''قضایا الصحابۃ والتابعین'' کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی اور اس کے بعد روضہ رسول پاک ﷺ کے پہلو میں بیٹھ کر ''تاریخ کبیر'' تصنیف کی۔خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے ''تاریخ کبیر'' میں جن اسماء گرامی کا ذکر کیا ان میں سے ہر ایک کی بابت مجھے کوئی نہ کوئی قصہ معلوم تھا۔لیکن اختصار کے پیش نظر میں نے ان تمام قصوں کے بیان سے پہلوتہی کر لی۔تاریخ کبیر کی تکمیل ہوتے ہی اس کی نقل کا کام شروع ہو گیا تھا۔محمد بن یوسف فریابی کا بیان ہے کہ ''میں نے تاریخ کبیر کی نقل اسی وقت سے شروع کر دی تھی جب امام بخاری کی داڑھی تک نہیں نکلی تھی''

طلب علم کے لئے سفر: امام بخاری نے علم حدیث کی طلب کی خاطر پہلا سفر ۲۱۶ھ میں مکہ مکرمہ کا کیا اگر آپ کے سفر کا سلسلہ قبل ازیں شروع ہو گیا ہوتا تو لامحالا آپ بھی طبقات عالیہ کے ان محدثین سے روایت حاصل کر لیتے جن سے آپ کے ہم عصروں نے کی چوں کہ آپ نے بھی طبقات عالیہ کے متقارب رواۃ مثلاً یزید بن ہارون اور ابوداؤد طیالسی کا زمانہ پالیا تھا۔جن دنوں امام بخاری نے مکہ کا سفر کیا

اس وقت امام عبدالرزاق باحیات تھے، امام بخاری نے آپ سے روایت حدیث کے لئے یمن جانے کا ارادہ کیا لیکن سوء اتفاق کسی نے امام کو غلط خبر دیتے ہوئے کہا کہ امام عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا یہ سن کر یمن جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور پھر ایک واسطہ کے ساتھ امام عبدالرزاق سے حدیث روایت کرنے لگے۔

امام بخاری نے علم حدیث کی طلب کے لئے دور دراز کا سفر کیا جیسے مرو، بلخ، ہرات، نیشاپور، مصر، شام وغیرہ، کوفہ اور بغداد کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں "میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کا رخت سفر باندھا"

لاجواب حافظہ: امام بخاری غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے، ان کی قوت حافظہ کے حیران کن واقعات وکارناموں کو دیکھ کر گویا ایسا لگتا ہے کہ وہ از سرتاپا حافظہ ہی حافظہ تھے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پرپوتے تھے۔ حاشد بن اسمعیل کا بیان ہے کہ امام بخاری لڑکپن میں ہمارے ہمراہ سماع حدیث کی غرض سے مشائخ بصرہ کی خدمت میں تھے ہم سب شنیدہ حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے جب کہ امام بخاری نہیں لکھتے تھے۔ سولہ دن گزر جانے کے بعد ہمیں اس بات کا خیال آیا تو ہم نے بخاری کو ملامت کی یہ کہتے ہوئے کہ تم نے اتنی محنت رائگاں کردی اس پر امام بخاری نے فرمایا اچھا تم اپنی تحریر کردہ حدیثوں کا مجموعہ لیکر آؤ۔ جب ہم لوگ لیکر حاضر ہوئے تو امام بخاری نے حدیثیں سنانے کا سلسلہ شروع کر دیا حتی کہ پندرہ ہزار حدیثیں بیان کر ڈالیں یہ سن کر ایسا لگتا تھا گویا یہ ساری روایات ہمیں خود امام بخاری نے املاء کرائی ہیں۔

محمد بن ازہر سجستانی کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے ساتھ سلیمان بن حرب کی خدمت میں سماع حدیث کی غرض سے حاضر ہوتا تھا، میں احادیث ضبط تحریر میں لے آتا جب کہ امام بخاری ایسا نہ کرتے اس پر کسی نے مجھ سے کہا بخاری احادیث نوٹ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو بخاری کے حافظہ سے لکھ لینا۔

محمد بن حاتم کا بیان ہے کہ ایک دن ہم فریابی کے حلقہ درس میں شامل تھے کہ فریابی نے ایک سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ''حدثنا سفیان عن ابی عرو عن ابی الخطاب عن ابی حمز'' یعنی اس کی سند میں سفیان کے علاوہ بقیہ تمام راویوں کی کنیت ذکر فرمائی۔ پھر آپ نے ان راویوں کے اصل نام معلوم کئے سارے مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور اس کا جواب کوئی نہیں دے سکا بالآخر سب کی نظریں امام بخاری پر مرکوز ہو گئیں تو امام بخاری نے ارشاد فرمایا! ابوعروہ کا نام معمر بن راشب، اور ابوالخطاب کا نام قتادہ بن دعامہ اور ابوحمزہ کا نام انس بن مالک ہے جیسے ہی امام بخاری نے یہ اسماء بتائے تو حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے آپ کی خداداد قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ جو کتاب ایک بار دیکھ لیا کرتے تو وہ آپ کو زبانی یاد ہو جاتی اور بعد میں یہ تعداد دو تین لاکھ تک پہنچ گئی جن میں ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ تھیں، ایک بار بلخ میں قیام کے دوران وہاں کے لوگوں نے فرمائش کی آپ اپنے شیوخ سے ایک ایک روایت بیان کیجئے تو اس پر آپ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار حدیثیں زبانی بیان کر دیں۔

سلیمان بن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں محمد بن سلام بیکندی کی مجلس میں پہنچا تو محمد بن سلام نے فرمایا اگر تم کچھ دیر قبل آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جس کو ستر ہزار احادیث از بر ہیں سلیمان بن مجاہد کہتے ہیں کہ میں اس مجلس سے اُٹھ کر امام بخاری کی جستجو میں لگ گیا تلاش بسیار کے بعد میں نے ان کو ڈھونڈ نکالا اور پوچھا: کیا تم ہی وہ طفل نیک بخت ہو جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں، امام بخاری نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ احادیث یاد ہیں ساتھ ہی جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں ان میں اکثر کی ولادت، تاریخ وفات اور جائے سکونت سے آگاہ ہوں، نیز وہی حدیث روایات کرتا ہوں جس کی اصل کتاب اور سنت میں ہے۔

جب امام بخاری کا بغداد شریف ورود مسعود ہوا تو ایک بڑے مجمع کے سامنے آپ کا امتحان لیا گیا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر غلط سند کے ساتھ حدیث پڑھی اور

پوچھا کیا آپ اس حدیث کے بارے میں علم رکھتے ہیں آپ نے جواب دیا نہیں اسی طرح سے دس حدیثیں غلط اسناد کے ساتھ پڑھتا چلا گیا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے دس لوگوں نے غلط سندوں کے ساتھ دس دس حدیثیں روایت کیں جب مجمع پہ سکون طاری ہوگیا اور مزید کوئی سوال کرنے والا باقی نہ رہا تو امام بخاری نے جواب کا سلسلہ شروع فرمایا اور پہلے شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سب سے پہلی جو حدیث پڑھی اس کی اصل سند یہ ہے، پھر دوسری حدیث کی سند تم نے یہ بیان کی تاہم اسکی اصل سند یہ ہے اس طرح آپ نے ہر ہر حدیث کی صحیح اور غلط سند بیان فرمادی یہ دیکھ کر حاضرین بہت حیران ہوئے اور آپ کے علم وفضل کا برملا اعتراف کیا، تاریخ کے صفحات پر اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ سمرقند کے چار سو محدثین نے امام بخاری کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے عراقی اسناد کو شامی، شامی اسناد کو حجازی اور حجازی اسناد کو یمنی اسناد میں خلط ملط کر دیا اسی طرح متون احادیث کے الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا لیکن کسی حدیث کے الفاظ سند کے متعلق امام بخاری کو مغالطہ اور دھوکہ نہ دے سکے اور امام بخاری علیہ الرحمہ نے ان تمام احادیث کے متون اور ان کی اسناد کو صحیح طرح بیان کر دیا۔

کثرت طرق سے آگاہی: امام بخاری علیہ الرحمہ فن حدیث کے تمام تر گوشوں کے واقف کار تھے، ایک حدیث جتنی اسانید سے مروی تھی اس کے تمام طرق پر آپ کو عبور تھا، آپ کے زمانے میں اس فن کا آپ سے زیادہ ماہر کوئی نہیں تھا۔

حافظ ابو احمد اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نیشاپور کی ایک مجلس میں امام مسلم بن حجاج امام بخاری سے ملنے کے لئے آئے مجلس میں کسی شخص نے یہ روایت کی:

"عن ابی جریج عن موسیٰ بن عقبۃ عن اسماعیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک"۔

یہ حدیث سن کر امام مسلم کی زبان سے بے ساختہ نکلا سبحان اللہ! کس قدر عمدہ حدیث ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں ہے یعنی یہ حدیث صرف اسی سند سے پائی جاتی ہے۔ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس سند کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ سند معلول ہے۔

امام مسلم کے بے حد اصرار پر آپ نے اس حدیث کی خامی بیان فرمائی اور سند حدیث اس طور پر املاء کرائی: "حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا وهيب حدثنا موسیٰ بن عقبة عن عون بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كفارة المجلس" (الحدیث)۔

یہ سن کر امام مسلم بے حد خوش ہوئے اور برملا زبان سے یہ کلمات نکلے "اے امام میں گواہی دیتا ہوں کہ علم حدیث میں اپنی نظیر آپ ہو آپ کا کوئی مماثل نہیں اور آپ کی علمی وجاہت کا معترف صرف وہی نہیں ہوگا جو آپ کا حاسد ہے"۔

معرفت علل حدیث کو علم اصول حدیث میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہ معرفت مشکل ترین امر ہے حتیٰ کہ عبدالرحمان مہدی کے بقول علل حدیث کی معرفت الہام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو یعنی ظاہر میں حدیث صحیح معلوم ہو لیکن دراصل ضعف وسقم سے خالی نہ ہو جیسے موقوف کو مرفوع یا مرفوع کو موقوف یا اسی طرح موصول کو مرسل اور مرسل کو موصول قرار دینا۔ یا حدیثوں کے متن کو باہم خلط ملط کر دینا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا وہم پایا جائے تو ان مذکورہ علل میں حدیث معلل ہو جاتی ہے۔

وراق کا بیان ہے کہ ایک بار امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے "اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور علل حدیث کے معالج و طبیب ذرا ارشاد فرمائیں: "اخبرنا ابن جريج عن موسیٰ بن عقبة عن سهيل عن ابيه عن ابي هريرة"۔

اس ذکر کردہ سند میں کون سی علت پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ موسیٰ بن عقبہ

کا سہیل سے سماع ثابت نہیں ہے پس جو حدیث بظاہر متصل معلوم ہوتی ہے وہ در حقیقت منقطع ہے۔

عبادت وریاضت وخداترسی: امام بخاری جہاں بہت بڑے محدث وناقد تھے وہیں نہایت تقویٰ شعار، پارسا وپاک دامن تھے، حرام تو حرام مشتبہات سے بھی گریز کیا کرتے تھے۔ تیراندازی کا بڑا شوق تھا ایک بار انکا تیر نہر کے پل پر لگا جس سے ایک کیل خراب ہوگئی۔ امام بخاری بے حد پریشان ہوئے اور اس کے مالک حمید بن اخضر کو سلام بھیجا اور اس نقصان سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں یا تو کیل بدلنے کی اجازت دے دو یا اس کی قیمت لے لو اس پر حمید بن اخضر نے سلام بھیجا اور عرض کیا اے ابوعبداللہ صرف یہ کیل ہی نہیں اپنی ساری ملکیت آپ کے تصرف میں دیتا ہوں جس طرح چاہو تصرف فرماؤ یہ سن کر آپ کا چہرا کھل اٹھا اور فرط مسرت میں پانچ سو احادیث روایت کی اور تین سو درہم صدقہ کئے۔

عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ شب بیداری کرتے کثرت سے نوافل پڑھتے اور رمضان شریف میں ہر دن ایک قرآن ختم کرتے اور روزانہ نصف شب کو اٹھ کر قرآن کریم کے دس پارے تلاوت کیا کرتے۔

ابوبکر بن منیر روایت کرتے ہیں کہ امام بخاری نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اپنا دامن اٹھایا اور اپنے شاگرد سے فرمایا ذرا دیکھو میری قمیص کے نیچے کیا ہے؟ شاگرد نے دیکھا تو قمیص کے نیچے زنبور تھی جس نے آپ کے جسم پر پندرہ سولہ جگہ ڈنک مارا تھا اور بدن جگہ جگہ سے سوج گیا تھا ابن منیر کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ جب زنبور نے آپ کو پہلی بار ڈنک مارا تو آپ نے نماز توڑ کیوں نہیں دی؟ آپ نے فرمایا میں قرآن پاک کی جس آیت کریمہ کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا لطف حاصل ہو رہا تھا کہ مجھے اپنی تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔

امام بخاری کے علم کا اعتراف: امام بخاری کی عظمت شان کا اندازہ ان تعریفی وتوصیفی کلمات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو ان کے اساتذہ،

معاصرین اور تلامذہ نے ان کے بارے میں کہے۔

{۱} اسحاق بن راہویہ نے فرمایا بخاری سے حدیثیں روایت کرو اور ان کو لکھ لیا کرو، بلاشبہ اگر بخاری حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی علم حدیث مسیں بخاری کی طرف رجوع کرتے۔

{۲} امام بخاری کے استاذ ابو مصعب احمد بن ابی بکر نے فرمایا: امام بخاری علم حدیث میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے کسی کو اس پر تعجب ہوا تو ازالہ شک کے لئے آپ نے فرمایا اگر تم امام مالک کو دیکھتے تو ان میں اور امام بخاری میں سر مو فرق نہ پاتے۔

{۳} سرزمین خراسان میں بخاری کے ہم پلہ کوئی محدث پیدا نہیں ہوا۔

{۴} حجاز، شام اور عراق میں کوئی محدث امام بخاری کے ہم وزن نہ تھا۔

{۵} امام بخاری کے معاصر حاتم بن منصور نے کہا امام بخاری اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔

{۶} علم وعمل میں بخاری بے مثال ہیں۔

{۷} امام بخاری کو صرف علم حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا۔

{۸} اسحاق بن خزیمہ کا قول ہے اس آسمان کے نیچے محمد بن اسمعیل سے بڑھ کر کوئی عالم بالحدیث نہیں۔

{۹} آپ کے شاگرد امام ترمذی نے کہا میں نے اسانید اور علل کے علم مسیں امام بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہ پایا۔

{۱۰} ایک دوسرے شاگرد سلیم بن مجاہد کا قول ہے میں نے ساٹھ سال سے علم وعمل میں آپ جیسا کوئی نہ دیکھا۔

امام بخاری کا فقہی مسلک: امام بخاری کے اپنے کلام میں آپ کے مسلک کی صراحت نہیں ملتی ہے البتہ جامع صحیح میں بکثرت ایسی حدیثیں موجود ہیں جن سے امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے شاید اسی لئے

بعض مشاہیر علماء نے آپ کو امام شافعی کے مقلدین میں شمار کیا ہے جیسا کہ خود امام قسطلانی تاج الدین سبکی پر اعتماد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں "وقد ذکرہ ابوعاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة " ابوعاصم نے امام بخاری کو ہمارے طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے اور تاج الدین سبکی امام بخاری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :"وسمع بمکة عن الحمیدی و علیه ثقة عن الشافعی" امام بخاری نے مکہ مکرمہ میں (زادھا فیھا اللہ شرفا) میں حمیدی سے سماع کیا اور انہیں سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔

مزید دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:"ذکر ابو عاصم العبادی اباعبداللہ فی کتابه "الطبقات "وقال سمع من الزعفرانی وابی ثور والکرابیسی قلت و تفقه عل الحمیدی و کلھم من اصحاب الشافعی"۔

ابوعاصم عبادی نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''طبقات شافعیہ'' میں امام بخاری علیہ الرحمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی وابوثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے اور میں کہتا ہوں کے آپ نے حمیدی سے علم فقہ حاصل کیا اور یہ سب امام شافعی کے شاگرد تھے۔

یہ تمام اقوال وحوالہ جات اسی بات پر شاہد عدل ہیں کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے یہ الگ بات ہے کہ شافعی المذہب ہونے کی تقدیر پر محض مقلد نہیں تھے بلکہ طبقات فقہا میں تیسرے درجے پر فائض تھے اور مجتہد فی المسائل تھے اس وجہ سے آپ بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف رکھتے ہیں اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اسی لئے اہل علم کے نزدیک امام بخاری کو شوافع کے مابین وہی درجہ حاصل ہے جو امام ابوجعفر طحاوی کو احناف میں۔

تصانیف : حیرت انگیز بات یہ کہ امام بخاری نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بھی تصنیف وتالیف کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوگی کے آپ نے زندگی کا اکثر حصہ

حدیث کی تلاش میں گزارا، اور کسی ایک جگہ پرسکون ماحول میں سرگرم عمل رہنے کا موقع ہاتھ نہ آیا، لیکن اس کے باوجود بھی درجنوں کتابیں تصنیف فرمائی، امام ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات نے جو تصانیف آپ کی شمار کرائی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

{۱} الجامع الصحیح {۲} التاریخ الکبیر {۳} التاریخ الاوسط {۴} التاریخ الصغیر {۵} کتاب الضعفاء {۶} کتاب الکنی {۷} الادب المفرد {۸} جزء رفع الیدین {۹} جزء القراۃ خلف الامام {۱۰} کتاب الاشربۃ {۱۱} کتاب العلل {۱۲} بر الوالدین {۱۳} کتاب الھبۃ {۱۴} الجامع الکبیر {۱۵} التفسیر الکبیر {۱۶} المسند الکبیر {۱۷} خلق افعال العباد {۱۸} قضایا الصحابۃ و التابعین {۱۹} کتاب الوحدان {۲۰} کتاب المبسوط {۲۱} کتاب الفوائد {۲۲} اسامی الصحابۃ۔

صحیح بخاری کی چند نمایاں خصوصیات :

(۱) صحیح بخاری کی تالیف کا مقصد صرف صحیح احادیث کو یکجا کرنا نہیں بلکہ ترجمۃ الابواب پر استدلال اور صحیح احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط و استخراج بھی ہے اسی لئے امام بخاری سب سے پہلے ترجمۃ الابواب کی مناسبت سے قرآنی آیات لاتے ہیں اور کبھی آثار صحابہ و تابعین وارشادات ائمہ سے اسکی تائید کرتے ہیں پھر اسی باب میں سند کے ساتھ پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔

(۲) امام بخاری کسی ایک باب کے تحت بہت سی حدیثیں ذکر کرتے ہیں تو کبھی صرف ایک حدیث پر ہی اکتفا کرتے ہیں یہ اس وقت جب آپ کو ترجمۃ الابواب کی مناسبت سے شرائط کی جامع احادیث دستیاب ہو جائیں ورنہ کوئی حدیث ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی حدیث کے من وعن الفاظ یا اس کے ہم معنی الفاظ عنوان باب بنا کر لاتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس عنوان کے تحت جامع شرائط کوئی حدیث نہ مل سکی۔

(۳) امام بخاری کا ایک ہی حدیث کو متعدد بار لانے کا مقصد گوناگوں مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن ابواب سے متعلق وہ احادیث ذکر کی گئیں۔

(۴) امام بخاری کی عادت ہے کہ حدیث کے غریب لفظ کی نظیر اگر کتاب اللہ میں موجود ہے تو اقوال مفسرین کرام سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۵) امام بخاری کبھی کبھار کتاب کے شروع میں اس کے نزول کے زمانہ او رمشروعیت کے آغاز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۶) اختتام کتاب پر کوئی نہ کوئی ایسا لفظ ضرور لاتے ہیں جس سے ختم کتاب کی طرف اشارہ ہوجائے۔

وصال پر ملال: ۲۵۰ھ میں جب آپ نیشاپور تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کے حلقہ درس میں بڑا ازدحام جمع ہونے لگا تو حاسدوں سے آپ کی مقبولیت دیکھی نہ گئی اور انہوں نے خلق القرآن کا مسئلہ اٹھایا اور امام بخاری سے اس مسئلہ میں رائے طلب کی آپ نے فرمایا ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' لیکن پھر ضد کرنے لگے اچھا ان الفاظ کا حکم بتائیے آپ نے جواب میں فرمایا ''افعالنا مخلوقة و الفاظنا من افعالنا'' یعنی ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ وہ ہمارے افعال ہی ہیں لہٰذا وہ بھی مخلوق ہونگے پس کیا تھا اتنا سنتے ہی حاسدوں نے گویا آسمان سر پر اٹھالیا اور کہنے لگے کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق بتاتے ہیں جب یہ خبر محمد بن یحییٰ کو موصول ہوئی تو انہوں نے پابندی لگادی کہ کوئی ان کے حلقۂ درس میں شریک نہیں ہوگا امام مسلم کے علاوہ تمام طالبان حدیث آپ سے کنارہ کش ہوگئے۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن بخارا تشریف لے آئے مگر یہاں بھی والی بخارا خالد بن احمد ذھلی کے لڑکے کو خصوصی اور امتیازی طور سے درس نہ دینے کی وجہ سے ابن الوقت علماء کے فتویٰ کا سہارا لے کر والی بخارا نے بخارا سے نکل جانے کا حکم صادر کیا افسردہ خاطر ہوکر سمرقند کا رخ کیا لیکن سمرقند سے پہلے ہی ''خرتنگ'' نامی ایک جگہ پر قیام پذیر ہوئے اور وہیں مرض

الموت میں مبتلا ہو گئے اور یکم شوال ۲۵۶ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے بعد نماز ظہر خرتنگ میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا قبر میں دفن کے بعد مشک و عنبر سے بہتر بہت مدتوں خوشبو آتی رہی لوگ جب بکثرت قبر کی مٹی تبرک کی نیت سے لے جانے لگے تو اس کے ارد گرد حصار کر دیا گیا۔

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں امام بخاری کی مقبولیت:

امام بخاری نے پوری زندگی احادیث کی تلاش و جستجو اور عمل بالحدیث میں گزار دی تو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بڑا مرتبہ اور عظیم مقبولیت حاصل ہوگئی چنانچہ وراق کا بیان ہے میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ امام بخاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور جہاں حضور قدم رکھتے ہیں بعد میں وہیں امام بخاری رکھتے ہیں۔

فربزی کا بیان ہے کہ میں نے خود کو خواب میں کسی جگہ دیکھا اور ساتھ ہی حضور کی طلعت زیبا کا دیدار ہوا آپ ﷺ مجھ سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا محمد بن اسماعیل کے پاس آپ نے فرمایا جاؤ اور اس کو جا کر میرا سلام کہنا۔

مذکورہ بالا واقعات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ جس طرح صحیح البخاری کو امت مسلمہ میں عظیم مقبولیت حاصل ہوئی یوں ہی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قبولیت کا تمغہ ملا۔

بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ رب قدیر ہم سب کو امام بخاری کے فیوض و برکات سے بہرور فرمائے اور آپ کی قبر پر رحمت و نور کی بارش فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

محمد شہزاد رضا قادری
خادم التدریس جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب بدءُ الوحي

قَالَ الشَّيْخُ الإمَامُ الحَافِظُ أبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ إسْمَاعِيلَ بْنِ إبْرَاهِيمَ بْنِ المُغِيرَةِ البُخَارِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى آمِينَ :

كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

وَقَوْلُ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ : إنَّا أوْحَيْنَا إلَيْكَ كَمَا أوْحَيْنَا إلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ۔

اس بات کا بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتدا کی کیفیت کیا تھی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ ہم نے تمہاری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد انبیا کی طرف وحی کی۔

۔حَدَّثَنَا الحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، قَالَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الأنْصَارِيُّ، قَالَ : أخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ، أنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ، يَقُولُ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى المِنْبَرِ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : " إنَّمَا الأعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أوْ إلَى امْرَأةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إلَى مَا هَاجَرَ إلَيْهِ"

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی حمیدی عبد اللہ ابن زبیر نے وہ فرماتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی سفیان نے وہ فرماتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن سعید انصاری نے وہ کہتے

ہیں کہ مجھے خبر دی محمد بن ابراہیم تیمی نے کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہو کہ اس سے شادی کریگا تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

آغاز کتاب میں امام بخاری نے اپنی کتاب میں یہ باب باندھا کہ نبی کریم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا تھا اور اس کی کیفیت کیا تھی؟ کچھ نسخوں میں ''بدء الوحی'' کی جگہ ''بدؤ الوحی'' آیا ہے تو اس کا مطلب ہوگا وحی کا ظہور، یعنی وحی کے ظہور کی کیفیت کیا تھی۔

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی: وحی کے چند لغوی معانی آتے ہیں۔ وحی کبھی اشارہ کے معنی میں آتی ہے اور کبھی کتابت، رسالت، الہام، کلام خفی کے معنی میں۔ اور ہر وہ چیز جس کو تم اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص کے پاس ڈالو اس کو بھی وحی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''اوحیت الیہ الکلام ای کلمتہ بکلام خفی''

یعنی میں نے اس سے پوشیدہ انداز میں گفتگو کی۔

وحی بمعنی اشارہ ہوتی ہے، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان: {فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا}

کہ ان کے رب نے انہیں اشارہ کیا صبح وشام تسبیح کا۔

باعتبار لغت وحی کا استعمال غیر انبیاء کے لئے بھی ہوا، اس کی مثال قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: {وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحل} ہے لیکن اصطلاح شرع میں وحی: ''ہو کلام اللہ المنزّل علی نبی من انبیائہ'' (یعنی ایسا کلام الٰہی جو اللہ نے

اپنے نبیوں میں سے کسی نبی پر اتارا) کو کہتے ہیں۔ اس تقدیر پر نبی وہ انسان ہوگا جو اللہ کے بارے میں خبر دے اگرچہ اس کے پاس کوئی کتاب نہ ہو اور رسول وہ نبی ہوگا جس کے پاس کوئی کتاب بھی ہو، جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام وغیرہم۔

وحی کے اقسام:

انبیاء علیہم السلام کے حق میں اقسام وحی تین ہیں :

۱) کلام قدیم کا سننا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب کے کلام کو سننا جس کا ثبوت نص قرآنی سے ہے، اور یوں ہی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام الٰہی کو سننا جس کا ثبوت آثار صحیحہ سے ہے۔

۲) وحی رسالت۔ یعنی کسی فرشتہ کے ذریعہ پیغام الٰہی کی وحی۔

۳) وحی بالقلب یعنی پیغام الٰہی کو دل میں ڈالنا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا : "ان روح القدس نفث فی روعی" کہ جبرئیل امین نے میرے دل میں پھونکا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی یہی حال تھا۔

وحی کی صورتیں:

امام سہیلی کے مطابق وحی کی سات صورتیں ہیں:

۱) پہلی یہ کہ خواب میں وحی ہو، جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل دوسری حدیث کے تحت آئے گی۔

۲) گھنٹی کی آواز کے مثل وحی آئے، اس کی تفصیل اسی میں آئے گی۔

۳) قلب میں کلام پھونک دیا جائے جیسا کہ ماقبل میں حدیث گزری۔

۴) فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہو کر پیغام پہونچائے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔

۵) یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اسی حقیقی صورت پر نمودار ہوں جس پر ان کو پیدا کیا گیا۔

۶) یہ کہ اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے، چاہے بیداری میں جیسے کہ

شب اسرا میں، یا حالت نوم میں جیسا کہ ترمذی میں آیا: "اتانی ربی فی احسن صورۃ فقال فیم یختصم الملأ الأعلی - میرے رب نے مجھے بہترین صورت میں جلوہ دکھایا اور فرمایا کہ فلاں اعلی کس چیز میں جھگڑتے ہیں"۔ (الحدیث)

۷) حضرت اسرافیل علیہ السلام کا وحی لانا، کہ آپ تین سال تک مسلسل وحی لاتے رہے پھر اس پر جبرئیل امین کو مقرر کردیا گیا۔ اس بارے میں حضرت شعبی سے ایک روایت بھی مروی ہے: "ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام وکل بہ اسرافیل علیہ السلام فکان یترأی لہ ثلاث سنین ویاتیہ بالکلمۃ من الوحی ثم وکل بہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت:

اس باب کے تحت امام بخاری نے حدیث: "إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل إمرء مانوی فمن کانت ہجرتہ إلی الدنیا یصیبہا أو إلی إمرأۃ ینکحہا فہجرتہ إلی ماہاجر إلیہ" کو ذکر فرمایا۔ یعنی اعمال اپنی نیتوں سے ہیں اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی تو جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ دنیا کا مال یا دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنا چاہتا ہو یا عورت کے لئے کہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی اس ہجرت کا اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

یہاں امام بخاری پر اعتراض ہوا کہ انہوں نے حدیث کا ایک ٹکڑا اپنی عادت کے مطابق حذف کردیا حالانکہ ان کے شیخ حمیدی نے اس حدیث کو پورا نقل کیا ہے۔

اس کے جواب میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ایک قاعدہ ذکر کیا کہ چونکہ امام بخاری اس حدیث کو اخلاص کے سلسلے میں ذکر کررہے ہیں تو انہوں نے تزکیہ نفس یعنی، اپنے آپ کو اس بات سے دور رکھنے کے لئے کہ وہ اپنی تعریف

خود کریں یا کوئی ایسا جملہ ذکر کریں جس سے تعریف پر دلالت ہو رہی ہو، اس کو حذف فرمادیا اور وہ جملہ محذوفہ یہ ہے: "فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ" جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے، یعنی اس کی ہجرت مقبول ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باب باندھا کہ حضور کی طرف وحی کی ابتدا کیسے ہوئی اور اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی وہ بظاہر اس باب سے بالکل بیگانہ ہے اور حدیث کی باب سے کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو عادات مصنفین کے مطابق خطبہ کتاب کے طور پر اس باب میں ذکر کیا ہے۔ مصنفین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کتاب کے شروع میں تقدیم، دیباچہ یا پیش لفظ تحریر فرماتے ہیں۔ لیکن امام بخاری اور دیگر مصنفین کے مابین فرق یہ ہے کہ دیگر مصنفین پیش لفظ یا دیباچہ میں اپنے الفاظ ذکر کرتے ہیں اور امام بخاری چونکہ اقوال وافعال رسول اللہ کا احاطہ کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے چاہا کہ اس صحیح میں حتی الامکان جو کچھ ہو وہ اللہ ورسول کا کلام ہی ہو۔ اس لئے خطبہ کے طور پر حدیث اخلاص کو ذکر فرمادیا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کردی کہ درس حدیث اور تحصیل حدیث کسی دنیاوی غرض وشہرت کے لئے نہ کرے بلکہ خالصاً لوجہ اللہ کرے۔

اگر تأمل کیا جائے تو اس طرح سے بھی اس حدیث کی باب سے مناسبت ہوسکتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب کے تحت جس آیت کریمہ کا ذکر کیا ﴿إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ﴾ اس آیت کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ اصول دین، توحید، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات، مبدا، معاد اور قیامت حق ہے اور حساب دینا ہے۔ تو ان اصول دین میں تمام انبیاء ایک ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے یہ بھی پتہ لگا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جن انبیاء کرام کو وحی بھیجی گئی ان کی شریعت اور ان کے اصول ہماری شریعت میں

شمار ہوں گے جب تک کہ کوئی ناسخ من جانب اللہ قرآن میں یا کسی حدیث میں نہ ہو۔ اس آیت کریمہ سے پتہ لگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح سے اگلے انبیاء کو وحی بھیجی ہے اسی طرح سرکار کو بھی وحی بھیجی ہے تو یہ آیت کریمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچی اور جیتی جاگتی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اس عالم اجساد کے اعتبار سے اگلے انبیاء سے تو نہیں ہوئی لیکن وہ دین اور وہ پیغام لے کر آئے جو اگلے انبیاء کے پیغام سے سرموئے فرق نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ اب جس طریقے سے وحی میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسی طرح سے وحی کے مقدمات میں بھی کہ وحی سے پہلے کی جو انبیاء کی حالت ہوتی ہے ان میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ وحی اور اپنے پیغام کے لئے جس کو منتخب کرتا ہے اس کو انسانوں میں سب سے نکلا ہوا اور سب سے بہتر بناتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ

انسا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

جیسے مقدمات وحی اور پیغام میں کوئی اختلاف نہیں ہے ویسے ہی ان انبیاء کرام کی شان عام انسان سے جداگانہ ہے کہ وہ بدوفطرت سے ہی کچھ احکام جانتے ہیں اور نبی کا عرفان ان احکام کے بارے میں پہلے سے ہوتا ہے برخلاف عام انسان کے کہ ان کو سارے احکام نبی کے بتانے سے معلوم ہوئے۔ اب جب نبی کو کچھ احکام کی معرفت پہلے سے ہوتی ہے تو اس کا نفس اللہ کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے ہماری اور نبی کی ضلالت میں فرق ہے، قرآن نے فرمایا: {وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى} ''کہ اے محبوب ہم نے تم کو اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف ہدایت دی'' تو یہاں پر ہجرت کا معنی یہ ہوا کہ جس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ جس کو منصب نبوت پر فائز کرتا ہے اور اپنی وحی کے لئے جس کو چھانٹتا ہے تو اس کو اس طور پر پیدا کرتا ہے کہ وہ نفس سے اللہ کی طرف

ہجرت کرتا ہے اور اس کو اس استعداد پر پیدا فرماتا ہے کہ اس کو حکم ہو کہ وطن مالوف چھوڑے تو اگر چہ وہ پہلے سے ہجرت کر چکا ہے لیکن اللہ کے حکم سے وہ وطن مالوف بھی چھوڑ دے گا۔ اس حدیث اخلاص کو امام بخاری نے اس باب کے تحت بایں مناسبت ذکر کیا کہ اخلاص مقدمات وحی سے ہے اور اخلاص کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے لئے سب کچھ چھوڑ دینا اور حقیقی ہجرت یہی ہے "المهاجر من ہجر مانہی اللہ عنہ" مہاجر وہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی جس سے منع کرے وہ اس کو چھوڑ دے اور نبی کی ہجرت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا حکم آنے سے پہلے جو ما سوی اللہ ہے سب کو اللہ کے لئے چھوڑ دے۔ تو یہاں پر نبوت کی ابتدا ہجرت سے ہے اور دین اسلام کی بھی ابتدا ہجرت سے ہے کہ حقیقی ہجرت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہے، اس کے لئے جس کا تم نے کلمہ پڑھا ہے، اگر حکم ہو اپنا وطن چھوڑو، بھائی چھوڑو، کنبہ چھوڑو، خاندان چھوڑو، سب کچھ چھوڑنا پڑے گا اگر اس طور پر سب کچھ چھوڑ دو گے تو اللہ کو پاؤ گے۔

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر مال وجاں اولاد سے پیارا

بایں مناسبت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پاک کو اس باب کے تحت ذکر فرمایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جب نبوت کے لئے چھانٹتا ہے تو اس کو اپنی نبوت کے لئے خالص کر لیتا ہے، اپنا مصطفیٰ کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو نبی آیا وہ اخلاص کی دعوت دیتا ہوا نظر آیا، اخلاص کا کیا مطلب ہے؟ حدیث میں تو یہ ہے کہ اخلاص عمل یعنی اپنی عبادت کو خالص اللہ کے لئے کرو، لیکن جو منصب نبوت پر ہوتا ہے وہ اللہ کے احکام آنے سے پہلے اپنی ذات، وجود، نفس، حرکات سب کو اللہ کے لئے خالص کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: {أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ}

اللہ نے ان سے فرمایا کہ سب کچھ تم اللہ کے سپرد کرو تو کہا میں نے سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیا۔

اخلاص یہ انبیاء کرام کا منصب ہے اور تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی شریعتوں میں اس کی تعلیم دی ہے، حضور نے بھی اس کی تعلیم دی اور فرمایا: **"انما الأعمال بالنیات"** کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، یہاں پر "انما" حرف حصر ہے اور "الأعمال" مبتدا، "بالنیات" اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کل اعمال نیتوں سے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے اعمال ایسے ہیں کہ جو بغیر نیت کے ہو جاتے ہیں مثلاً طہارت، یہ نیت پر موقوف نہیں ہے اسی طرح سے پرہیز گاری، یہ بھی نیت پر موقوف نہیں ہے۔ آدمی اپنے آپ کو نظر بد سے محفوظ رکھے، جہاں اللہ نے دیکھنے سے منع کیا ہے تو آدمی اپنی نظر کو محفوظ رکھے، اپنے کان ہاتھ کو محفوظ رکھے، اپنے آپ کو زنا، چوری جیسے عیوب سے محفوظ رکھے، ان سب صورتوں میں وہ پرہیز گار کہلائے گا اور یہ سب کام نیت پر موقوف نہیں ہیں۔ لہٰذا پتہ چلا کہ بہت سے اعمال بغیر نیت کے ہو جاتے ہیں، یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ہمیں حضور کی شریعت میں جو حکم ملا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عاقل بالغ مسلمان کا کلام جہاں تک ہو، اس کو صحیح پہلو پر محمول کیا جائے اور لغو ہونے اور کرنے سے بچایا جائے۔ لہٰذا جو اشکال وارد ہوا کہ بہت سارے اعمال بغیر نیت کے پائے جاتے ہیں، پھر اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے یہ کیونکر درست ہوگا؟ اس کا مطلب علماء نے یہ بیان فرمایا کہ: "حکم الأعمال بالنیات" اعمال کا حکم وہ نیتوں سے ہے، جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اس عمل کا حکم ہوگا اور اگر نیت نہ ہوگی تو عمل پالیا جائے گا لیکن حکم اخروی جو ثواب ہے وہ نہیں ملے گا۔

یہاں پر امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ کا ایک مشہور اختلاف ہے کہ آیا وضو کے اندر نیت شرط ہے یا نہیں؟ تو امام شافعی نے فرمایا کہ نیت شرط ہے اور دلیل کے طور پر حضور کا فرمان: "انما الأعمال بالنیات" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر

ہے) پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وضو بھی ایک عمل ہے اگر بلا نیت وضو کیا تو وضو نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی۔ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وضو میں نیت شرط نہیں اس لئے کہ وضو عبادت مقصودہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک عبادت مقصودہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہے اور وسیلے کے اندر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو کسی دوسرے عمل کا وسیلہ ہے وہ کسی طور پر متحقق ہو جائے، ہم دیکھتے ہیں بہت سارے اعمال بلا نیت بھی ہو جاتے ہیں اور وضو بھی انہیں میں سے ہے لہٰذا نیت شرط نہ ہوگی اور رہی "حکم الأعمال بالنیات" کی بات تو حکم دو طرح کا ہوتا ہے، ایک حکم دنیوی جس سے صحت متعلق ہوتی ہے، دوسرا حکم اخروی کہ اس عمل پر ثواب ملنا یا نہ ملنا، تو امام شافعی نے حکم میں عموم کا لحاظ کر کے وضو میں نیت کو شرط قرار دیا لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر حکم کی جو تقدیر مانی گئی ہے وہ ضرورت تصحیح کلام کے لئے ہے کہ اس کے بغیر کلام صحیح نہیں ہو سکتا تھا تو یہ تقدیر "اقتضاء النص" ہے کہ ضرورت نے اس کا تقاضا کیا اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو چیز ضرورت کی بنا پر ثابت ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت وہ ایک اجماعی حکم سے پوری ہو جاتی ہے وہ اتفاقی اور اجماعی حکم یہ ہے کہ اگر عمل سے ثواب کی نیت کی ہے تو ثواب ملے گا اور اگر نیت نہیں کی ہے تو چونکہ بہت سارے اعمال نیت کے بغیر ہو جاتے ہیں، وہ ہو جائیں گے لیکن ثواب نہیں ملے گا۔ لہٰذا حکم اجماعی سے جب ایک مراد ہو گیا تو دوسرا مراد نہیں ہو سکتا اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا: "ثواب الأعمال بالنیات" امام اعظم اور احناف کی تائید خود نفس حدیث میں موجود ہے کہ فرمایا: "وانما لکل امرء مانوی" ہر مسلمان کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ یہاں پر یہ سمجھنا چاہئے کہ لام کبھی انتفاع کے لئے بھی آتا ہے اور کبھی تخصیص اور کبھی تملیک کے لئے بھی آتا ہے اور تخییر یعنی کسی چیز کا اختیار دینے کے لئے بھی لام آتا ہے تو اب اگر ہم یہاں پر لام کو انتفاع کے لئے مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اس شخص نے جو نیت کی ہے اس نیت میں اس کو فائدہ ہوگا اور فائدہ ثواب کے ذریعہ متصور ہے تو گویا کہ وہ پچھلے جملہ کی تاکید اور تاسیس دونوں

ہے اس سے ایک نئے معنی کا بھی افادہ ہے اور فرمان مصطفیٰ میں ایک جامعیت یہ بھی ہے کہ اس میں مختلف وجوہ ہوتی ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی نے جو عمل کیا اس میں اس کو اختیار ہے۔ یہاں سے اہلسنت وجماعت کی ایک اور اصل ثابت ہوئی وہ یہ کہ آدمی اپنی عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے نیک اعمال کا ثواب چاہے تو اپنے لئے رکھے یا اپنے احباب جو زندہ ہیں یا دنیا سے چلے گئے ان کے لئے کردے یہ اس کے لئے اختیار ہے۔ اس سے اہلسنت وجماعت کے معمول کی تائید ہوتی ہے کہ ہم جو فاتحہ خوانی کرتے ہیں اور بعد میں ایصال ثواب کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کا ثواب غوث اعظم کو پہونچا اور ہمارے زندہ مردہ عزیز واقارب کو پہونچا تو یہ ایصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قولی سے ثابت ہے اور آپ کی سنت فعلیہ سے بھی ثابت ہے اور اس امر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بھی ثابت فرمایا کہ حضور نے حج کے میدان میں اپنی قربانی کی اس کے بعد دو مینڈھے جن کے بارے میں آیا ہے کہ خصیہ بریدہ تھے حضور نے لیے اور فرمایا کہ یہ قربانی میں ان کی طرف سے کررہا ہوں جو میری امت میں قیامت تک ناداری کی وجہ سے نہ کرسکیں گے۔ اس سے اہل سنت وجماعت کے معمول کی تائید ہوتی ہے۔

وضاحت حدیث کے سلسلے میں دوسرے جملے سے متعلق کچھ باتیں بیان سے رہ گئیں، اب ان باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے: حدیث کے جملۂ ثانیہ میں یہ فرمایا کہ ہر شخص کے لئے اسکا وہ عمل ہے جس کی اس نے نیت کی یا یہ کہ ہر شخص کے لئے وہ ہے کہ جو اس نے نیت کی یعنی ہر شخص کو اس کی نیت کا فائدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیت کو بہرحال ہر عمل کے مقبول ومعتمد یا صحیح ہونے میں دخل ہے، وہ اعمال جن میں نیت شرط ہے، ان میں شرط کے لحاظ سے اس عمل کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمل اس کے بغیر نہیں ہوگا، جیسے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام عبادات مقصودہ کہ جن کی وضع ہی عبادت کے لئے ہے اور قصداً یہ اعمال عبادت ہی کے لئے کئے جاتے ہیں تو ان میں نیت شرط ہے، بغیر نیت کے یہ اعمال صحیح نہ ہوں گے۔

رہے وہ اعمال جن میں نیت شرط نہیں ہے ان میں بھی نیت کا دخل قبولیت کے اعتبار سے ہے کہ اگر نیت کرے گا تو اللہ تبارک وتعالٰی کے یہاں اس کا یہ عمل لکھا جائے گا اور اس پر اس کو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔ بہرحال نیت کا دخل ہر عمل میں ہے بعض اعمال میں صحت کے اعتبار سے اور تمام اعمال میں حصول ثواب کے اعتبار سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت عمل کی جان ہے اس سلسلے میں ایک حدیث نقل کی جاتی ہے:

"نية المؤمن خير من عمله" (ترجمہ) مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

محدثین کو اگرچہ اس حدیث کے بارے میں کلام ہے لیکن اس حدیث صریح سے اس حدیث کا معنی اور اس کا متن ثابت ہے کہ حضور نے فرمایا: "انما لكل امرء مانوى" ہر شخص کے لئے اس کی نیت کا فائدہ ہے، اس سے وہ بات ثابت ہوگئی کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور دوسری بعض روایات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اگر کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو کسی وجہ سے عمل میں نہ لایا اور نیکی نہ کرسکا تو اللہ کے یہاں ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اس سے پتہ چلا کہ نیت خیر خیر محض ہے، آدمی خیر کا ارادہ کرلے، خواہ کر پائے یا نہ کر پائے، اللہ کے یہاں ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس کو کرلیا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ یہ اس کی رحمت ہے۔

اس طرح اگر بدی کا ارادہ کرے تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ محض ارادہ کی بنا پر وہ بدی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے بدی کا ارادہ کرلیا تو وہ اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھی جائے گی جب تک کر نہ لے، کرے گا تو ایک ہی بدی لکھی جائے گی اور ایک کے علاوہ نہیں لکھی جائے گی اور نیکی کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کرے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

امام عینی نے اس حدیث کی تائید میں ایک اور روایت لکھی ہے جس میں محدثین کو کلام ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی اپنے ان فرشتوں سے جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں، فرماتا ہے: کہ فلاں کی یہ نیکی لکھ لو، وہ کہتے: یارب اس نے یہ نیکی تو کی نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا: اس نے اس نیکی کا ارادہ تو کیا تھا، تو محض ارادہ کی بنیاد پر وہ

نیکی لکھی جائے گی۔ ان تمام روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ متن اگرچہ سند کے اعتبار سے ثابت نہ ہو لیکن ان روایات کے اعتبار سے اور خود اس حدیث صحیح کے ٹکڑے ''انما لکل امرء ما نوی'' سے بلکہ ''انما الأعمال بالنیات'' سے بھی یہی ثابت ہے کہ اعمال کا اعتبار نیتوں سے ہے، نیت خیر کی ہو گئی اللہ کے یہاں عمل لکھا گیا، اور آدمی نے جو کیا اس کے لئے اس کا فائدہ ہے تو اس حدیث صحیح اور دوسری روایات سے ''نیۃ المؤمن خیر من عملہ'' کا معنی ثابت ہے۔ رہا محدثین کو جو کلام ہے وہ سند کے اعتبار سے ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات بھی مفہوم ہو گئی کہ جب محدثین کسی حدیث میں سند کے اعتبار سے کلام کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس حدیث کی سند محدثین کے نزدیک ضعیف ہو وہ حدیث ہے ہی نہیں، جیسا کہ آج کل کے دریدہ دہن، کج فہموں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حدیث ضعیف ہے تو وہ حدیث ہے ہی نہیں، حدیث موضوع ہے رد کرنے کے قابل ہے۔ حالانکہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سند حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن اس کا معنی دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث ''نیۃ المؤمن خیر من عملہ'' کا حال ہے کہ محدثین کو اس حدیث میں سند کے اعتبار سے کلام ہے لیکن اس کا معنی دوسری روایتوں سے ثابت ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سند بہت مضبوط ہوتی ہے لیکن اس سند کی صحت کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث فی نفسہ ثابت وصحیح ہو۔ تو یہ ہو سکتا ہے کہ سند مضبوط ہو لیکن حدیث ثابت نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سند کمزور ہو لیکن اس کا معنی دوسری روایتوں سے ثابت ہو۔

احوال رواۃ: اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں۔

(۱) حمیدی، ان کا نسب عبد اللہ ابن زبیر ابن عیسیٰ ابن عبد اللہ ابن زبیر ابن عبد اللہ ابن حمید ہے ان کی کنیت ابو بکر ہے یہ قرشی اسدی ہیں قصی میں جا کر ان کا نسب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے یہ اصحاب ابن عیینہ کے روساء میں سے ہیں ان کا انتقال ۲۱۹ھ میں ہوا، ابوداؤد اور نسائی نے ایک شخص کے واسطے سے ان سے

روایت کیا اور امام مسلم نے مقدمے میں سلمہ بن شبیب کے واسطے سے روایت کیا۔

(۲) سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون، یہ محمد بن مزاحم کے مولیٰ ہیں اور ضحاک کے بھائی ہیں علم حدیث اور فقہ وفتویٰ میں امام جلیل ہیں اور مشائخ شافعیہ میں سے ایک ہیں ان کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی اور ۱۸۹ھ میں ماہ رجب میں ان کا وصال ہوا۔

(۳) یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمر بن سھل بن ثعلبہ بن حارث بن زید بن ثعلبہ، یہ انصاری مدنی ہیں اور ائمہ مسلمین میں سے مشہور تابعی ہیں یہ مدینہ کے قاضی تھے ان کا انتقال ۱۴۳ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۴۴ھ میں ہوا تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۴) محمد بن ابراہیم بن حرث بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب، یہ کثیر الحدیث تھے ۱۲۰ھ میں ان کا وصال ہوا تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۵) علقمہ بن وقاص لیثی، ان کی کنیت ابو واقد ہے، ابو عمر ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے، اور جمہور نے تابعین میں ذکر کیا ہے، عبد الملک بن مروان کے ایام سلطنت میں مدینہ میں وصال ہوا۔

(۶) عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح عدوی، قرشی، کعب میں ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، ان کی ماں حنتمہ بنت ہاشم ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بنت ہشام ہیں۔

لطائف اسناد کا بیان : اس کے رجال مکی اور مدنی کے درمیان ہیں، حمیدی اور سفیان بن عیینہ یہ مکی ہیں باقی مدنی ہیں، نیز اس میں ایک تابعی کی روایت دوسرے تابعی سے ہے، اور علقمہ ابن وقاص کے صحابی ہونے کی تقدیر پر ایک صحابی کی روایت دوسرے صحابی سے ہے، اس میں تحدیث، اخبار، عنعنہ اور سماع ہے، امام بخاری نے اس حدیث کی کچھ روایات میں "سمعت رسول اللہ علیہ

السلام" اور دوسری جگہ " سمعت النبی علیہ السلام ہے" اس سے ایک مسئلہ متعلق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا قال النبی کو قال الرسول سے بدل کر پڑھنا یا اس کا الٹا کرنا جائز ہے یا نہیں، تو ابن الصلاح نے کہا ظاہر یہ ہے کہ یہ تبدیلی ناجائز ہے اگرچہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لئے کہ نبوت اور رسالت کے معنیٰ میں باہم اختلاف ہے اور اس سلسلے میں امام احمد اور حماد ابن سلمہ اور خطیب نے تسہیل اختیار فرمائی ہے اور امام نووی نے اس کو درست قرار دیا ہے امام عینی فرماتے ہیں مناسب یہ ہے کہ یہاں معنیٰ مختلف نہ ہونے کی بنیاد پر تبدیلی مطلقاً جائز ہونا چاہئے۔

تعدد مقامات کا بیان: امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس کے علاوہ چھ مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اور وہ "کتاب الایمان، کتاب العتق، باب ھجرۃ النبی علیہ السلام، کتاب النکاح، کتاب الایمان والنذور، باب ترک الحیل" ہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجہاد کے آخر میں ذکر کیا ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الطلاق میں اس کی تخریج کی ہے، اور امام ترمذی اور نسائی نے کتاب الحدود میں اور ابن ماجہ نے کتاب الزہد میں امام احمد نے اپنی مسند میں اس کی تخریج کی ہے، امام مالک کے سوا تمام اصحاب کتب معتمدہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

□□□

باب

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ :أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ يَأْتِيكَ الْوَحْيُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ" قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا :وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ، فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا.

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن یوسف نے وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی مالک نے وہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے وہ روایت کرتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ پر وحی کیسے آتی ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وحی کبھی میرے پاس گھنٹی کی کھنک کی آواز کی مثل آتی ہے اور وہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے تو یہ کیفیت مجھ سے دور ہوتی ہے اس حال میں کہ میں جو کہا گیا اس کو محفوظ کر لیتا ہوں، اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں نمودار ہو کر مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو

وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں۔

اس حدیث کے تحت طرق وحی بیان کئے گئے ہیں، جن کا اجمالی بیان ماسبق میں گزر چکا ہے۔ اس حدیث میں وحی آنے کے دو طریقے مروی ہیں: پہلا یہ کہ حضرت حارث نے سرکار سے پوچھا: "کیف یاتیک الوحی یا رسول اللہ" آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "أحیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس"۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گھنٹی کی کھنک کی آواز کی مثل میرے پاس آتی ہے۔ وحی جتنے بھی طریقوں سے آتی ہے، وہ ایک گراں بار بوجھ ہے جس کو اٹھانے کے قابل نبی ہی کا سینہ ہے، کسی اور انسان کا سینہ اس کو اٹھانے کے قابل نہیں اور سینہ تو درکنار حضرت زید بن ثابت جو کاتب وحی ہیں، اسی بخاری میں آگے ان کا حال آئے گا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کی ایک آیت لکھوا رہے تھے تو ایک صاحب حاضر ہوئے انہوں نے اسی دوران اپنا عذر پیش کیا تو ان کی رعایت سے وحی نازل ہوئی، جب حضور پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی، حضور کی ران مبارک زید ابن ثابت کے زانو پر تھی تو ان کو اتنا بوجھ محسوس ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ: "ان کادت فخذی لتدب"۔

میری ران ایسا لگتا تھا کہ ٹوٹ جائے گی۔

آپ اس وقت جو آیت لکھوا رہے تھے وہ یہ تھی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

اس آیت قرآنیہ میں مجاہدین کی فضیلت کا بیان ہے جو کسی عذر کی بنا پر جہاد میں حاضر نہ ہو سکے، جہاد فرض کفایہ تھا، کچھ لوگ جہاد میں گئے اور کچھ نہیں گئے تو جو لوگ

جہاد سے بیٹھے رہے، اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ ان کے برابر نہیں جو اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ نے مجاہدین کا بیٹھنے والوں پر درجہ بڑھایا اور درجے میں فضیلت دی اور سب سے جنت کا وعدہ کیا، آپ یہ آیت لکھوا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم آئے، انہوں نے کہا: حضور! (حضرت عبداللہ بن مکتوم کا قول مذکور نہیں ہوا۔ مصحح)

ان کا قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابۂ کرام یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون ساز بنایا ہے، جس کے لئے جو چاہیں تخصیص فرمادیں یہ صحابہ کا عقیدہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ آیت کریمہ میں "غَیرِ أُولِی الضَّرَرِ" اتنا اضافہ ہو جائے، اللہ نے اپنے بندے کی سن لی اور انہیں الفاظ میں وحی آئی، یہ عبداللہ ابن ام مکتوم کی موافقت میں وحی نازل ہوئی اور حضرت عمر ابن خطاب کی موافقت کی گنتی ہی نہیں، جن الفاظ میں چاہا انہیں میں اللہ نے وحی اتاری، ذرا غور کریں کہ "غَیرِ أُولِی الضَّرَرِ" کتنا سا کلمہ ہے لیکن جب یہ وحی آئی تو زید ابن ثابت کی حالت بدل گئی، لگتا تھا کہ ان کی ران ٹوٹ جائے گی، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی سینہ ہے جس نے وحی کے گراں بار بوجھ کو برداشت کیا، اس قسم کے بہت سارے واقعات ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی تو ان کے برابر میں بیٹھنے والا اس کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکا، اگر جانور پر سرکار سواری فرما رہے ہیں تو کون سا جانور ہے جو برداشت کرسکتا ہے؟ لیکن یہ سرکار کے بغلہ (خچر) کی فضیلت ہے کہ آپ اس پر سوار ہیں، اچانک وحی آئی ہے تو اس کے کھر پر بوجھ پڑا جس کی وجہ سے پتھر میں اس کے کھر کا نشان بن گیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "جذب القلوب" میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم معجزے کو یاد رکھنے کے لئے صحابۂ کرام نے وہاں ایک مسجد بنائی تھی جس کا نام مسجد بغلہ رکھا۔ آج معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے اس کو رکھا ہے یا نہیں رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کبھی میرے پاس ایسے وحی آتی ہے جیسے گھنٹی کھنکتی ہے، یہ طریقہ

میرے اوپر سب سے زیادہ دشوار ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں: "فیفصم عنی وقد وعیت عنه ما قال" یعنی پھر یہ کیفیت مجھ سے ختم ہوجاتی ہے اس حال میں کہ اللہ کا جو پیغام اور اعلام حقی ہوتا ہے میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور اپنے سینے میں محفوظ کر لیتا ہوں، حدیث پاک میں ایک لفظ "یفصم" آیا جو "الفصم" مصدر سے ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں یعنی اس طور پر کاٹنا کہ ایک طرف سلسلہ جاری رہے اور وہ بالکل جدا نہ ہو، اس کو "فصم" کہتے ہیں اور "فصم" کہتے ہیں اس طور پر دونوں طرف سے کٹ جائے کہ سلسلہ باقی نہ رہے یہاں "فصم" سے تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ بظاہر ادھر سے منقطع ہے لیکن بارگاہ خدا سے منقطع نہیں ہے، وہاں سے توقع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سلسلہ جاری رہے گا اور وحی آتی رہے گی۔

نزول وحی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی صورت میں میری خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے، کلام دنیا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرتا ہے اور مجھ تک پہونچاتا ہے میں اس کو حفظ کر لیتا ہوں، وحی کی شدت کی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا ہے، بیان فرماتی ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے دن میں جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو حضور کی جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وحی حالت ہوا کرتی تھی۔

احوال رواۃ: اس حدیث کی سند میں بھی چھ راوی ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن یوسف مصری، تنیسی، اور یہ مؤطا امام مالک کے جلیل القدر راوی ہیں، انہوں نے مالک اور لیث بن سعد وغیرہ اعلام سے سنا اور ان سے یحییٰ اور ذہلی وغیرہ نے روایت کیا اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے بکثرت احادیث روایت کیں اور کہا یہ شامیوں میں سب سے زیادہ ثبت تھے، اور امام ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے ایک شخص کے واسطے سے ان سے روایت کی، اور امام مسلم نے ان سے تخریج نہیں کی، ۲۱۸ھ میں ان کا مصر میں انتقال ہوا، امام بخاری نے کہا ۲۱۷ھ میں

مصر میں ان سے میری ملاقات ہوئی، اور کتب ستہ میں عبد اللہ بن یوسف نام کا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

(۲) امام دار الہجرۃ امام مالک، ان کا نسب مالک بن انس بن مالک ہے، ابو القاسم دوقی نے کہا کہ امام مالک نے ۹۰۰ شیوخ سے حدیث روایت کی ہے، جن میں ۳۰۰ تابعی ہیں اور ان سے روایت کرنے والے ابراہیم ابن ابی عبلہ مقدسی، ایوب سختیانی، شور بن زید دیلمی، جعفر بن محمد صادق، حمید طویل وغیرہم ہیں، اور مناقب ابوحنیفہ میں یہ ہے کہ مالک ابن انس حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے بہت زیادہ سوال کرتے تھے اور ان کے قول کو لیتے تھے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ ابوحنیفہ نے ان سے بھی سنا اور سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور شعبہ بن حجاج وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی، ابن جوزی نے کہا کہ امام مالک کو سلطان کی مرضی کے موافق فتویٰ نہ دینے کے سبب ۷۰ کوڑے لگائے گئے، ان کی ولادت ماہ ربیع الاول ۹۴ھ میں ہوئی، ان کا وصال ۱۴ صفر المظفر کی شب میں اور ایک قول کے مطابق ۱۴ ربیع الاول کی شب میں ۱۷۹ھ میں ہوا۔

(۳) ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام، یہ قرشی اسدی ہیں ان کی کنیت ابو منذر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ابو عبد اللہ تابعی مدنی ہیں۔ ان کی ولادت ۶۱ھ میں مقتل حسین میں ہوئی، اور بغداد میں ۱۴۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا، تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۴) عروہ، ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے یہ ہشام کے والد ہیں ان کی جلالت و امامت اور کثرت علم پر اتفاق ہے اور یہ فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں، ان کی ولادت ۲۰ھ میں ہوئی اور وصال ۹۴ھ میں ہوا اور ایک قول ۹۳ھ اور ایک قول ۹۹ھ کا بھی ہے تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی، اور کتب ستہ میں عروہ ابن زبیر نام کا ان کے سوا کوئی نہیں ہے، اور صحابہ میں بھی کوئی نہیں ہے،

(۵) ام المؤمنین عائشہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان کی کنیت

ام عبداللہ ہے، رسول اللہ نے ان کی کنیت ان کے بھانجے عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ رکھی، ان کی ماں ام رومان زینب بنت عامر ہیں، ان کا انتقال واقدی اور زبیر کے قول میں مطابق ٦ ھ میں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہجرت سے دو سال پہلے اور ایک قول کے مطابق تین سال پہلے، اور ایک قول کے مطابق ۱۸ ماہ پہلے ماہ شوال میں ان سے شادی کی، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور ایک قول میں سات سال، ماہ شوال میں ہی سرکار نے واقعہ بدر کے بعد ان سے شب زفاف فرمائی، سرکار کی صحبت میں یہ ۸ سال ۵ ماہ رہیں، اور سرکار کے وصال کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی اور وصال کے وقت ان کی عمر ٦۵ سال تھی، یہ فقہائے صحابہ میں سب سے بڑی تھیں اور چھ کثیر الروایہ صحابہ میں سے ایک تھیں ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں بخاری و مسلم ۱۷۴ حدیثوں پر متفق ہیں اور تنہا بخاری نے ۱۵۴ احادیث روایت کی ہیں اور تنہا مسلم نے ۱۵۸ احادیث روایت کیں، انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث روایت کی اور ان سے کم و بیش ۲۰۰ صحابہ و تابعین کی جماعت نے حدیث روایت کی، ان کا وصال ماہ رمضان میں ۵۵ ھ، ۵٦ ھ، ۵۷ ھ، یا ۵۸ ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق شوال میں ہوا، اور انہوں نے رات میں وتر کی نماز کے بعد دفن کیے جانے کی وصیت کی، ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی ان کے حضرت خدیجہ سے افضل ہونے میں اختلاف ہے بعض نے کہا حضرت عائشہ افضل ہیں بعض نے کہا خدیجہ افضل ہیں نیز ان کے حضرت فاطمہ سے افضل ہونے میں بھی اختلاف ہے، اصح یہ ہے کہ یہ فاطمہ سے افضل ہیں، امام عینی فرماتے ہیں میں نے بعض اساتذہ سے سنا کہ فاطمہ دنیا میں افضل ہیں اور عائشہ آخرت میں افضل ہیں۔

(٦) حارث بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، یہ ابوجہل کے بھائی اور خالد بن ولید کے چچا زاد تھے، یہ جنگ بدر میں حالت کفر میں شریک ہوئے اور شکست کھائی، اور فتح مکہ کے دن اسلام لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ

حنین کے دن ان کو سو اونٹ عطا کئے، جنگ یرموک میں ان کی ۱۵ھ میں شہادت ہوئی، یہ شریف القوم تھے ان کی ۳۲ اولاد تھیں ان میں سے ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن ہشام بن حارث بن ہشام ہیں، صحابہ میں حارث بن ہشام نام کے یہ، اور حارث بن ہشام جہنی ہیں، ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ ان سے مصریین نے روایت کی اور بعض شارحین نے کہا یہ حدیث حفاظ حدیث نے مسند عائشہ میں داخل کی ہے نہ کہ مسند حارث میں اور حارث سے صحیحین میں کوئی روایت نہیں ہے، ان کی روایت صرف سنن ابن ماجہ میں ہے اور صحیحین میں جو حارث ہیں وہ ابو قتادہ حارث بن ربعی اور حارث بن عوف ابو واقد لیثی ہیں، اور یہ دونوں اپنی کنیت سے مشہور ہیں اور صحیحین کے علاوہ حارث نام کے ۱۵۰ راوی ہیں۔

لطائف اسناد کا بیان: شیخ بخاری کے سوا اس کے سب رجال مدنی ہیں، اس میں تابعی کی روایت تابعی سے ہے اور یہ ہے کہ حضرت عائشہ کے قول سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دو وجہوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار کی بارگاہ میں موجود ہوں اور دوسرا یہ کہ حارث نے اس کی خبر حضرت عائشہ کو دی ہو، پہلی صورت میں یہ حدیث متصل ہوگی اور دوسری صورت میں مرسل صحابی ہوگی اور یہ مسند کے حکم میں ہے۔ اس میں تحدیث واخبار و عنعنہ ہے۔

تعدد مقامات کا بیان: امام بخاری نے اس کو "بدء الخلق" میں بھی روایت کیا ہے، اور مسلم نے کتاب الفضائل میں روایت کیا ہے۔

باب

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ :أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ -وَهُوَ التَّعَبُّدُ- اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ :اقْرَأْ، قَالَ :"مَا أَنَا بِقَارِئٍ"، قَالَ :"فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ :اقْرَأْ، قُلْتُ :مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ :اقْرَأْ، فَقُلْتُ :مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ :{اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ } " فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ :"زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي" فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، فَقَالَ لِخَدِيجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ :"لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي" فَقَالَتْ خَدِيجَةُ :كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ

حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ العُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الجَاهِلِيَّةِ. وَكَانَ يَكْتُبُ الكِتَابَ العِبْرَانِيَّ. فَيَكْتُبُ مِنَ الإِنْجِيلِ بِالعِبْرَانِيَّةِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ. وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ. فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: يَا ابْنَ عَمِّ. اسْمَعْ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ. فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى. فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ: هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللهُ عَلَى مُوسَى. يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا. لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ". قَالَ: نَعَمْ. لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ. وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا. ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ. وَفَتَرَ الوَحْيُ.

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الأَنْصَارِيَّ، قَالَ: وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: "بَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ. فَرَفَعْتُ بَصَرِي. فَإِذَا المَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ. فَرُعِبْتُ مِنْهُ. فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي" فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا المُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ} إِلَى قَوْلِهِ {وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ}. فَحَمِيَ الوَحْيُ وَتَتَابَعَ. تَابَعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، وَأَبُو صَالِحٍ وَتَابَعَهُ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ يُونُسُ، وَمَعْمَرٌ بَوَادِرُهُ.

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن بکیر نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی لیث نے وہ روایت کرتے ہیں

عُقیل سے وہ روایت کرتے ہیں ابن شہاب سے وہ روایت کرتے ہیں عروہ ابن زبیر سے وہ روایت کرتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا اچھے خوابوں سے ہوئی جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن کی طرح ظاہر ہوتی پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی اور آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرمانے لگے آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت کرتے رہتے جب تک اپنے اہل کا اشتیاق نہ ہوتا اور اس کے لئے توشہ لے جاتے تھے پھر حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جب کہ آپ غار حرا ہی میں تھے اس طرح کہ فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا پڑھئے آپ نے فرمایا میں نہیں پڑھتا حضور نے بتایا پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر طاقت بھر دبوچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا تو اس نے مجھے پھر پکڑا دوسری بار طاقت بھر مجھے دبوچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے میں نے کہا میں نہیں پڑھتا حضور نے فرمایا پھر مجھے پکڑا اور تیسری بار مجھے طاقت بھر دبوچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھئے جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا (فرشتے نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں ما لم یعلم تک پڑھیں) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ آپ کے دونوں شانوں اور گردن کا درمیانی حصہ کانپ رہا تھا آپ کا دل

دھڑک رہا تھا اور خدیجہ بنت خویلد کے پاس پہونچ کر فرمایا
مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ تو لوگوں نے حضور کو کپڑا اڑھا
دیا یہاں تک کہ حضور کی گھبراہٹ دور ہوگئی اس کے بعد خدیجہ
کو پورا واقعہ بتا کر ان سے کہا مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے اس
پر خدیجہ نے عرض کیا ایسا ہرگز نہ ہوگا آپ کو بشارت ہو بخدا
اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں اور سچ
بولتے ہیں اور لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو وہ چیز عطا
فرماتے ہیں جو ان کے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں
اور راہ حق میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں
اس کے بعد حضور کو خدیجہ اپنے ساتھ لیکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ
بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی کے پاس گئیں ورقہ زمانۂ
جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے عبرانی اور (عربی) لکھنا جانتے
تھے اور انجیل کو عبرانی اور (عربی) میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ
کو منظور ہوتا اور اسوقت بہت بوڑھے نابینا ہو گئے تھے ان
سے خدیجہ نے کہا اے میرے چچا کے بیٹے اپنے برادر زادے
کی بات سنیں تو حضور سے ورقہ نے پوچھا اے برادر زادے
! آپ نے کیا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ
دیکھا تھا بتایا اس پر ورقہ نے حضور سے کہا یہ وہی فرشتہ ہے
جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر اتارا تھا کاش کہ ان دنوں میں
طاقت ور جوان ہوتا کاش کہ اس وقت میں زندہ رہتا جب آپ
کی قوم آپ کو نکالے گی یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے دریافت فرمایا کیا میری قوم مجھے نکالے گی ورقہ نے
کہا جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لیکر آیا تو

اس سے دشمنی کی گئی اسے ستایا گیا اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہو گئی اور وحی رک گئی۔ ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ مجھے ابو سلمہ ابن عبد الرحمن نے خبر دی کہ جابر ابن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فترت وحی کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو میں فرمایا میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس سے مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں لوٹ کر گھر آیا تو میں نے کہا مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ لوگوں نے اڑھا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے بالاپوش اوڑھنے والے اٹھیے اور اللہ سے ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے کپڑے کو پاک رکھیے اور بت سے دور رہیے اس کے بعد وحی میں گرمی اور تسلسل پیدا ہو گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: طرق وحی میں سب سے پہلا طریقہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب نظر آتے تھے، سچے خوابوں کے ذریعہ سلسلہ وحی کا آغاز ہوا، یہ مقدمات وحی سے رہے اور یہ سچے خواب اس قسم سے دکھائے گئے جو غار حرا میں ان کے اوپر وحی آنے والی تھی، حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ کوئی خواب نہیں دیکھتے تھے مگر اس کی تعبیر صبح کی پو کی طرح نمودار ہو جاتی۔ حضرت صدیقہ آگے فرماتی ہیں: ''ثم حبب الیہ الخلاء'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشہ نشینی اور خلوت نشینی کی چاہت بڑھ گئی اور یہ وہی ہجرت ہے جس کا ذکر ''انما الأعمال بالنیات'' کے تحت ماسبق میں ہو چکا ہے

کہ اللہ تعالیٰ جسے نبوت بخشتا ہے تو اُس کو مستعد کرتا ہے اور اس کو یہ استعداد بخشتا ہے کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ کسی تفکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کو سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز کرتا ہے اور قبل اعطائے نبوت ان کو اپنی معرفت سے نوازتا ہے۔ تو ہر نبی اللہ کا عرفان رکھتا ہے اور اللہ کی معرفت اس کا شوق اور اس کی رغبت بڑھاتی ہے یہاں تک کہ اس کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو جاتا ہے اور وہ اخلاص عمل و حرکات و سکنات اپنی ذات اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اس لئے مقدمات وحی کے طور پر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو اعلیٰ درجہ پر فائز فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاص کی تعلیم تمام انبیاء کرام میں مشترک ہے، یہ ان کا اعلیٰ درجے کا وصف ہے اور اس کا سب سے بڑا حصہ ہمارے آقا کو عطا فرمایا گیا۔ تو جو نبی ہوتا ہے وہ اپنی بد فطرت سے ہی بظاہر لوگوں میں ہوتا ہے لیکن اپنے دل کی معرفت کے لحاظ سے وہ لوگوں سے الگ ہوتا ہے۔ ع

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل

تو ہجرت حقیقی وہ ہے کہ آدمی اللہ کے لئے سب کچھ چھوڑ دے اور حضور نے فرمایا کہ مہاجر وہ ہے کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ان سے باز رہے۔ اور نبی کا مرتبہ ہجرت میں یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے اللہ کی ممانعت کا منتظر نہ رہے بلکہ اللہ کی طرف سے جو اُس کو معرفت حاصل ہوئی اس کا اثر یہ ہو کہ اللہ کے لئے سب کچھ حتی کہ سارا عالم و دنیا چھوڑ دے اور حکم الٰہی کا منتظر نہ رہے کہ اللہ حکم دے کہ یہ کرو، یہ نہ کرو۔ یہ انبیاء اور سرور انبیاء کا منصب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر بار چھوڑ کر کے غار حرا میں تنہا تشریف رکھتے تھے اور نزول وحی سے پہلے اللہ کی نشانیوں میں غور و خوض کر کے اللہ کی عبادت اس طور پر کرتے تھے۔

قولہ "فیتحنث فیہ" تحنث کا لغوی معنی عبادت کرنا ہے، آپ غار حرا میں بتقاضائے بشریت توشہ دان جس میں کھانے پینے کی چیزیں ہوا کرتی تھیں، لے

جاتے تھے اور کئی کئی راتیں غار میں اسی طرز پر گزار دیتے تھے پھر اپنے اہل وعیال کے پاس آجاتے پھر سامان لے کر چلے جاتے، یہاں تک کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے دین حق آیا، جب کہ آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے کہا : "اِقْرَاْ" اے نبی آپ پڑھئے، فرمایا : "ما أنا بقاری"۔ اس کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "میں پڑھنے والا نہیں"، اور ایک ترجمہ اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "میں پڑھوں گا نہیں" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ "مجھے اپنے تفکر اور اللہ کی معرفت میں جو شوق حاصل تھا تم نے آکر اس میں کیوں مداخلت کی؟ میں تمہارے کہنے سے نہیں پڑھوں گا"۔

قولہ– قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد: راوی آگے فرماتے ہیں کہ حضور نے جب فرشتہ سے فرمایا میں نہیں پڑھوں گا یا میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو فرشتہ نے ان کو پکڑا اور دبوچا اور ان کو طاقت بھر دبوچا جتنا وہ برداشت کریں، اس کے بعد چھوڑ دیا، پھر دبوچا، اسی طریقہ سے تین مرتبہ کیا اور اس کے بعد کہا : "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ" اے محبوب آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھئے جس نے آپ کو پیدا کیا، "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" اور انسانیت کی جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا خون کے لوتھڑے سے اور "اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ" آپ پڑھئے آپ کا رب اکرم ہے، "الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" جس نے قلم سے دوسروں کو سکھایا۔ اور آپ کی خصوصیت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا بنایا کہ :

حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

اس لئے کہ جس رب نے اوروں کو قلم و کتاب کے ذریعہ پڑھایا وہ اپنے محبوب کو ایسے پڑھائے گا کہ اس میں قلم و کتاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" اور اللہ نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

قولہ– فرجع بها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فواده:

مذکورہ بالا آیات لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے اور آپ کا دل خشیت الٰہی سے لرز رہا تھا آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا: "زملونی زملونی" مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ تو حضرت خدیجہ نے آپ کو چادر اڑھائی یہاں تک کہ جب آپ کو سکون ہوا تو آپ نے پورا قصہ حضرت خدیجہ کو سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے تو حضرت خدیجہ نے قسم کھا کر کہا کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہ کرے گا، آپ اخلاق حمیدہ پر ہیں اور اللہ ایسے اخلاق والے کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ خلق عظیم پر ہیں، آپ رشتہ داروں اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، محتاج کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار کو آپ عطا فرماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق میں آنے والی مصیبتوں میں آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ ان کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد عبد العزی (جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے، بخاری میں ان کا حال یہ بتایا کہ یہ اپنی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور جاہلیت کے زمانے میں نصرانی ہو گئے تھے، عبرانی زبان میں لکھتے تھے، دوسرے نصرانیوں سے آپ کا حال مختلف تھا کیونکہ انہوں نے انجیل میں تحریف کر دی تھی اور آپ نے کوئی تحریف وتبدیلی نہیں کی اور آپ موحد تھے) کے یہاں لے کر آئیں اور فرمایا کہ اے ورقہ آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کچھ اپنا حال بتانے آئے ہیں، آپ ان کا حال سنیے۔ ورقہ نے کہا: اے میرے بھتیجے آپ نے، کیا دیکھا؟ سرکار نے پورا قصہ بیان فرما دیا تو ورقہ نے کہا: یہ وہ فرشتہ ہے، وہ محرم راز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر نازل فرمایا تھا۔ اور یہ تمنا کی کہ کاش میں نوجوان ہوتا۔ حدیث پاک میں "فیہا" کی ضمیر "بعثت" کی طرف لوٹ رہی ہے اس لئے کہ مقام سے یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ میں آپ کی بعثت کے زمانے میں قوی ہوتا، کمسن نوجوان ہوتا تو میں آپ کی مدد کرتا اور کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی اور ہجرت پر مجبور کرے گی۔ تو حضور نے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکالیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: تم جو لے کر آئے

ہو، کوئی نبی لے کر نہیں آیا مگر یہ کہ اس کی قوم اس کی دشمن ہو گئی جس کی وجہ سے اس نبی کو جانا پڑا تو آپ کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ورقہ بن نوفل نے دو باتوں کی خبر دی ایک یہ کہ سرکار اپنی نبوت کا اعلان فرمائیں گے اور دوسری بات یہ کہ جب آپ نبوت کا اعلان فرمائیں گے تو قوم آپ کی دشمن ہو جائے گی اور آپ کو ہجرت پر مجبور کرے گی، آپ کو مکہ سے جانا پڑے گا، آپ اپنا وطن چھوڑ کر چلے جائیں گے، یہ خبر ان علوم خمسہ میں سے ہے جن کا ذکر قرآن میں ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُۥ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ اللہ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے، اللہ ہی بارش اتارتا ہے، پیٹ میں کیا ہے اللہ جانتا ہے اور کوئی جان کل کیا کام کرے گی اور کوئی جان کہاں مرے گی، سب اللہ جانتا ہے۔ اب حضرت ورقہ نے یہاں یہ بتا دیا کہ مستقبل میں آپ اعلان نبوت کریں گے، آپ کی قوم کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ آپ کو وطن سے نکال دیں گے، آپ کو وہاں پر جانا ہو گا اور اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ اتنے زمانے تک میں زندہ نہیں رہ پاؤں گا اور کہتے ہیں کہ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا۔ تو ورقہ نبی نہیں ہیں لیکن اللہ کے بتانے سے یہ ان علوم کی خبر دے رہے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جب غیر نبی کو ان علوم کی خبر ہو سکتی ہے تو نبی کو بدرجۂ اولیٰ یہ علوم اللہ کی طرف سے مل سکتے ہیں، اس لئے ہمارے علماء کرام کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر جب فائز کیا تو ان کو علوم اولین و آخرین عطا فرمائے، یہ علوم خمسہ بھی بدرجۂ اتم اللہ نے ان کو عطا فرمائے، حضور کو قیامت کا بھی علم ہے اگرچہ اس کو بتانے کا آپ کو حکم نہ ہوا، اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو معلوم تھا کہ قیامت کب قائم ہو گی، بارش کب ہو گی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، کوئی جان کیا کرے گی، اور کون کہاں مرے گا۔ یہ علوم خمسہ تو ایسے ہیں کہ حضور سرور عالم کی تو بڑی شان ہے، یہ تو اولیائے کرام، علمائے عظام نے

بھی اس کی خبر دی ہے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ذکر موجود ہے کہ جب آپ قید میں گئے تو آپ کے ساتھ دو جوان بھی قید میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں اپنے آقا کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر پرندے بیٹھے ہیں اور میرے سر میں سے وہ نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: "أمّا أحدكما فيسقي ربّه خمراً" تم میں سے جو ایک ہے جس نے یہ خواب دیکھا وہ انگور کا رس نکال رہا ہے، وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا جس نے یہ خواب دیکھا کہ پرندے میرے سر میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، اس کو پھانسی ہوگی۔ یہ معاملہ اللہ کے یہاں مقدر ہو چکا ہے جس کا سوال کر رہے ہو، پھر بادشاہ نے یہ خواب دیکھا کہ سات گائیں جو کہ موٹی ہیں، ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بھری بالیاں اور سات خشک بالیاں دیکھیں، بادشاہ نے حاضرین سے کہا: جو میں خواب دیکھ رہا ہوں اس کی تعبیر بتاؤ، حاضرین نے جواباً کہا: یہ پریشان کن خواب ہیں ہمیں ان کی تعبیر نہیں آتی، گرفتار شدگان میں جو ایک بچ گیا تھا اس کو یاد آیا اس نے بادشاہ سے کہا، مجھے بھیجو میں آپ کے خواب کی تعبیر لاتا ہوں، وہ حضرت یوسف کے پاس حاضر ہوا اور بولا: "یوسف أیها الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلهن سبع عجاف و سبع سنبلٰت خضر و اخر یابسات" اے یوسف صدیق ہم کو اس خواب کے بارے میں آپ بتائیے جو بادشاہ نے دیکھا ہے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بھری بھالیاں ہیں اور دوسری سات بالیاں وہ سوکھی ہیں، تو فرمایا: "قال تزرعون سبع سنین دأبا فما حصدتم فذروه فی سنبله الا قلیلا مما تاکلون"۔ فرمایا: کہ تم لوگ مسلسل پے در پے سات سال تک کھیتی کرو گے جو کچھ تم کھیتی کرو اور کاٹو تو اس کا دانہ بالی میں چھوڑ دو، کھانے کی مقدار لے لو اور باقی بالی میں چھوڑ دو پھر فرمایا: "ثم یاتی من بعد ذلك سبع شداد یاكلن ما قدمتم لهن الا قلیلا مما تحصنون" پھر

اس کے بعد سات سال قحط کے آئیں گے اور تم نے اناج اسٹاک کر کے رکھا ہے وہ سارا اناج کھا جائیں گے اور جو تھوڑا تم نے بچا کر رکھا ہے، وہ بچا رہے گا۔ "ثم یاتی من بعد ذلك عام فیه یغاث الناس وفیه یعصرون" پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور لوگ انگور کا رس اس سے نکالیں گے اور شراب بنائیں گے۔ حضرت یوسف نے یہاں پر بارش کی خبر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ سات سال میں کیا ہوگا اور دوسرے سات سال میں کیا ہوگا اس کا بھی تعلق علوم خمسہ سے ہے۔ بعض لوگ ہمارے آقا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ذہن رکھتے ہیں کہ علوم خمسہ ان کو نہیں دیے گئے، یہ محرومین کا عقیدہ ہو سکتا ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے، حضور سرور عالم کو یہ بھی دیا گیا اور وہ بہت کچھ دیا گیا جو کسی کو نہیں دیا گیا۔ اب ورقہ بن نوفل ہیں جو نبی نہیں ہیں اور نبی کی تائید میں علوم خمسہ کی خبر دے رہے ہیں، اس سے پتہ لگا کہ غیب کا علم نبی کو ہے اور نبوت اطلاع غیب ہی کا نام ہے، اشارتاً غیب کا علم نبی کو ہی ملتا ہے، غیب کی وہ خبر جس کی سند نبی تک پہونچتی ہو، چاہے نبوت کی تائید میں ہو یا نبی کے بعد دوسرے اولیاء کرام کو ملے وہ علم غیب مستند ہے جس کی سند نبی تک پہونچتی ہے، پہلے کاہنیت رائج تھی لیکن جب سرکار تشریف لائے تو آپ کی وحی کو خالص اور ممتاز رکھنے کے لئے کاہنیت حرام کی گئی اور اس سے پہلے کاہنیت حرام اس وجہ سے نہ ہوئی کہ کاہنوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبریں دیں اور وہ کچھ کہا جس سے نبوت کی تائید ہوتی ہے، اور نبوت سے جس غیب کی خبر ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں وہ علم غیب نبی کے صدقے میں ولی کو بھی ملتا ہے اور غیر ولی کو بھی ملتا ہے اور ہماری پہچان ہی اللہ نے یہ بتائی ہے: {اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ} وہ لوگ جو متقین ہیں، جو سرکار کے دین پر ایمان لانے والے ہیں ان کی شان یہ ہے کہ وہ غیب جانتے بھی ہیں اور جان کر مانتے بھی ہیں، یہ ہماری شان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان بالغیب کا مکلف تب تک نہیں کیا جب تک اس نے ہمارے لئے غیب کا راستہ نہیں کھولا، پہلے دروازۂ غیب

کھول دیا پھر ایمان بالغیب کا مکلف کیا۔

مذکورہ حدیث میں حضرت ورقہ بن نوفل کا تذکرہ ہوا جن کے بارے میں اس حدیث پاک میں ان کے موحد ہونے کی طرف اشارہ ہے، اب کچھ روایتیں جو ان کے موحد ہونے کی موید ہیں، پیش کی جاتی ہیں:

شعبی روایت کرتے ہیں جابر بن عبداللہ سے، وہ روایت کرتے ہیں سرکار سے کہ فرماتے ہیں: میں نے ورقہ کو جنت کے بیچ و بیچ دیکھا اور ان کے اوپر سندس کپڑا ہے یعنی وہ پہنے ہوئے ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "رأیت ورقة علی نهر من انهار الجنة لانه کان یقول دینی دین زید والهی اله زید" فرماتے ہیں: میں نے ورقہ کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے کنارے دیکھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ میرا دین زید بن نفیل کا دین ہے اور میرا خدا زید بن نفیل کا خدا ہے، یعنی انہوں نے شرک نہیں کیا اور بت پرستی نہیں کی اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بنو جمعہ کی ایک عورت کے غلام تھے اور وہ لوگ حضرت بلال کو بھری دوپہر میں باہر نکالتے اور ان کو لٹاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ کفر کرو اور جو کلمہ تم نے پڑھا ہے اس سے باز آؤ تو وہ احد احد کی صدائیں بلند کرتے تھے، اسی صورت میں حضرت ورقہ ادھر سے گزرے تو انہوں نے فرمایا: "أحد أحدٌ" اے بلال اللہ کو ایک جانو، اے بلال اللہ کو ایک جانو۔ پھر ان لوگوں کو کہا کہ تم انہیں قتل بھی کر دو گے تو میں اس شخص کو اپنا محبوب بناؤں گا، یہ بھی ان کے مؤمن و موحد ہونے کی دلیل ہے اور ایک حدیث میں ہے: "عن عائشة قالت ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نهی عن سب ورقة" حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور نے ورقہ کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان خدیجة سألت النبی صلی اللہ علیه وسلم عن ورقة بن نوفل فقال قد رأیته فرأیت علیه ثیابا بیضا ولو کان من اهل النار لم یکن علیه ثیاب بیض" حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ خدیجہ نے سرکار سے ورقہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے

ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اس کے بدن پر سفید کپڑے ہیں اگر وہ دوزخ والوں میں سے ہوتا تو اس کے جسم پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

یہ ساری احادیث حضرت ورقہ بن نوفل کے موحد اور مسلمان ہونے کی دلیل ہیں۔ بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل کا زمانہ ممتد ہوا اور انہوں نے حضور کا زمانہ پایا اور حضور پر ایمان لائے، لیکن یہ قول اور حدیث ضعیف ہے۔ حضرت ورقہ ان لوگوں میں سے ہیں جو زمانۂ فترت میں اصل توحید پر قائم رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے یہ تمنا کی کہ اگر میں زندہ ہوتا تو تمہاری بھر پور مدد کرتا۔

نیز حدیث مذکور میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ علوم خمسہ میں سے کچھ کا علم حضرت ورقہ بن نوفل کو بھی تھا حالانکہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ علوم خمسہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیے گئے، اس حدیث سے یہ اشارہ ملا کہ حضرت ورقہ نبی نہیں ہیں لیکن حضور کے ساتھ کل کیا ہوگا اس کی خبر دے رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے علوم اولین وآخرین عطا فرمائے، ایسے ہی علوم خمسہ بھی عطا فرمائے۔ یعنی قیامت کب آئے گی، بارش کب ہوگی، ماں کے شکم میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، وغیرہ۔ اسی بخاری شریف میں آگے حدیث آئے گی کہ ایک فرشتہ شکم مادر پر مقرر ہوتا ہے اور جب نطفہ ٹھہرتا ہے تو کہتا ہے یارب یہ نطفہ ٹھہر گیا پھر جب اس نطفے سے خون کا لوتھڑا بنتا ہے تو کہتا ہے، یہ خون کا لوتھڑا بن گیا، اس کے بعد جب وہ گوشت کی بوٹی بنتا ہے تو کہتا ہے یارب یہ گوشت کی بوٹی بن گیا، اس کے بعد وہ فرشتہ پوچھتا ہے "یارب! شقی ام سعید" بدبخت ہے یا نیک بخت۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو فرماتا ہے، فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ یہ سارے علوم اللہ کے بتائے سے ایک فرشتہ کو معلوم ہیں، سرکار تو پھر بھی نبی اور محبوب خدا ہیں، آپ کے بارے میں ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ مقام احد میں تشریف فرما تھے، ساتھ میں ابوبکر وعمر بھی تھے، اچانک احد کا پہاڑ ہلنے لگا، حضور نے فرمایا: "اسکن احد فانما علیک

نبی و شہیدان" اے احد تو ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی اور دو شہید ہیں۔ اس سے پتہ لگا کہ احد کی پہاڑی حضور کے قدموں کے نیچے مسخر ہے۔ احد کا زلزلہ حضور کی ٹھوکر سے رک گیا، اس میں حضور نے یہ بھی بتایا کہ ابوبکر و عمر کی موت شہادت پر ہوگی یہ بھی من جملہ علوم خمسہ میں سے ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے موقع پر جب سرکار نے لوگوں کی صف بندی کی تو فرمایا، اس جگہ عتبہ مرے گا، اس جگہ شیبہ مرے گا، اس جگہ ابوجہل مرے گا، حضرت عمر فرماتے ہیں: خدا کی قسم جو جگہ آپ متعین کر چکے تھے، ایک انچ بھی وہاں سے نہ ہٹا، وہیں موت ہوئی، اس کے علاوہ جریری وغیرہ نے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب ولادت ہوئی تو سرکار کی خدمت میں ان کو لایا گیا اور سرکار ان کو دیکھ کر خوش ہوئے، لانے والی کہتی ہے میری آنکھ بچی تو میں نے یہ دیکھا کہ سرکار کی آنکھوں سے اشک رواں ہیں، آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اس نونہال کو شہید کردیں گے اور فرمایا کہ جبرئیل امین آئے اور مجھے اس جگہ کی مٹی دکھائی اور اس جگہ کا نام بھی بتایا۔ یہ سب علوم خمسہ کی ہی خبر ہے۔

قرطبی نے ایک یہودی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ یہودی حضرت عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا اس حال میں کہ ان کے صاحبزادے کو بخار آرہا تھا، کہ اس کا انتقال دس دن کے بعد ہوجائے گا، اس کا ویسے ہی انتقال ہوا پھر حضرت ابن عباس کے بارے میں بھی ویسے ہی خبر دی کہ آپ کا انتقال فلاں جگہ پر ہوگا اور آپ کی بینائی جاتی رہے گی، حضرت ابن عباس نے کہا: اے یہودی تو کہاں مرے گا؟ تو کہا: یہ مجھ کو معلوم نہیں تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن سچا ہے: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ قرآن نے فرمایا: کسی جان کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں مرے گی۔ پورے واقعے سے یہ معلوم ہوا کہ بعض جزئیات کا علوم خمسہ میں سے بھی علم نبی تو درکنار، نبی کو تو ہے ہی، نبی کے دیے سے ولی کو بھی ہے اور بعض غیر

مسلموں کو بھی اس کا علم ہے۔

اسی حدیث وحی میں ایک بات یہ بھی آئی کہ فرشتہ آیا اور اس نے حضور کو تین بار دبوچا اور چھوڑ دیا اور تیسری بات آیت کریمہ "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" سنائی۔ آخر یہ سب کیوں ہوا، اس کی حکمت وہ جانے جن کو دبوچا گیا اور وہ فرشتہ جانے جس نے دبوچا اور خدا جانے کہ اس نے اپنے محبوب کے لئے اس دبوچنے میں کیسی حکمتیں، طاقتیں اور کیسی بے مثال قوت ودیعت فرمائی اور اس واقعہ کی خبر ہم کو ان کی زبان فیض ترجمان سے ملی جن کی زبان ایک عام انسان کی زبان نہیں، بلکہ غیر نبی کی زبان بھی وہ زبان نہیں جو ان کی زبان ہے، ان کی زبان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا کہا ہوا سارے عالم پر حجت ہے۔ فرشتے کو کس نے دیکھا؟ نہ ہم نے دیکھا نہ تم نے دیکھا، ہمیں، تمہیں تو ایمان بہت واسطے سے ملا ہے، انہوں نے بھی نہیں دیکھا جنہوں نے تاجدار مدینہ کا جلوہ اپنی نگاہوں سے ملاحظہ کیا، ان میں سے اگر کسی نے فرشتوں کو اگر ان کی اصل حالت پر دیکھا تو ان کی بینائی چلی گئی، حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بینائی چلی گئی، حضرت عبداللہ ابن عباس کی بینائی چلی گئی، خیر بشر کی صحبت سے ان کو فرشتوں کا دیدار تو حاصل ہوا لیکن ان کی انسانی آنکھ ان کے دیدار کو برداشت نہ کر سکی، اور یہ نبی کی آنکھ ہے کہ فرشتوں کو دیکھ بھی رہی ہے اور کلام سن بھی رہی ہے اور یہ نبی کا سینہ ہے کہ ایک فرشتے کی طاقت کو برداشت کر رہا ہے تو ان جیسا کوئی انسان ہو ہی نہیں سکتا، اور ان کا کہا ہوا ہمارے لئے حجت و ایمان ہے اور ان کی یاد جان ایمان ہے، جو مانے گا، وہ نجات پائے گا اور جو نہیں مانے گا، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ترے دین پاک کی وہ ضیا کہ چمک اُٹھی رہِ اصطفا
جو نہ مانے آپ سقر گیا کہیں نور ہے کہیں نار ہے

تو اس سے پتہ لگا کہ ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بشر تو مانو لیکن اپنے جیسا بشر نہ مانو کیونکہ ایمان تو یہ بتاتا ہے کہ یہ بشر کے روپ میں آگئے ہیں لیکن اس

روپ میں آنے سے ان کا معجزہ یہ ہے کہ انسان افضل المخلوقات ہوگیا، اگر بشر کے روپ میں نبیوں کا یہ طبقہ نہ آتا اور نبی آخر الزماں بھی انسان کے روپ میں نہ آتے تو کیا قدر اس خمیرۂ ماو مدر کی ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ (نور الٰہ گر نہ ہو) اگر اللہ کے رسول کا نور ہمارے سینے میں نہ ہو تو انسان خمیرۂ ماو مدر ہے، مٹی اور پانی کا یہ خمیرہ ہے، اس کی کیا قدر ہے؟ اور ؎

نورِ الٰہ کیا ہے محبت حبیب کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ گاؤ خر کی ہے

گاؤ خر کا خیال اسی کو آتا ہے جس کے دل میں محمد رسول اللہ کی محبت نہیں ہوتی اور جس کا سینہ رسول اللہ کی محبت کا مدینہ ہوتا ہے تو اس کا سینہ علم و حکمت کا گنجینہ ہوتا ہے تو کوئی ان کی محبت میں ابوبکر و عمر ہوتا ہے، کوئی عثمان و علی، اور کوئی غوث و خواجہ ہوتا ہے اور جس کے دل میں ان کی محبت نہ ہو، وہ کچھ بھی ہو لیکن کچھ بھی نہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے، اسی لئے صاحب شفا نے یہ فرمایا کہ انبیاء کرام دیکھنے میں بشر ہوتے ہیں لیکن درحقیقت فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں، اسی لئے فرشتوں کے ساتھ وہ مناسبت ہے کہ ایک فرشتہ اترنا چاہتا ہے تو نبی کو خبر ہوجاتی ہے کہ فرشتہ آنے والا ہے اور ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے سامنے موجود ہے، لیکن نگاہ اٹھائیں تو ساتوں آسمان لامکاں عرش و کرسی سب دیکھتے ہیں تو اس حدیث اور متعدد احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر تو ہیں لیکن سارے بشر کی آبرو ہیں، اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ان جیسا نہ ہوا نہ ہے اور نہ قیامت تک ہوسکتا ہے۔ دوسری بات یہاں پر یہ آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجت ہونا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا اہتمام یہ کیا کہ والد والدہ کا سایہ اُٹھنے کے باوجود وہ اٹھان اللہ نے اٹھائی تاکہ عقلاء کو اس بات کے جاننے میں تأمل نہ ہو کہ یہ وہ بچہ ہے جو یتیم ابو طالب نہیں ہے بلکہ یہ دریتیم ہے اور اس کو عقلاء اور تہذیب والے ان کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیں کہ یتیمی کی حالت میں ان کے اخلاق سب سے اچھے اور اُن کی ایسی

گفتار کہ دنیا و جہاں کے لوگوں کی بات میں شائبہ ہو سکتا ہے لیکن ان کی گفتار ایسی ہے کہ ۔

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو، وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

لہٰذا ان کا قول سب پر حجت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طور پر آپ کی اٹھان اٹھائی کہ بشر تو ہے لیکن سارے بشر کے لئے یہ معجزہ ہے، متنبی نے اپنے ممدوح سیف الدولہ کے لئے کہا تھا لیکن درحقیقت اس کے قول کا مصداق حضور کے سوا کوئی نہیں

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

زمانے گزر گئے لیکن ان کی مثل نہ لا سکے لیکن جب یہ آ گئے تو زمانہ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، اسی کو اعلیٰ حضرت نے یوں فرمایا ۔

ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دوں
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

اور اسی پر اکتفا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اٹھان کے لئے یہ اہتمام کیا کہ آنے سے پہلے ان کے لئے بشارات صادقہ دیں، حتی کہ انہوں نے بھی بشارات صادقہ دیں جنہوں نے ان کا کلمہ نہیں پڑھا، انہوں نے ان کے لئے اچھے خواب دیکھے، اور یہ بشارتیں دیں کہ یہ عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا اس خصال کا ہوگا تو کاہنوں نے جنوں اور یہودیوں نے بتایا، نصرانیوں نے بتایا اور اگلی کتابوں میں ان کا تذکرہ آیا۔ آج کہا جاتا ہے کہ حضور کا ذکر، حضور کا میلاد پڑھنا یہ شرک ہے، آپ کا میلاد تو آپ کی آمد سے قبل بھی ہوتا رہا ہے، ان کے میلاد کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی خوشی ہم کلمہ گو تو کیا وہ بھی مناتے ہیں اور تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے کلمہ نہیں پڑھا، اللہ نے اس طور پر اہتمام کیا کہ تمہارے پاس وہ آ رہا ہے جس کے اخلاق ستودہ ہیں اور

جس کا اچھا ہونا ہمیں معلوم ہے۔ لہٰذا تمہیں مجال دم زدن نہیں، وہ جو کہے وہ برحق ہے، حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ معلوم کرنے کے لئے گئیں لیکن نہیں کیونکہ یہاں پر اللہ کی حکمت یہ ہے کہ بتادے: یہ وہی نبی ہے جس کا انتظار موسیٰ کو بھی تھا، عیسیٰ کو بھی تھا اور ساری امتوں کو تھا اور یہی وہ نبی ہیں کہ لوگوں کو انتظار تھا کہ بشارت ہمارے بچے کو مل جائے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ کہاں اپنی نبوت رکھے گا اور یہ فیض عبد اللہ ابن عبد المطلب کے بیٹے اور آمنہ کے لعل پر ہوا۔

تو جب خدیجہ لے کر آئیں تو انہوں نے فرمایا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔ یہاں پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کو کیا مانا جائے؟ ان کے بارے میں یہ آیا ہے کہ وہ نصرانی تھے اور عبرانی زبان میں انجیل کو لکھتے تھے۔ تو اب نصرانی مانا جائے یا مسلمان مانا جائے؟ اور مسلمان ہے تو صحابی یا غیر صحابی؟ یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ سرکار کے مبعوث ہونے سے پہلے جو لوگ اصل توحید پر قائم رہے وہ موحد ہیں، ان کے حال سے پتہ چلتا ہے کہ نصرانی تو ضرور تھے لیکن جاہلیت کے زمانے میں بت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانیت اختیار کی تھی تو موحد تھے اور اگلے انبیاء کی نبوت کے قائل تھے اس کے بعد حضور تشریف لائے اور حضور نے اپنی خبر دی تو انہوں نے کہا: یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا تو صاف اقرار نبوت ہے اس کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ صرف مؤحد نہیں بلکہ ہماری طرح مسلمان ہوئے کہ انہوں نے اللہ کا کلمہ پڑھا اور اگلے انبیاء پر ایمان بھی لائے اور حضور پر بھی ایمان لائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم سے ان کا مرتبہ زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے مؤمن حضرت خدیجہ کے باپ ہیں اور سب سے پہلے صحابی حضرت ورقہ ہیں، اس لئے "الاصابة" میں ابن حجر نے ان کو صحابہ کرام کی فہرست میں لکھا ہے۔

سابقہ تقریر میں یہ بات آئی تھی کہ کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم خمسہ جن کا

ذکر قرآن میں ہے وہ حضور سرور عالم کو نہیں دیے گئے اور یہ علوم صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تو اس کے ذیل میں سب سے پہلا امر تو یہ ہے کہ آیت میں کوئی ایسا کلمہ حصر نہیں ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ علوم خمسہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، دوسرا کوئی نہیں جانتا ہے۔ بے شک علم ذاتی یہ اللہ تعالیٰ کا ہی خاصہ ہے اور وہی عالم الغیب ہے، ان علوم خمسہ کی ہی تخصیص نہیں بلکہ اصل علم یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ اس کی شان ہے اور ہر چیز کی صفت اللہ کے لئے ہے، یہ کہنا کہ پانچ علوم کو صرف اللہ جانتا ہے، ایسا کوئی حصر آیت میں نہیں ہے اور مزید خرابی یہ لازم آئے گی کہ اگر اس کا مفہوم مخالف نکالا جائے تو یہ ہوگا کہ علوم خمسہ کے علاوہ دیگر علوم میں معاذ اللہ اللہ کے ساتھ ہماری شرکت ہے۔ حالانکہ اس کے علم کیا کسی چیز یا صفت میں ہماری شرکت نہیں ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان یہ فرمایا کہ تم فرمادو کہ آسمان وزمین میں سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا اس کے باوجود......

اللہ نے یہ فرمایا: {ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ}
یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا: {وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا}
اے رسول ہم نے تم کو وہ سب سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے اور تمہارے اوپر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا: {وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ}
یہ رسول غیب کی خبریں بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

اور ہم لوگوں کے لئے اللہ نے فرمایا: {هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥}
یہ قرآن ہدایت ہے ایمان والوں کے لئے، پرہیزگاروں کے لئے، جو غیب کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور غیب کی تصدیق بغیر علم کے نہیں ہوسکتی کیونکہ کسی شئ کی تصدیق وتکذیب اس شی کے علم کی فرع ہے تو اللہ نے یہ ثابت کردیا کہ کچھ لوگ اللہ کے بتائے سے

غیب جانتے ہیں۔ دوزخ، جنت، حساب، پل صراط، میزان اور احوال قبر اور اللہ کی ذات وصفات یہ غیب ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے اپنے نبی کو تو غیب سے نوازا ہی ہے لیکن جو ان پر ایمان لائے، ان کے صدقہ میں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے غیب عطا فرمایا۔

لہٰذا ہر مومن کو رسول کے بتائے سے علم غیب ہے اور جب سرکار کے لئے یہ فرمایا کہ تمہیں وہ سب کچھ بتادیا جو آپ نہیں جانتے تھے تو آیت کریمہ میں کلمہ ''ما'' یہ عام ہے اور جب ایسا ہے تو علوم خمسہ بھی اس کے اندر داخل ہیں۔

اور پھر لوح محفوظ کی یہ شان اللہ نے بتائی: {وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝}

ہم نے ہر شئی کا ذکر مقدر کردیا اس کتاب میں جس کا نام امام مبین ہے۔

مبین کا معنیٰ روشن اور دکھانے والی، بیان کرنے والی ہے۔ اب اگر علوم خمسہ پر اللہ کے بتائے سے کسی کو اطلاع نہ ہو تو لوح مبین کے وصف کا لغو ہونا لازم آئے گا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انبیا، اولیا، علما میں سے جسے چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے اور ان کی نظر لوح محفوظ میں ہوتی ہے۔ اسی لئے غوث اعظم فرماتے ہیں کہ میری نظر لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر جو اس کے مقدرات ہیں، اس میں ایک روزن میرے لئے کھول دیا ہے جس کی وجہ سے اللہ نے مجھے یہ عطا کیا ہے کہ میں اگر دعا کردوں تو آدمی کی تقدیر بدل جائے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نواب رام پور نے ایک شخص کو مقرر کر کے بھیجا اور اپنی بیمار بیگم کے بارے میں کہا کہ مولانا احمد رضا خاں جو علم جفر کے بڑے ماہر ہیں، ان سے پوچھو کہ میری بیگم بچے گی یا نہیں بچے گی؟ تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اگر ''رفض'' سے توبہ کرے تو بچ جائے گی ورنہ رام پور میں ہی اس کا انتقال ہوگا۔ وہ بولا ٹھیک ہے میں اس کو بھوالی لے کر جاتا ہوں۔ تو اب اعلیٰ حضرت نے جو علم جفر سے نکالا تھا وہ الگ ہے لیکن ایک ولی کی زبان سے نکل گیا تھا کہ رام

پور میں ہی مرے گی، اتنی مدت میں مرے گی، وہ لے گیا بھوالی، بیگم کا دل گھبرایا اور رام پور آ کر ختم ہو گئی۔

خود اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے اپنی تاریخ ولادت ووفات بھی نکالی، تاریخ ولادت: {أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ}

یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی تائید کی۔

اس کے عدد ۱۲۷۲ھ نکلتے ہیں۔ اور تاریخ وفات ۱۳۴۰ھ: {وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا}

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے۔

اس آیت سے اپنی تاریخ وصال نکالی اور اسی سن میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت محی الدین جیلانی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اذا دخل السین فی الشین ظهر قبر محی الدین"۔

جب 'سین'، 'شین' میں داخل ہوگا تو محی الدین کی قبر ظاہر ہو جائے گی۔

تو انہوں نے اس میں بہت ساری غیب کی خبریں دے دیں، یہ بھی بتایا کہ میری قبر فلاں جگہ ہوگی، میرا فلاں جگہ انتقال ہوگا اور میری قبر پوشیدہ ہو جائے گی اور نور الدین زنگی شام میں داخل ہوگا تو محی الدین کی قبر ظاہر ہوگی۔ تو یہ سب علوم خمسہ میں سے ہیں اور یہ نبی ہی کا خاصہ نہیں بلکہ ولی کو بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کوئی حصر اس بات پر نہیں کیا کہ علوم خمسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کسی اور کو نہیں معلوم، اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے کہ علم غیب وہ حقیقۃً اللہ ہی جانتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے: "خمس لا یعلمها الا اللہ" پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ سارا غیب بالذات اللہ ہی جانتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے اور

ایک غیب وہ ہے جو صرف غیر اللہ کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور وہ غیب جو اللہ کے لئے خاص ہے وہ مخلوق کے لئے ثابت کرنا نبی، ولی وغیرہ کے لئے یہ کفر ہے اور وہ علم غیب ذاتی ہے۔ یعنی خود اپنے آپ غیب جاننا۔ اور ایک غیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب بتائے تو یہ علم غیب عطائی ہے، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصالۃ منصب ہے اور انہیں کے طفیل میں آدم وحوا، عیسیٰ وموسیٰ وغیرہم سارے انبیاء اولین و آخرین اور جملہ مومنین کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ}۔

اللہ ہی ذاتی علم غیب کا عالم ہے، یہ اسی کی صفت ہے تو مسلط نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر اپنے پسندیدہ رسول کو۔

یہ نہیں کہا: فلا یظهر غیبه علی أحد۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنے علم غیب پر اپنی عطا سے مسلط کر دیتا ہے کہ جب چاہے وہ غیب کی خبر دے، بلکہ تم جب چاہو غیب کی خبر دے دو، اسی لئے حضرت مالک بن اوس اشجعی فرماتے ہیں کہ جب ہوازن سے سرکار تشریف لائے اور انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا وہ کلمہ گو نہیں تھے تو سرکار نے فرمایا اگر وہ کلمہ پڑھ لیں اور میرے پاس آجائیں تو میں ان کا مال ان کو واپس کروں، تو وہ آئے اور حضور کی شان میں دو شعر پڑھے۔ یہاں پر اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کی شان میں نعت پڑھنا یہ انہیں کا حصہ ہے اور ہم کو تو پردوں پردوں یہ ملا کہ ہم ان کی نعت پڑھتے رہیں۔ تو یہ اللہ کی سنت ہے، صحابہ کی سنت ہے اور اگلے انبیاء ومرسلین اور ان کی امتوں کی سنت ہے۔ مالک بن اوس اشجعی نے جو دو شعر پڑھے، وہ یہ ہیں:

ما ان رأیت وما سمعت واحد - فی الناس کلم مثل محمد

ولا اعطی للجدید مثل محمد - واذا ما تشاء یخبرک عما فی غد

کہتے ہیں: میں نے اپنی آنکھ سے نہ دیکھا اور نہ کان سے سنا

لوگوں میں کوئی ایسا جو محمد جیسا ہو، کھلے ہاتھ سے دینے والا ان جیسا
میں نے سخی نہیں دیکھا جب تو چاہے وہ تجھ کو غیب کی خبر دیں،
کل کیا ہوگا وہ تجھ کو بتا دیں۔

یہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا اور یہی اعلیٰ حضرت کا عقیدہ تھا جس کو صحابہ بیان فرما رہے ہیں۔ تو یہ حدیث پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی بے مثال دلیل ہے۔ آگے ابن شہاب زہری جابر بن عبد اللہ انصاری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ پھر ایک عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع ہوا اور اس کے بعد حضور کی نظر اٹھی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، پہلے اس کو انسانی صورت میں دیکھا اور اب اس فرشتہ کو اپنی اصل صورت میں دیکھا کہ کرسی پر بیٹھا ہوا کہ اس کے چھ سو پر ہیں اور آسمان کو گھیرے ہوئے ہیں اور وہ فرشتہ پڑھ رہا ہے {یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝} سرکار کو سنایا: اے بالا پوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو {وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝} اور اصنام کو چھوڑے رہو۔ تو آپ نے فرشتہ کو دیکھا اور آپ آئے، آپ نے کہا: "زمّلونی زمّلونی" مجھے کمبل اڑھاؤ، کمبل اڑھاؤ، آپ کو چادر اوڑھائی گئی۔ یہ حدیث یہاں پوری ہوگئی۔

پھر امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کے متابعات ذکر کئے ہیں، تو اس میں یحییٰ بن بکیر کی متابعت عبد اللہ ابن یوسف اور ابو صالح نے کی ہے عقیل بن خالد کی متابعت ہلال بن رداد نے کی ہے اور یونس اور معمر نے بھی ابن شہاب زہری سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو عقیل کی روایت کے ہیں مگر یہ کہ انہوں نے یرجف فوادہ کی جگہ یرجف بوادرہ کہا ہے خوف کی حالت میں انسان کی کچھ رگیں ہوتی ہیں، وہ کانپتی ہیں۔

احوال رواۃ: اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں۔

(۱) یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر، ان کی کنیت ابو زکریا ہے، یہ قرشی، مخزومی، مصری ہیں، ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی، اور ۲۳۱ھ میں ان کا وصال ہوا یہ مصر

کے کبار حفاظ میں سے ہیں امام بخاری نے ان سے چند مقامات پر روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے ایک شخص کے واسطے سے ان سے روایت کیا ہے نسائی نے ان کی توثیق نہیں کی، اور دار قطنی نے "ما بہ بأس" کہا، اور محدثین نے ان کے سماع میں کلام کیا ہے۔

(۲) لیث بن سعد بن عبد الرحمٰن، ان کی کنیت ابو الحارث فہمی ہے اور یہ تبع تابعین میں سے اہل مصر کے عالم ہیں اور عبد الرحمٰن بن خالد بن مسافر فہمی کے مولیٰ ہیں، اور ایک قول میں خالد بن ثابت کے مولیٰ ہیں اور قاہرہ سے تقریباً چار فرسخ کی دوری پر ۹۳ھ یا ۹۴ھ میں قلقشندہ میں پیدا ہوئے اور شعبان ۱۷۵ھ میں وصال ہوا، یہ امام کبیر تھے ان کی جلالت وثقاہت پر اتفاق کیا گیا ہے، اس نام کا کتب ستہ میں ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے

(۳) عقیل بن خالد بن عقیل، ان کی کنیت ابو خالد ہے، یہ قرشی، اموی ہیں یہ عثمان ابن عفان کے مولیٰ ہیں ان کا انتقال ۱۴۱ھ یا ۱۴۴ھ میں مصر میں اچانک ہوا، کتب ستہ میں ان کے سوا اس نام کا کوئی نہیں ہے۔

(۴) محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب، ان کی کنیت ابو بکر ہے یہ زہری، مدنی ہیں۔ شام میں سکونت اختیار کی اور یہ تابعی صغیر ہیں۔ انہوں نے حضرت انس اور ربیعہ بن عباد اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے حدیث سنی اور انہوں نے ابن عمر کو دیکھا اور ان سے حدیث روایت کی، ان سے کبار تابعین کی جماعت نے حدیث روایت کی، ان کا وصال ۷۲ سال کی عمر میں شام میں ماہ رمضان ۱۲۴ھ میں ہوا۔

(۵) عروہ ابن زبیر ابن عوام۔

(۶) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ان دونوں کا ذکر ماقبل میں ہو چکا۔

لطائف اسناد کا بیان:

یہ اسناد یحییٰ کے علاوہ شرط ستہ پر ہے، اس کے رجال مصری اور مدنی کے مابین

ہیں اور یہ ہے کہ اس میں تابعی کی روایت تابعی سے ہے۔

تعدد مقامات کا بیان:

یہ حدیث بخاری نے کتاب التفسیر ،کتاب التعبیر، کتاب الایمان میں بھی ذکر کی ہے، مسلم نے اس کی تخریج کتاب الایمان میں کی ہے اور ترمذی اور نسائی نے کتاب التفسیر میں تخریج کی ہے۔

یہاں پر دو حدیثیں چھوٹ گئی ہیں، وہ انشاء اللہ آگے آئیں گی

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. قَالَ :أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّامِ. فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَادَّ فِيهَا أَبَا سُفْيَانَ وَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ فَأَتَوْهُ وَهُمْ بِإِيلِيَاءَ فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ وَحَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ. فَقَالَ :أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا بِهَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ. فَقَالَ :أَبُو سُفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا أَقْرَبُهُمْ نَسَبًا. فَقَالَ : أَدْنُوهُ مِنِّي وَقَرِّبُوا أَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنْ هَذَا الرَّجُلِ فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ فَوَاللهِ لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ أَنْ يَأْثِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ أَوَّلَ مَا سَأَلَنِي عَنْهُ أَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ. قَالَ :فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ أَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهُ قُلْتُ :لَا. قَالَ :فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ : لَا قَالَ فَأَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَقُلْتُ

بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ قُلْتُ بَلْ يَزِيدُونَ. قَالَ :فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ قُلْتُ :لَا. قَالَ :فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا. قَالَ :قُلْتُ :لَا. قَالَ :فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ: لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرُ هَذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ :فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالٌ يَنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ قَالَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ يَقُولُ اعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ سَأَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ فَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ أَحَدٌ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَأْتَسِي بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا قُلْتُ فَلَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللَّهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ

أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لاَ
وَكَذَلِكَ الإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ وَسَأَلْتُكَ
هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لاَ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لاَ تَغْدِرُ
وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ.
وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الأَوْثَانِ
وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلاَةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ
حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ
خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ
إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِيهِ
ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الَّذِي
بَعَثَ بِهِ دِحْيَةُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ
فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلاَمٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ
الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الإِسْلاَمِ أَسْلِمْ
تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ
إِثْمَ الأَرِيسِيِّينَ. وَ{يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لاَ نَعْبُدَ إِلاَّ اللَّهَ. وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا. وَلاَ
يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ} قَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ
وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ
الأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لأَصْحَابِي حِينَ أُخْرِجْنَا لَقَدْ أَمِرَ
أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ
مُوقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ الإِسْلاَمَ.

وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ صَاحِبُ إِيلِيَاءَ وَهِرَقْل سُقُفًا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْل حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ . وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلاَّ الْيَهُودُ فَلاَ يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لاَ فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ . عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُونَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ. وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ . فَقَالَ :يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلاَحِ وَالرُّشْدِ، وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هَذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الإِيمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ

فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، وَيُونُسُ وَمَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی سند سے روایت کیا، امام زہری سے وہ کہتے ہیں کہ ان کو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی، انہوں نے روایت کی، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، وہ بتاتے ہیں کہ حضرت سفیان بن حرب حالت کفر میں تھے، اسی حالت کفر کا انہوں نے واقعہ بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ جب قریش کی تجارت شام میں تھی اور شام اس وقت روم کے زیر حکومت تھا اور اس کا بادشاہ اس وقت ہرقل تھا تو ابوسفیان اور اُن کے ساتھ کچھ مکہ کے تاجر لوگ شام پہنچے۔ جب ہرقل کو پتہ لگا کہ مکہ کے کچھ لوگ تجارت کے لئے آئے ہیں تو اُس نے حضرت سفیان (جو اس وقت حالت کفر میں تھے) کو بلوا بھیجا اور ان کے ساتھ جو قافلہ تھا اس کو بھی بلوایا، یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے ایک مدت تک صلح کا معاہدہ کیا کہ اس مدت تک ان سے جنگ نہیں ہوگی۔

لہٰذا یہ لوگ ہرقل کے بلاوے پر وہاں حاضر ہوئے اور شام کا ایک شہر ''ایلیاء'' ہے، وہاں رُکے، ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلوایا اور اس کے ارد گرد روم کے بڑے بڑے درباری موجود تھے، اس نے جو عربی جاننے والا ترجمان تھا، اس سے کہا کہ یہ شخص جو مکہ میں ظاہر ہوا ہے وہ فرماتا ہے کہ وہ نبی ہے، تم میں سے کون ایسا شخص ہے جس کا نسب اس نبی آخر الزماں سے قریب ہے اور وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ میں ان کا قریبی رشتہ دار ہوں اور اُن سے نسب کے لحاظ سے زیادہ قریب ہوں۔ بادشاہ بولا: ابوسفیان کو مجھ سے قریب کرو اور اِن کے ساتھیوں کو قریب بٹھاؤ اور اِن کے ساتھیوں کو اِن کی پیٹھ کے قریب رکھو۔ پھر ہرقل نے کہا کہ اِن لوگوں سے کہہ دو کہ یہ شخص جو تمہارے ساتھ آیا ہے، میں ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھوں گا جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی ہے، میں کچھ باتیں پوچھوں گا اگر وہ ان میں

مجھ سے جھوٹ بیان کرے تو اُسے جھوٹا جاننا۔ اب حضرت ابوسفیان قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ لوگ مجھ سے کوئی جھوٹی بات روایت کریں گے تو میں سرکار کے بارے میں کہتا۔ پہلے لوگوں کا یہ معاملہ تھا کہ وہ جھوٹ کو اپنے لئے عیب سمجھتے تھے، آج بھی کافر جو معقول لوگ ہیں وہ جھوٹ اور اس قسم کی بے حیائی کو بُرا سمجھتے ہیں، ہرقل نے سوال کرنا شروع کئے اور...

پہلا سوال کیا اُن کا نسب تم لوگوں میں کیسا ہے؟ (ان کے نسب کی تم میں کیا حیثیت ہے؟) تو جواب دیا وہ ہم لوگوں میں بڑے اور اونچے نسب والے ہیں۔

دوسرا سوال یہ کیا کہ جو بات وہ کہتے ہیں، وہ بات پہلے لوگوں میں تم سے کسی نے کہی؟ جواب دیا نہیں، یہی مکہ میں ظاہر ہوئے اور انہوں نے ہی نبوت کا دعویٰ کیا ہے، قبیلہ میں، نہ خاندان میں، نہ قریش کے اور خاندانوں میں کسی نے وہ بات نہیں کہی اور کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

تیسرا سوال یہ کیا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا؟ ابوسفیان بولے یہ بھی نہیں ہے۔

چوتھا سوال کیا کہ جو بڑے لوگ ہیں وہ ان کے پیرو ہیں یا جو انسانوں میں نچلے طبقے کے لوگ ہیں وہ ان کے پیرو ہیں؟ جواب دیا، اشراف تو اُن کے پیرو نہیں ہیں بلکہ ہم میں جو کمزور اور نچلے طبقے کے لوگ ہیں، وہ ان کے پیرو ہیں۔

پانچواں سوال یہ پوچھا کہ ان کے جانثار و پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تو جواب دیا کہ بڑھ رہے ہیں۔

چھٹا سوال یہ کیا کہ ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی ان کے دین سے بیزار ہو کر کے مرتد ہو جاتا ہے؟ کہا ایسا نہیں ہے، جو داخل ہو جاتا ہے، ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو چھوڑتا نہیں ہے۔

ساتواں سوال یہ کیا کیا تم اس کو جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے، جھوٹ جانتے تھے، جھوٹا جاننا درکنار، کیا اس پر جھوٹ کی تہمت آئی؟

قابل ذکر نکتہ: رجال میں محدثین بولتے ہیں ''متہم بالکذب'' یعنی اس شخص پر جھوٹ کی تہمت آئی ہے اور کبھی ''کذوب'' جھوٹا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''کذوب'' جھوٹا ہے یعنی اس پر جھوٹ ثابت ہو گیا ہے اور ''متہم بالکذب'' یعنی وہ مشتبہ ہے اور اس پر جھوٹ ثابت نہیں ہوا ہے، لیکن یہ ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگی، تو یہاں پر وہ یہ پوچھ رہا ہے کہ ان کا جھوٹا ہونا تو درکنار، کیا تم نے ان کی سچائی میں رائی برابر شبہہ بھی کیا ہے کہ اس کی بنا پر ان پر تہمت لگائی گئی ہو؟ کہا کہ نہیں تو جواب کے تیور سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خدا نے ان کو ایسا سچا بنا کر بھیجا ہے کہ ان کے دشمن جو اُن کا کلمہ پڑھنے والے نہیں تھے وہ بھی یہ جانتے تھے کہ ایسے سچے ہیں کہ ان میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہیں ہے تو کیا اللہ نے جس نبی کو ایسا سچا بنا کر بھیجا ہو جس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو تو کیا ایسا سچا خدا خود جھوٹ بول سکتا ہے؟ تو یہاں سے پتہ لگا کہ کتنا بڑا گھناؤنا عقیدہ ہے اور گندہ عقیدہ ہے کہ جھوٹ جس کو کافر اپنے لئے معیوب سمجھے، جس کو بندہ اپنے لئے معیوب سمجھے، اس جھوٹ کی تہمت خدا کو لگائی جائے کہ ''خدا جھوٹ بول سکتا ہے'' معاذ اللہ۔ اس سے پتہ چلا کہ اہل سنت و جماعت ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' سمجھ کر کے پڑھا ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں، ان کے صدقہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں سچا عقیدہ سنی کو ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے اور جو یہ کہے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے، وہ کسی اور کو خدا مانتا ہے اور سنی کا خدا سچا ہے اور اس کا رسول سچا ہے اور اس کی عطا سے اولیا، اغواث سچے ہیں اور اس کا دین سچا ہے اور اس کے اندر کسی جھوٹ کا شائبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

آٹھواں سوال یہ کیا۔ کہ یہ جو شخص اپنے آپ کو نبی فرماتا ہے، کیا وہ غدر بد عہدی کرتا ہے؟ کہا نہیں۔ یہاں پر ابو سفیان نے ایک بات یہ کہہ دی کہ بد عہدی تو وہ نہیں کرتے ہیں، ہم نے ایک مدت تک ان سے صلح کا معاہدہ کیا ہے ہمیں نہیں

معلوم کہ وہ اس میں کیا کریں گے، اب کہتے ہیں کہ سوائے اس کلمہ کے مجھے کوئی بات نہیں بن پڑی۔ اس بات کے ذریعے انہوں نے ہرقل کو شک میں ڈالنا چاہا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بدعہدی کرے لیکن ہرقل حضور کے حالات سے واقف تھا اور اس کو یقین تھا کہ یہ نبی اخرالزماں ہیں۔

نواں سوال یہ کیا کہ کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے؟ کہا ہاں، پوچھا جنگ میں کیا حال ہوتا ہے؟ کہا جنگ کا حال تو ایسا ہے جیسا کہ ڈول، کبھی ہم ڈول کھینچتے ہیں تو پانی نکالتے ہیں اور کبھی وہ کھینچتے ہیں تو پانی نکالتے ہیں، یہاں پر جنگ کو ڈولوں سے تشبیہ دی کہ کبھی ہماری باری آئی تو ہم نے پانی نکال لیا اور کبھی اُن کی باری آئی تو انہوں نے ڈول ڈالا اور پانی نکال لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان کا پلہ بھاری ہوتا ہے، وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم جیت جاتے ہیں۔

دسواں سوال یہ ہے کہ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ کہا ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں، یہی تعلیم ہے اُن کی کہ "لا الٰہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور تمہارے آباواجداد شرک کرتے ہیں، اسے چھوڑ دو، نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں، سچائی، صلہ رحمی، پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔ پھر ابوسفیان سے ہرقل بولا اور اپنے ترجمان کی طرف متوجہ ہوکر بولا کہ ابوسفیان سے کہو میں نے تم سے اس کے نسب کے بارے میں پوچھا، تم نے کہا اس کا نسب بہت اونچا ہے اور یہی رسولوں کی شان ہے کہ جو رسول ہوتا ہے، اس کا نسب بہت عالی ہوتا ہے۔ یہاں پر ہرقل نے بتادیا کہ تمہارے جواب سے خود ثابت ہوا اور ہماری کتاب میں بتایا گیا ہے کہ وہ مکہ میں آنے والا ہے، قریش کے نسب میں پیدا ہونے والا ہے، نسب اس کا اَمد سے عالی ہوگا، یہی لیکن قریش کی جو سب سے اونچی شاخ ہے، بنوہاشم، ان میں بھی سب سے عالی ہوگا اس لئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے منتقل کرتا رہا بہترین اصلاب اور رحموں سے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نکالا اور میرے والدین نے کبھی زنا نہیں کیا اور یہ فرمایا: لم یزل اللہ ینقلنی من الأصلاب الطاھرۃ الی

الأرحام الطاهرات" کہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے والدین عبداللہ وآمنہ سے نکالا اور یہ طاہر وخیار بتانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شرک کو مٹانے کے لئے آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ اصلاب وارحام منتخب فرمائے کہ جو کبھی شرک سے آلودہ ہوئے ہی نہیں، جن کے آباؤ اجداد موحد ہیں، عبداللہ وآمنہ تک ان میں کوئی کافر نہیں ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے، اسی لئے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد شریف یوں بیان فرمائی

[سورۂ توبہ — ۱۲۸]

{لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُم}

مجھے میری عزت وجلال کی قسم کہ تمہارے پاس وہ رسول آیا جو تمہیں میں سے ہے۔

اور ایک قرأت میں "أَنفَسِكُم" ہے یعنی جس کا نسب تم سب سے اعلیٰ ہے۔

خود سرور کائنات ارشاد فرماتے ہیں :"أنا خير كم ابا" میں باپ کے اعتبار سے سب سے افضل ہوں، میرے باپ دادا تم سب کے باپ دادا سے افضل ہیں۔ اگلی بات جو میں نے تم سے پوچھی کہ جو بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، تمہارے قبیلہ میں سے کسی نے یہ بات کہی؟ کہا کہ نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص وہی بات کہہ رہا ہے جو اس کے باپ دادا نے کہی، اور اپنے باپ دادا کی بولی بول رہا ہے۔ اور تیسرا سوال میں نے یہ کیا کہ ان کے آباء میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ تم نے کہا: کوئی نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کی گئی ہوئی سلطنت کی بات کر رہا ہے۔ اور میں نے یہ بھی پوچھا کہ تم اس کو جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا: نہیں، تو میں نے کہا وہ ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے سچی بات بیان کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔ میں نے پوچھا لوگوں میں اشراف اس کی پیروی کرتے ہیں یا نچلے طبقہ کے لوگ؟ تم نے کہا: کمزور کرتے ہیں۔ ایسی ہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ ان کی پیروی شروع میں وہی کرتے ہیں جو

لوگوں میں نچلے شمار کیے جاتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا ان کے ماننے والے لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تم نے کہا: ان کے جانثار بڑھ رہے ہیں۔ یہی تو ایمان کی شان ہے کہ جب لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں تو بڑھتے ہی جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا معاملہ پورا ہو جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کوئی ان کے دین میں داخل ہو کر ناراض ہو کر مرتد ہو جاتا ہے؟ تو تم نے کہا کہ نہیں۔ کہا: یہی ایمان کی بشاشت ہے کہ وہ دلوں میں رچ بس جاتی ہے تو پھر آدمی اپنی جان قربان کر دیتا ہے، اپنا مال، ماں باپ قربان کر دیتا ہے اور حسان بن ثابت نے یوں بیان فرمایا: "وان والده-الخ"

اے کفار مکہ میرا باپ، میری ماں و آبرو سب کچھ محمد کی آبرو کے لئے قربان ہے۔ یہی مومن کی شان ہے کہ جب اس کو ایمان کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو وہ تمام چیزوں سے دست بردار ہو جاتا ہے، پھر میں نے تم سے پوچھا، وہ غدر و بدعہدی کرتا ہے تو تم نے کہا: نہیں۔ اور یہی شان رسولوں کی ہوتی ہے کہ وہ غدر سے معصوم ہوتے ہیں۔ گویا کہ ہرقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر مومن کے سامنے پیش کر رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو جھوٹ وزنا، صغائر و کبائر، بدعہدی سے معصوم ہوتا ہے۔ اور کوئی انسان اس جیسا نہیں ہوتا ہے، پھر میں نے تم سے پوچھا وہ تمہیں کیا حکم دیتا ہے؟ تو تم نے بتایا: وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بت پوجنے سے منع کرتا ہے اور نماز، سچائی و پرہیزگاری کا حکم دیتا ہے۔ اس پورے واقعہ کے بعد ہرقل نے کہا: جو تم بیان کر رہے ہو، اگر ٹھیک ٹھیک تم نے بیان کیا ہے تو بے شک وہ نبی ہے، اب ہرقل نبی کے بارے میں وہ خبر دے رہا ہے جو من جملہ خمس میں سے ہے۔ علوم خمس میں سے یہ بھی آیا تھا "ما تدری نفس ماذا تکسب غدا" کل کیا ہوگا، کوئی آدمی نہیں جانتا۔ اور یہ ہرقل کہہ رہا ہے کہ جو میرا تخت ہے، جہاں پر میں اپنے دونوں پیر جما کر بیٹھا ہوں، وہ یہاں تک پہنچے گا اور وہ اس کا مالک ہوگا تو یہ علوم خمس کی خبر ہے۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ نبی آخر الزماں ظاہر ہونے والا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا، یہ ہرقل پوری سنیت کی بولی بول رہا ہے اور ابن عباس اس کو مقرر رکھ رہے ہیں اور یہ ابن عباس کی بات نہیں بلکہ یہ بات ضرور سرکار تک پہونچی ہوگی تو یہ حدیث حدیث تقریری ہوگی سرکار سے۔ جو ہرقل نے کہا اس کو ابن عباس نے مقرر رکھا اور سرکار نے اس کو مقرر رکھا یہاں تک کہ سارے مسلمانوں نے اس کو مقرر رکھا، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایمان اور جان ایمان ہیں اور ہمارے ایمان کے لوازم سے یہ ہے کہ ان کی تعظیم ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے۔

پورے واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہرقل جو کہ "قیصر روم" تھا وہ یقینا جانتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں اور اُن کے یہ اوصاف ہیں چونکہ وہ اہل کتاب تھا تو حضور سرور عالم کی یہ نعت وتعریف اس نے کتاب میں دیکھی اور دیکھ کر اس نے یہ جانا، اس سے پتہ چلا کہ حضور کی آمد آمد کا چرچا، اگلی امتوں میں بھی تھا اور جو لوگ، اہل کتاب تھے وہ حضور کی آمد کے منتظر تھے اور یہی حال ہرقل کا ظاہر ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی آمد کی خوشی اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہونا ہم غلامان سرکار کی ہی شان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں اس کو بھی لگایا ہے جو ان کا کلمہ گو نہیں تھا۔ ہرقل ان کا کلمہ گو نہیں تھا مگر ہرقل بھی حضور کی تعریف جانتا تھا اور آج بھی اس بات کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ حضور سرور عالم کی تعریف کرتے ہیں اور تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں لیکن یہی تعریف ان کے لئے حجت ہے کہ ان کے اوصاف حمیدہ تم جان کر ان کا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے اور ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ دولت ہم غلامان سرکار کو نصیب ہوئی کہ ہم حضور کے اوصاف کو جانتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مدح سرائی میں ہم کو لگایا ہے اور ہمیں اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی ہے۔ آگے یہاں پر یہ ہے کہ اس نے یہ سن کر کے کہا کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ کوئی نبی آخر الزماں تشریف لانے والا ہے لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ تم میں تشریف لائے گا اور یہ بھی کہا کہ جو تم بتاتے ہو، اگر یہ حق ہے تو اس کا ملک یہاں تک

پہنچے گا جہاں پر میں بیٹھا ہوں اور میرے اس موضع قدم کا مالک ہوگا، یہ غیب کی خبر ہے جو ہرقل دے رہا ہے، اس نے غیب کی خبر کہاں سے جانی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل کتاب تھا اور سابقہ کتابوں میں یہ بھی مذکور تھا کہ ان کا ملک یہاں یہاں تک پھیلے گا اور اس طرح سے وہ ظاہر ہوں گے، اس طرح ان کی صفات ہوں گی۔

پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دحیہ کلبی کے ہاتھ بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا تھا تو اس نے اس خط کو ہرقل کے پاس پہونچایا تھا اس کے بعد اس کو پڑھا اس میں لکھا تھا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے یہ دعوت نامہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے پاس بھیجا جاتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلام اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے اسلام قبول کر اللہ تجھے دو گنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو تجھ پر رعایا کا بھی گناہ ہوگا اور اے اہل کتاب ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے اس کے بعد اگر وہ نہ مانے تو تم لوگ کہہ دو اے اہل کتاب گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں ابوسفیان نے کہا جب ہرقل سوال و جواب کر چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے بعد شور و شغب ہونے لگا یہاں تک کہ آوازیں بلند ہو گئیں اور ہمارے بارے میں حکم دیا گیا ہم باہر نکال دیئے گئے باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا بخدا ابو کبشہ کے بیٹے (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان بہت بڑھ گئی اتنی کہ ان سے شہنشاہ روم ڈرنے لگا اس وقت سے مجھے اس بات کا یقین رہا کہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت جلد غالب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل فرما دیا اور میں اس کے پہلے اسلام کو ناپسند کرتا تھا (امام زہری ہی سے مروی ہے) کہ ابن ناطور جو ہرقل کا دوست اور ایلیاء کا حاکم اور

شام کے نصرانیوں کا مخدوم تھا بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء (بیت المقدس) آیا تو ایک دن صبح پریشان نظر آیا اس پر اس کے بعض ارا کین سلطنت نے پوچھا (کیا بات ہے) آپ کا مزاج ہم خلاف معمول پا رہے ہیں ابن ناطور نے کہا ہرقل کاہن تھا علم نجوم میں نظر رکھتا تھا ارا کین کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے آج رات جب ستاروں میں نظر کی تو یہ دیکھا کہ ختنہ کرانے والوں کا بادشاہ غالب ہو گیا اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا صرف یہود ختنہ کراتے ہیں آپ ان کی فکر نہ کریں اپنے حدود مملکت کے شہروں میں فرمان بھیج دیجئے کہ یہاں جتنے یہودی ہوں قتل کر دیئے جائیں اسی اثنا میں ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر ہرقل کو پہنچادو ہرقل نے اس شخص سے حال معلوم کیا پھر حکم دیا لے جاؤ دیکھو یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ شدہ ہے ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں پوچھا (کیا اہل عرب ختنہ کراتے ہیں) اس نے بتایا عرب والے ختنہ کراتے ہیں، اب ہرقل نے کہا یہی اس زمانے کا بادشاہ ہے جو غالب آ گیا پھر ہرقل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست کے پاس لکھا اور یہ ہرقل کا علم میں ہم پلہ تھا اور ہرقل حمص چلا آیا اور وہیں رہا یہاں تک کہ ہرقل کے دوست کا جواب آیا وہ بھی ہرقل کے ساتھ اس بات پر متفق تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور یہ کہ وہ بلاشبہ نبی ہیں پھر ہرقل نے روم کے عمائد کو حمص کے محل میں جمع ہونے کی اجازت دی جب سب جمع ہو گئے تو محل کے دروازوں کو بند کرا دیا پھر ان کے سامنے آ کر بولا اے رومیوں کیا تم کو کامیابی اور ہدایت کی خواہش ہے اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک باقی رہے؟ (اگر ہے) تو اس نبی سے بیعت کرو اس پر وہ سب جنگلی گدھوں کی طرح بھڑک کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازوں کو بند پایا جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ (جب سب واپس ہو گئے تو) ہرقل

نے کہا میں نے ابھی جو بات کہی تھی اس لئے کہی تھی کہ دین پر تمہاری پختگی کو آزمار ہا تھا وہ میں نے دیکھ لی اس کے بعد سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے ہرقل کا آخری وقت تک یہی حال رہا یعنی وہ نصرانی ہی مرا۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت: اس حدیث کی پچھلے باب سے مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے باب باندھا تھا :"کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" حضور کی طرف وحی کی ابتداء کیسے ہوئی؟ تو اس میں وحی کی ابتداء اور وحی سے پہلے مقدمات کے احوال وہ سب کچھ حکم وحی میں ہیں، اس لئے اس حدیث کو اس باب سے مناسبت ہے۔

دوسری بات یہ کہ آیت {إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ}۔ [سورۂ نساء — ۱۶۳]

تمہاری طرف ہم نے وحی بھیجی جس طرح ہم نے نوح کو وحی بھیجی اور نبیوں کو ان کے بعد۔

یعنی تمام انبیا اصول دین میں ایک ہیں اور سب کی طرف ایک وحی آئی، اسی آیت کی مناسبت سے نامہ اقدس جو حضور نے ہرقل کی طرف بھیجا اس میں تھا۔

{تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ}

[سورۂ آل عمران — ۶۴]

اس کلمہ کی طرف چلے آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہے اور وہ کیا ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس امت کا کلمہ جس میں میں آیا ہوں اس کا کلمہ بھی یہی ہے اور جس امت میں موسیٰ عیسیٰ و نوح علیہم السلام آئے ان کا کلمہ بھی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے۔ یہ بتانے کے لئے کہ جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی سب کے مصطفیٰ ایک ہیں۔

انبیا سے کروں عرض کیوں صاحبو!
کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی
جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی
ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی

تمہاری کتابوں میں میری نبوت کا چرچا ہے یعنی تمہاری کتابوں میں میری نبوت کی تصدیق ہے تو میری نبوت تمہاری کتابوں پر حاکم ہے اور تمہاری شریعت پر میری شریعت حاکم ہے، کیا وجہ ہے کہ تم اس کو نہیں مانتے؟

حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس نے کہا کہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو میں اس کی زیارت کے لئے سفر پر جاتا، سفر کی کلفت ومشقت اُٹھاتا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کی زیارت عام لوگوں کی طرح نہیں ہے، لوگ بادشاہوں کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، اپنے احباب کی زیارت کے لئے جاتے ہیں لیکن سرکار کے پاس آنا خدا کی بارگاہ میں آنا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میں خود سفر پر جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ زیارت وہی ہے کہ اللہ نے وحی فرمائی اس میں بھی ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے زمانہ میں تشریف لے آئیں تو اُن پر ایمان لانا تمہارے اوپر فرض ہے، وہ کہیں بھی ہوں، ان کی زیارت کے لئے سفر کی مشقتوں کو اُٹھا کر جاؤ کہ زیارت اعظم عبادات اشرف مندوبات سے ہے اور اس کے بغیر اللہ کی عبادت ادھوری ہے، ان کی زیارت کا معاملہ یہ ہے کہ ہماری شریعت اور اگلی شریعتوں میں بھی ان کی زیارت کا استحباب اور محبوب ہونا مقرر ہے ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ جو ان کی قبر کے پاس آیا، ایسا ہی ہے جیسے دنیا میں ان کے پاس آیا۔

آگے ہرقل کا یہ کہنا کہ میں ان کے قدموں کو دھو کر پیتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے کچھ لوازم ہیں۔ میں نے ان کی نبوت کو مان لیا اور میں ان کا گرویدہ ہو گیا، اب میرے ایمان کے لوازم سے یہ ہے کہ ایمان کشاں کشاں اس بات کی طرف بلاتا ہے کہ ان کی زیارت کے لئے جاؤں اور اگر ان کے تلوؤں کو دھو کر کے پینے کا موقع

ملے تو ییوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا کلمہ پڑھنا اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ان کی تعظیم کروں اور ان سے جو چیز نسبت رکھتی ہے، اس کی بھی تعظیم کروں، وہ ایمان سے، وہ بھی جان ایمان ہے۔

یہاں سے یہ بھی پتہ چلا کہ بزرگوں کے آثار اور اُن سے جو چیز نسبت رکھتی ہے، اس سے تبرک حاصل کرنا نہ صرف یہ کہ اس امت میں ہے بلکہ اگلی امت کے ایمان والوں میں بھی یہ سلسلہ قائم رہا، قرآن کریم میں آیا ہے کہ جب داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے تو یہودی بولے ہمارے اوپر وہ بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ نہ تو وہ ہم سے زیادہ مالدار ہے اور نہ طاقت وقوت میں ہم سے زیادہ ہے، انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ جس کو چن لے، اور اللہ نے اس کو تمہارے اوپر فضیلت دی ہے اس کے بعد پوچھا کہ اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی کیا ہے؟ کہا:

﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾

[سورۂ بقرہ ــ ۲۴۸]

کہا اس کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ معتدس تابوت آئے جس کے اندر تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور کچھ بقیہ ہے، جو معزز موسیٰ وہارون نے چھوڑا تھا، ان کی جوتیاں ہیں، عصائے مبارک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وبزرگان دین کی ذات سے جو چیز منسوب ہوجاتی ہے، اس کی تعظیم صرف ہم نہیں کرتے بلکہ ملائکہ بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

اس کے بعد ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب یہ اس نے کہا تو میں نے کہا کہ ''ابن ابی کبشہ'' (حالت کفر میں تھے اسی لئے سرکار کو منسوب کیا ایک غیر معروف دادا کی طرف، ابو کبشہ ان کے اجداد میں سے ہیں جو غیر معروف ہیں) یعنی سرکار کا معاملہ

بہت بڑھ گیا ہے اس سے روم کا بادشاہ ڈرتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی ہیں اور غالب ہوں گے اور ان کا دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل کر دیا اور میں نے پڑھ لیا :"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

ابوسفیان آگے بیان کرتے ہیں کہ ایلیا میں ایک "ابن ناطور" نام کا پادری تھا اور یہ ہرقل کا دوست تھا، وہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ ہرقل ایلیاء میں ہی موجود تھا کہ اچانک ایک دن ہرقل کی طبیعت بوجھل ہونے لگی تو درباریوں نے حالت کے بارے میں دریافت کیا کہ آج ہم ایسی طبیعت پاتے ہیں کہ پہلے کبھی نہیں دیکھی تو بولا میں نے آج ستاروں میں نظر کی (حدیث میں آیا ہے کہ یہ قیافہ شناس تھا یعنی جو حوادث ہونے والے ہیں ان کو ستاروں کے ذریعہ غور کر کے جان لیتا، اس سے پتہ لگا کہ علم نجوم کا فی الجملہ اعتبار ہے البتہ علم نجوم سے جو غیب کی خبر ہے، اس پر یقین کرنا حرام بلکہ کفر ہے، اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضہ یہ ہوا کہ اس کا نبی اس شان سے آئے کہ غیب کی یقینی خبر دینا اس کا منصب ٹھہرے اور غیب کی یقینی خبر کوئی اور نہیں دے سکتا اور وہی غیب معتبر ہوگا جس کی سند محمد رسول اللہ تک پہونچے یا کسی نبی تک پہونچے یا نبی کسی کو مقرر کر رکھے اس تک پہونچے، وہی غیب معتبر ہوگا، کیونکہ وحی سے جو علم ثابت ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا غیر نبی اگر غیب کی خبر دے بھی دے تو اس پر یقین کرنا جائز نہیں ہے بلکہ کفر ہے، اس لئے کہ اس سے نبی وغیر نبی کی خبر میں مساوات لازم آتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نبی کی خبر یقینی ہے اور نجومی وکاہن کی خبر اگر وہ تجربہ کے اعتبار سے ہے تو وہ صرف ظن کی حد تک ہے، اس پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ گمان کہ اللہ نے یہ بات جاری کی ہے کہ یہ ستارہ طلوع ہوگا تو یہ حادثہ ہوگا یا بارش ہوگی یا خبر آئے گی اس کی صرف توقع رکھے، گمان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یقین کرے تو یہ حرام بلکہ کفر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا مؤثر نہیں ہے، سارے عالم میں مؤثر حقیقی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ لہٰذا اس نے کہا کہ میں نے رات کو دیکھا کہ اہل ختنہ

(جو لوگ ختنہ کراتے ہیں) کا بادشاہ ظاہر ہو گیا تو پوچھا کہ تم لوگوں میں اور اس امت میں کون ہے جو ختنہ کرتا ہے تو درباری بولے کہ یہاں پر یہودیوں کے سوا کوئی ختنہ کرنے والا نہیں ہے اور "مدائن" جو عراق کا شہر ہے وہاں خبر کرا دیجئے۔ تو یہ لوگ ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بادشاہ غسان کی جانب سے ایک شخص ہرقل کے دربار میں آیا اور اس نے کہا کہ حضور سرور عالم ظاہر ہو گئے ہیں اور حضور کی خبر سنائی۔

اب جو ہرقل کی رائے تھی تار دیکھ کر اس نے یہ سمجھا تھا اس کی تائید کے لئے روم میں جو اس کا مصاحب تھا اس نے اس کو خط لکھ کر کے بھیجا اور اس سے پوچھا تو اس نے اس بات میں موافقت کی اور کہا کہ بے شک وہ نبی ہیں اور وہ ظاہر ہو چکے ہیں، اب آخری حدیث کا جو ٹکڑا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہرقل حضور کی سچائی اور آپ کے اوصاف کو جانتا تھا اور آپ کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کیسے صادق و امین ہیں، لیکن اس کے باوجود ایمان نہیں لایا، ہرقل نے جب یہ یقین کر لیا کہ حضور نبی ہیں تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں علمائے روم کو اکٹھا کروں اور ان سے پوچھوں چنانچہ اس نے اعلان کرایا کہ روم کے علماء جتنے شام میں ہیں وہ سب کے سب اس کے ایوان خاص دسکرہ میں جمع ہو جائیں، سب اکٹھا ہو گئے تو وہ کہنے لگا:

"ھل لکم فی الفلاح والرشد" اے لوگو! کیا تمہیں فلاح و ہدایت میں رغبت ہے؟ اور یہ کہ تم ایمان لاؤ نبی پر اور تمہارا ملک قائم رہے، جب انہوں نے سنا تو سن کر ایسے بھاگے جیسے جنگلی گدھے بھاگتے ہیں اور بھاگے تو دروازوں کو دیکھا کہ سب بند ہیں، لوٹے تو اس نے کہا: میں نے یہ بات صرف اس لئے کہی تھی کہ تمہاری دینی شدت اور شرافت کا میں امتحان لوں تو میں نے دیکھ لیا کہ تم اپنے دین سے پھرنے والے نہیں ہو تو وہ مان گئے اور راضی ہو گئے اور اس کے لئے سجدہ کیا۔

اب یہاں پر ایک سوال یہ ہوا کہ ہرقل تو بادشاہ تھا تو سرکار نے اپنے نامہ مبارک میں اس کو عظیم الروم لکھا ملک الروم کیوں نہیں لکھا۔

اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا کہ سرکار نے اس کو ملک روم اس لئے نہیں

کہا کہ وہ خود ہی کہتا تھا کہ ملك هٰذه الامة قد ظهر سرکار کا حال جان کر اس نے کہا کہ اس امت کا بادشاہ ظاہر ہو چکا تو ہرقل نے خود ہی مان لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جو نبی الانبیاء ہو وہی سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہو اور اسی کی بادشاہت ہو۔

ملک کونین میں انبیاء تاجدار

تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا لازمی تقاضہ یہ ہوا کہ حضور بادشاہ بن کر کے آئیں اور ہرقل وہ اللہ کے حکم سے مجبور ہے لہٰذا اس کی بادشاہت کا اعتبار نہیں، اگر سرکار اس کو ملک روم کہتے تو اس کو سرکار کی جانب سے بادشاہت کی سند مل جاتی اس لئے یہ نہ لکھ کر عظیم الروم لکھا اور یہ کیوں کہا اس لئے کہ اس کو ایک دنیاوی عظمت حاصل ہے اس لحاظ سے اس کو عظیم روم کہا، حالانکہ صرف نام بھی لے سکتے تھے مگر اس کو معزز لقب سے مخاطب کیا تا کہ وہ اس خط کی طرف راغب ہو۔

اب یہ سوال کہ سرکار نے خط میں السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ لکھا جس میں کافر کو سلام ہے، یہ کیوں کر درست ہوا؟

اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ کافر کو ابتداء اسلام کرنا منع ہے اسی طرح اہل بدعت و کبائر اور فاسق معلن کو بھی سلام میں ابتدا کرنا منع ہے، امام بخاری نے اس کے لئے ایک باب باندھا اور اس کے لئے ایک طویل حدیث لیکر کے آئے جس میں صحابی رسول کعب بن مالک کا واقعہ ہے کہ جب سرکار جنگ تبوک سے واپس آئے اور یہ باوجود قدرت کے جنگ میں شریک نہ ہوئے بعد میں یہ سرکار کی بارگاہ میں جا کر تائب ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزمائش اور دوسروں کی تعلیم کے لئے ان کے اور ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیع کے بارے میں سرکار نے فرمادیا کہ ان سے کوئی کلام نہیں کرے گا تو ان کا یہ عالم ہوا کہ بازاروں میں جاتے مگر کوئی ان سے سلام نہیں کرتا تھا حضور کا درس سنتے حضور کے پیچھے نماز پڑھتے مگر حضور

ان سے کلام نہ کرتے اور نہ ہی کوئی صحابی ان سے کلام کرتا۔

امام بخاری نے حدیث کو اسی لئے ذکر کیا کہ اگر کسی سے علانیہ گناہ سرزد ہو تو اس کو ابتدا بالسلام جائز نہیں ہے یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے یہ بھی مسئلہ نکلا کہ اگر وہ سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے

اب یہ سوال کہ سرکار نے ہرقل کو سلام کیوں کیا تو کہتے ہیں کہ اصل حکم یہی ہے کہ کافر کو سلام کرنا منع ہے لیکن ضرورت اگر داعی ہے تو تالیف قلب کے لئے اس کو سلام کیا جاسکتا ہے اور اس کے سلام کا جملہ السلام علیٰ من اتبع الهدیٰ ہے۔

احوال رواۃ:

اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں۔ ان میں تین رواۃ کا ذکر کر دیا گیا، باقی ذیل میں ہیں:

(۱) حکم بن نافع، ان کی کنیت ابوالیمان ہے، یہ بہراء کی ایک عورت کے مولیٰ ہیں جنھیں ام سلمیٰ کہا جاتا ہے بہت سارے لوگوں سے انھوں نے حدیث روایت کی ان میں اسمٰعیل ابن عیاش ہیں اور ان سے بھی بہت سارے لوگوں نے حدیث روایت کی جن میں احمد، یحییٰ ابن معین، ابوحاتم اور ذہلی ہیں، ان کی ولادت ۱۳۸ھ میں اور وفات ۲۲۱ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی کتب ستہ میں اس نام کا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

(۲) شعیب بن ابی حمزہ، یہ قرشی، اموی ہیں انھوں نے تابعین کی ایک جماعت سے حدیث سنی ان میں سے زہری ہیں اور ان سے بھی ایک جماعت نے حدیث روایت کی اور یہ ثقہ حافظ اور متقن ہیں، ان کا وصال ۱۶۲ھ یا ۱۶۳ھ میں ہوا، یہ اپنی ولدیت کے ساتھ کتب ستہ میں افراد میں سے ہیں۔

(۳) صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی، ان کی کنیت ابو سفیان ہے اور ان کی کنیت ابوحنظلہ بھی ہے، یہ قرشی، اموی، مکی ہیں، یہ واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے فتح مکہ کی رات اسلام لائے اور غزوہ طائف وحنین میں

شریک ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ عطا فرمائے ان کی ایک آنکھ طائف کے دن نکل گئی اور دوسری یرموک کے دن نکلی، پھر مدینے میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۳۱ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۳۴ھ میں ان کا وصال ہوا، ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان ابن عفان نے پڑھائی۔

لطائف اسناد کا بیان: اس کے راوی حمصی، شامی اور بصری ہیں اور اس میں تحدیث اخبار اور عنعنہ ہے اور بخاری میں ایسی کوئی دوسری سند نہیں ملتی صحاح ستہ میں ابوسفیان سے اس کے علاوہ اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

تعدد مقامات کا بیان: امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے ابوداؤد نے ادب میں ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے کتاب التفسیر میں اس کو روایت کیا ہے۔

□□□

کِتَابُ الاِیمَانُ

باب

قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "بنی الاسلام علی خمس"۔

وھو قول و فعل ویزید وینقص

قال اللہ تعالیٰ:

"لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ"۔

"وَزِدْنٰهُمْ هُدًى"۔

"وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى"۔

"وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ"۔

"وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا"۔

وقولہ عز وجل:

"اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا"۔

وقولہ جل ذکرہ:

"فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا"۔

وقولہ تعالیٰ:

"وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا"۔

والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان۔

وکتب عمر بن عبد العزیز الیٰ عدی بن عدی ان للایمان فرائض و شرائع وحدودا وسننا فمن استکملھا استکمل الایمان ومن لم یستکملھا لم یستکمل الایمان فان اعش فسابینھا لکم حتی تعملوا بھا وان امت فما انا علی صحبتکم بحریص۔

وقال ابراھیم "ولکن لیطمئن قلبی"۔

وقال معاذ اجلس بنا نومن ساعۃ وقال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ۔

وقال ابن عمر لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاك في الصدر.

وقال مجاهد: "شرع لكم من الدين ما وصّى به نوحا" اوصيناك يا محمد واياه دينا واحدا

وقال ابن عباس: "شرعة ومنهاجا" سبيلا وسنة. ودعائكم ايمانكم".

"حدثنا عبيد الله بن موسى قال اخبرنا حنظلة بن ابی سفیان عن عكرمة بن خالد عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بنى الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزكاة والحج وصوم رمضان".

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبیداللہ بن موسیٰ نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں خبر دی حنظلہ بن ابی سفیان نے، وہ روایت کرتے ہیں عکرمہ بن خالد سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر سے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) حج کرنا۔ (5) رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا۔

امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس باب میں ترجمۃ الباب کے تحت بہت ساری آیات بینات کے اجزا کی تلاوت کی اور پھر اقوال صحابہ وتابعین خصوصا سید التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذکر کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے باب باندھا کہ ایمان قول وفعل کا نام ہے اور ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اس پر انہوں نے کچھ آیتیں تلاوت کیں، جن میں زیادتی ایمان کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ذکر کیا کہ ایمان کے لئے کچھ

فرائض وشرائط ہیں جو اُن کو پورا کرے گا اس کا ایمان پورا ہے اور جس نے ان کو پورا نہیں کیا اس کا ایمان کامل نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کچھ دنوں تک جیوں تو تم لوگوں کو وہ چیز بتادوں گا اور اگر اس سے پہلے وفات پا جاؤں تو میں تم لوگوں کے ساتھ رہنے پر حریص نہیں ہوں۔

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان حقیقۃً تصدیق کا نام ہے۔ تصدیق جازم جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر کے آئے اور جس کا ضرورتاً دین سے ہونا معلوم ہو، اس کی تصدیق لازم کا نام ایمان ہے اور تصدیق جازم کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کا اذعان بھی ہو اور اذعان سے مراد اذعان منطقی نہیں بلکہ اس سے زیادہ، امام اعظم کے نزدیک ایمان کی اتنی ہی حقیقت ہے اور اقرار باللسان یہ اجرائے احکام کے لئے شرط ہے اور جس کو مہلت ملی کہ وہ زبان سے اقرار کرے اور اس نے اقرار نہ کیا تو ہمارے نزدیک اس کے مسلمان ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ رہا یہ مسئلہ کہ وہ عنداللہ بھی مسلمان ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے لیکن حقیقت ایمان تصدیق بالقلب ہے اس کے پیش نظر عنداللہ انشاء اللہ وہ مومن ہے جب کہ اس نے اقرار باللسان میں کوتاہی نہ کی ہو۔ اور اگر اس کو اتنی مہلت ہی نہ ملی تصدیق اس کے دل میں آ گئی پھر اس کا انتقال ہو گیا تو بلا شبہہ مومن ہے اور سب کے نزدیک مومن ہونا راجح ہے، یہ خلاصہ ہوا۔ ساتھ ہی ہمارے مذہب کی تائید عمر بن عبدالعزیز کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ اور آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے نام سے یہ حدیث مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایمان کی پوری حقیقت و ماہیت یقین ہے یہ ہمارے امام اعظم کا مستدل ہے اور ابن ہمام نے یہاں پر یہ اختیار کیا کہ اقرار باللسان بھی ایمان کا رکن ہے یعنی ان کے نزدیک "الایمان ھو التصدیق بالجنان والاقرار باللسان" ہے۔

امام بخاری نے یہاں پر باب بدء الوحی کے بعد کتاب الایمان کے ضمن میں مختلف ابواب ذکر کئے۔ مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ بعض مسائل کو "کتاب"

بعض کو "باب" اور بعض کو "فصل" کے تحت رکھتے ہیں۔ اب جن مسائل کو وہ لفظ کتاب کے تحت ذکر کر رہے ہیں وہ تمام مسائل لفظ کتاب کے تحت مختلف نوعیں ہوں گی اور یہ لفظ کتاب ان کے لئے بمنزلہ جنس ہوگا اور جنس کے تحت مختلف نوعیں ہوتی ہیں لہٰذا کتاب کے تحت ذکر کردہ مسائل مختلف نوعیں ہوں گی۔ یہاں پر امام بخاری نے فرمایا :"کتاب الایمان وھو قول و فعل" یعنی ایمان وہ قول و فعل ہے۔ لہٰذا یہ اس کی مختلف نوعیں ہوئیں۔

سب سے پہلے امام بخاری نے اپنی جامع میں باب بدء الوحی باندھا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باب جامع کا مقدمہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اس کے بعد کتاب الایمان کو رکھا، اس لئے کہ اس کا تعلق عقیدہ اور دیگر ابواب کا تعلق عمل سے ہے لیکن کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو پھر کتاب الصلوٰۃ پھر کتاب الزکوٰۃ کو ذکر کیا ہے تو اُن کی وجہ ترتیب یہ ہے کہ علم عقیدہ اور عمل دونوں کا مدار ہے لہٰذا علم کو دونوں سے نسبت ہوئی اس سبب سے کتاب العلم کو کتاب الایمان کے بعد دیگر ابواب عمل سے پہلے رکھا پھر کتاب الصلوٰۃ کو اس لئے رکھا کہ وہ دین کا سب سے پہلا رکن ہے اور دین کا ستون ہے پھر ترتیب قرآنی کے لحاظ سے کتاب الزکوٰۃ کو رکھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صلوٰۃ پھر زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بخاری کے بعض نسخوں میں پہلے کتاب الحج ہے، بعد میں کتاب الصوم ہے۔ اب رہا یہ کہ کتاب الحج کو زکوٰۃ کے بعد کیوں لائے؟ وہ اس لئے کہ نماز عبادت بدنی ہے اور زکوٰۃ خالص عبادت مالی ہے اور پہلے درجہ بدن کا ہے پھر مال کا۔ اس لئے پہلے کتاب الصلوٰۃ کو رکھا پھر کتاب الزکوٰۃ کو، اور حج یہ مالی اور بدنی دونوں سے مرکب ایک عبادت ہے اور مرکب کا درجہ مفرد کے بعد ہے۔

لہٰذا جس طرح سے طبعا مرکب مفرد کے بعد ہے، وضعا بھی انہوں نے پہلے عبادات مفردہ کو ذکر کر دیا پھر عبادت مرکبہ کو لے کر آئے اور حج کو مقدم اس لئے کیا کہ حج کے بارے میں حدیث میں بہت وعیدیں وارد ہیں۔ لہٰذا اس اہتمام کی

بنیاد پر اس کو مقدم کیا اور بعض نسخوں میں صلوٰۃ، زکوٰۃ پھر کتاب الصوم جیسا کہ فقہا کی ترتیب ہے، اس ترتیب پر ہے۔

لفظ ایمان کی تحقیق: ایمان یہ امن سے ماخوذ ہے اور باب افعال میں اس کو لے کر کے آئے تو ایمان کے معنی ہوئے امن میں داخل ہونا یا کسی کو امان دینا، امن کرنا "آمنته. جعلته ذا أمن" میں نے فلاں کو امان دی۔ اور جب اس کا صلہ "ب" حرف جر آتا ہے یا "لام" آتا ہے تو اس کے معنی تصدیق کرنے کے ہوتے ہیں "آمنت به" میں نے اس کی تصدیق کی، میں نے اس کا کہنا مانا اور "آمنت له" کے معنی بھی وہی ہیں اور قرآن میں آیا ہے {وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ٥} حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے عرض کی کہ آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے، اگرچہ ہم سچے ہوں اور "آمن" کا تعدیہ "ب" حرف جار سے وہ بھی قرآن کریم میں ہے {آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ} اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

لسان شرع میں ایسی تصدیق جازم کا نام ایمان ہے کہ جس میں کوئی شبہہ نہ ہو۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یا اقرار باللسان کا نام بھی ایمان ہے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اقرار باللسان یہ اجراء احکام کے لئے شرط ہے کہ وہ زبان سے اقرار بھی کرے اور بعض لوگوں نے کہا کہ ایمان کے دو رکن ہیں: (۱) تصدیق۔ (۲) اقرار باللسان۔ لیکن ہاں جو لوگ اس کو رکن مانتے ہیں وہ اس کو رکن ظاہری مانتے ہیں بخلاف تصدیق کے کہ یہ رکن حقیقی ہے یہ کبھی ساقط نہیں ہو سکتا اور اقرار باللسان یہ کبھی کبھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے کوئی کسی کو اکراہ شرعی کے طور پر مجبور کرے کہ معاذ اللہ تلوار لے کر کھڑا ہے اور کہے: کفر کرو نہیں تو جان سے مار دوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا۔ تو ایسی صورت میں یہ اجازت ہے کہ اکراہ شرعی کے طور پر وہ کلمۂ کفر زبان سے کہہ لے اور دل میں تصدیق جمائے رکھے اور قرآن کریم میں اس کی رخصت ہے کہ {وَقَلْبُهُ

مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ} مگر وہ جو مجبور کیا گیا لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو اس کے اوپر کوئی مواخذہ نہیں ہے وہ عند اللہ مسلم ہے اور جب تک اکراہ قائم ہے عند الناس بھی وہ مسلم ہے۔ تو یہ رکن حالت اکراہ وغیرہ میں ساقط ہو جاتا ہے بخلاف تصدیق کے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے کہ ایمان وہ تصدیق قلبی کا نام ہے دیگر محققین علماء جمہور سب اسی پر ہیں اور امام بخاری سے ابھی تعلیقاً کچھ روایات ایسی آئیں گی جس سے اس کی تائید ہوگی۔

مذکورہ بالا دو مذاہب کے سوا ایک اور مذہب جمہور سلف کا ہے وہ کہتے ہیں کہ امام بخاری نے باب باندھا "الایمان قول وفعل" کہ ایمان قول بھی ہے اور فعل بھی۔ محدثین اسی لئے اس کی تعریف یوں کرتے ہیں :"تصدیق بالجنان، اقرار باللسان وعمل بالارکان" دل سے تصدیق کرے، زبان سے اقرار کرے اور ارکان پر عمل کرے۔ معتزلہ وخوارج کے بھی اپنے مذاہب ہیں جو کہ بظاہر مذہب سلف کے قریب معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقۃً زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سلف کے مذہب سے ان لوگوں کے مذہب کو کوئی مناسبت نہیں ہے، سلف اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان طاعات پر عمل کرنے کا نام ہے تو ایمان کے مسمّیٰ میں اگرچہ اس کو داخل مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ پورے سلف متقدمین ومتأخرین اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنے کا نام ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر کے آئے جس کا دین سے ہونا ضرورتاً معلوم ہو، اس کا پورے ضروریات پر ایمان لانا ہی ایمان کی حقیقت ہے اور کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بندہ ایمان سے نہیں نکلتا ہے۔ اس کی تائید بہت ساری احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ وحضرت ابوذر اور دیگر صحابہ کرام سے یہ مضمون متواتر مروی ہے کہ جس نے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا اور اسی پر وہ مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا "وان زنی وان سرق" اگرچہ وہ زنا کرے، اگرچہ وہ چوری کرے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار سے انہوں نے اسکی بار بار تکرار کی اگرچہ وہ زنا کرے،

اگرچہ وہ چوری کرے، سرکار نے آخر میں فرمایا: "علی رغم انف ابی ذر" ہاں معاملہ یہی ہے وہ جنتی ہے اور وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے، اگرچہ ابوذر کو ناگوار ہو۔

ایمان کے بارے میں ایک بات اور یہ ہے کہ "ایمان" اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہے اور یہ اللہ کا کرم ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام عطا فرمایا ہے، اللہ بھی "مومن" ہے اور اس کے کرم سے اس کے بندے بھی "مومن" ہیں۔ مومن کے معنی امن دینے والا اور بندوں کے حق میں حقیقی مومن وہ ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کہ مسلمان وہ ہے کہ تمام مسلمان اس کی بیجا بدگوئی سے اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ امن دینے والا ہے۔ اس پر اس نے اپنی یہ سنت ادا کی ہے کہ مومن وہ ہے کہ جو دوسروں کو امن دے اور اللہ کی امان کو قائم رکھے۔ اور اللہ کے اس ذمہ کو قائم رکھے جو "لا الٰه الا الله محمد رسول الله" پڑھ کر کے رسول نے جو ذمہ دیا ہے اس ذمہ کو نہ توڑے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اس لحاظ سے بھی ہے کہ مومن کے معنی امن دینے والا کے ہیں اور مومن کے معنی تصدیق کرنے والے کے ہیں تو اللہ تعالیٰ تصدیق کرتا ہے اپنی وحدانیت کی اور جو کچھ اس نے اپنے رسول پر اتارا ہے اور نبوت کی تصدیق کرتا ہے، سارے عالم کو اللہ نے اس پر لگایا ہے کہ وہ ایک ہے اس کی ذات پاک بے عیب ہے اور وہ تمام کمالات سے متصف ہے:

{وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ}

ہر شئی اللہ تعالیٰ کی پاکی بولتی ہے اس کو سراہتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی نبوت عامہ عطا فرمائی کہ جیسے عالم کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح بولتا ہے ایسے ہی عالم کا

ذرہ ذرہ ان کی مدحت کرتا ہے۔ کلمۂ توحید صرف انسان کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جنات، نباتات، حیوانات سب "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" بولتے ہیں۔ خود سرکار فرماتے ہیں : "ما من شئ لا یعلم انی رسول اللہ الا مردة الجن والانس" کوئی چیز نہیں ہے جو یہ نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے سرکش جنوں کے اور سرکش انسانوں کے۔ اسی لئے اس پر کلمہ شاہد ہے۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا سرکار کے نام کو کلمہ میں بلاواسطہ ملانا دلیل ہے اس بات کی کہ ذکر کا وسیلہ بھی محمد ہیں اور ایمان وعبادت کا وسیلہ بھی محمد ہیں۔ یہ منکرین وسیلہ کے لئے مقام عبرت ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

اور کلمہ میں "محمد رسول اللہ" فرما کر سرکار کی رسالت کو مطلق رکھا یعنی سرکار جنوں، فرشتوں، اگلوں، پچھلوں سب کے رسول ہیں۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے سب کے رسول ہیں۔ لہٰذا کسی غیر کو قید لگانے کا کیا حق ہے۔ میرے رسول رسول وحدت بھی ہیں۔ اللہ نے مرتبہ ایجاد میں محمد رسول اللہ کو ایک بنایا ہے، باقی سب کچھ انہیں کے نور سے ہے۔ اسی لئے میرے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ۔

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

واحد حقیقی اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی واحد نہیں۔ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے کیونکہ وہ اجزاء سے نہیں بنا ہے وہ بننے سے بھی منزہ ہے۔ اس کو کسی نے بنایا نہیں، اس نے سب کو بنایا، وہ مرتبہ وجود میں واحد ہے اور وحدت حقیقی اس کی شان ہے، وہ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ اس کے اجزاء ہیں اس کے علاوہ جو ہے کثیر کا مصداق ہے۔ اللہ نے نور محمدی کو ایجاد خلقت کا مادہ بنایا اور ان کو بلاواسطہ اپنے نور ذات سے پیدا

فرمایا اس لئے اللہ نے اپنے نام کے ساتھ بلا واسطہ محمد کا نام رکھا اور ان کے نور سے ساری کائنات کو بنایا۔

کلمۂ توحید سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسطۂ عظمیٰ ہیں اللہ کی طرف بلا واسطہ پہنچتے ہیں اور جس کو جو پہنچ رہا ہے یا پہونچے وہ آپ کے ذریعہ پہونچا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔

امام بخاری نے پہلے "کتاب الایمان" کا عنوان باندھا پھر شروع کیا "باب قول النبی" یہ باب ہے حضور کے قول "بنی الاسلام علی خمس" کے بارے میں کتاب الایمان کا باب باندھ کر "بنی الاسلام" کے مفہوم کی حدیث ذکر کرکے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام وایمان اپنے مصداق کے اعتبار سے الگ نہیں بلکہ ایک ہیں اور انہوں نے حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کردیا، یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ کسی حدیث کو پورا ذکر کردیتے ہیں اور کبھی حدیث کو مکرر لاتے ہیں۔ جس طریقہ سے ایک ہی حدیث مختلف راویوں سے بالفاظ مختلفہ مروی ہوتی ہے، اسی طریقہ سے امام بخاری کے اس حدیث کے معاملے میں تصرفات ہیں، کبھی فائدہ متنیہ کی وجہ سے حدیث کو مکرر لاتے ہیں کبھی فائدہ سندیہ کی وجہ سے حدیث کو مکرر لاتے ہیں اور کبھی حدیث کا کوئی ٹکڑا ذکر کرتے ہیں اور کبھی پوری ذکر کرتے ہیں۔ یہاں پر باب باندھ کر حدیث کو تعلیقاً ذکر کردیا چونکہ مسنداً پوری آگے ذکر کریں گے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے :

(۱) شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ۔ (۲) اقامت صلوٰۃ۔ (۳) ایتاء زکوٰۃ۔ (۴) روزہ۔ (۵) حج

قولہ ویزید وینقص۔ یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ ایمان محققین کے نزدیک تصدیق کا نام ہے کیونکہ زیادتی از قبیل کم ہے جو چیز مقدار سے تعلق رکھتی ہے اس کی مقدار زیادہ یا کم ہے اور تصدیق کا تعلق مقدار سے نہیں ہے۔ ہاں یہ اختلاف لفظی ہے یعنی تصدیق ایک کیفیت ہے جس میں طاعات کے ذریعہ سے قوت ہوتی ہے اور

گناہوں کے سبب اس قوت میں کمی ہوتی ہے۔امام بخاری کی یہ عادت کریمہ ہے کہ جو باب باندھتے ہیں اس باب سے متعلق اس کی مناسبت سے جو کچھ کلام الٰہی میں ان کو ملتا ہے پہلے اس کو ذکر کر دیتے ہیں پھر باب کی مناسبت سے ترجمۃ الباب کے تحت وہ حدیث لاتے ہیں جو باب سے مناسبت رکھتی ہے۔اسی عادت کریمہ کے مطابق امام بخاری نے مذکورہ باب سے متعلق یہ ساری آیتیں ذکر کر دی ہیں۔

قولہ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان۔امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایمان اگرچہ تصدیق قلبی کا نام ہے لیکن ہر شئی کے کچھ نہ کچھ لوازم ہوتے ہیں۔ "اذا ثبت الشی ثبت بجمیع لوازمہ" جب کوئی شئی ثابت ہوتی ہے، وہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔لہٰذا جس دل کے اندر ایمان ہوگا تو ایمان کے جتنے لوازمات ہیں وہ سب ثابت ہو جائیں گے۔اللہ کے لئے محبت ونفرت کرنا یعنی محبت وعداوت رشتہ،خون ودوستی کا رشتہ نہیں ہے دنیوی تعلقات کا رشتہ نہیں ہے بلکہ جو اللہ ورسول سے محبت رکھتا ہے وہ ہمارا محبوب ہے اور جس کو اللہ ورسول سے محبت نہیں ہے وہ ہمارا کوئی نہیں ہے۔یہ لوازم ایمان سے ہے۔

قولہ و کتب عمر بن عبد العزیز ۔عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کو خط لکھ کر بھیجا کہ ایمان کے کچھ فرائض وقوانین ہیں تو جس نے ان کو کامل کر دیا اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا اور جس نے پورا نہ کیا اس نے اپنا ایمان پورا نہ کیا۔یہاں سے معلوم ہوا کہ جمہور سلف کا جو مذہب ہے کہ طاعات ایمان میں داخل ہیں تو ان کا مطلب یہ ہے کہ طاعات کے ساتھ ایمان کامل ہے اور اگر آدمی گنہ گار ہے اس کے باوجود وہ ایمان سے نہیں نکلے گا جب تک کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جو اس کے کافر ہونے پر دلالت کرے۔اس کے برخلاف معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ کافر ہے نہ مومن "منزلۃ بین المنزلتین" ہے ان سے بدتر مذہب ہے خوارج کا کہ وہ مرتکب کبیرہ کو مشرک وکافر جانتے ہیں اور آج ان کے آئینہ داران کی مثال و یادگار ملک بھر میں ہر جگہ پر موجود ہیں وہ جو باتیں جائز ومستحسن ومباح ہیں ان کو بھی

شرک کہتے ہیں۔

قولہ فان اعش۔ اگر میں زندہ رہا تو میں اس کو بیان کروں گا یہاں تک کہ تم اس پر عمل کرو اور اگر میں دنیا سے چلا گیا تو میں تمہاری صحبت پر حریص نہیں ہوں۔

قولہ ولکن لیطمئن قلبی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب سے عرض کیا۔ {رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ} اے اللہ مجھے دکھادے کہ مردے کیسے زندہ کرتا ہے؟ {قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن} فرمایا کیا تجھے یقین نہیں ہے؟ {قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي} کہا: کیوں نہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا وہ ایمان بے دیکھے ہے، اب میرا ایمان علم الیقین سے عین الیقین کی حد تک منتقل ہو جائے، میں آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تیری قدرت بلند و بالا ہے۔

قولہ وقال معاذ اجلس بنا نومن ساعۃ۔ حضرت معاذ بن جبل ایک مشہور صحابی ہیں جو عقبہ ثانیہ میں حضور کی خدمت میں ۷۰ انصاریوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور حضور پر ایمان لائے، آپ نے تمام غزوات اسلامیہ میں شرکت کی، بہت ہی جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "اجلس بنا نومن ساعۃ" امام بخاری باب کی مناسبت سے یہ لے کر آئے کہ آپ نے اپنے ساتھی ہلال بن مرارہ اور محاربی یا کسی اور سے فرمایا ہمارے ساتھ بیٹھو کہ ایک لمحہ تک ہم لوگ ایمان والے ہو جائیں۔

معاذ بن جبل کے اس قول کو ظاہر پر محمول کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ حضرت معاذ تو بڑے پکے مسلمان تھے، مسلمانوں کے سردار تھے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ معاذ اللہ وہ کہتے ہیں کہ ایک ساعت کے لئے مومن ہو جائیں گویا کہ وہ پہلے سے مومن نہیں ہیں، ایک ساعت کے لئے ایمان مانگ رہے ہیں اس کے بعد معاذ اللہ وہ ایمان والے نہیں، یہ ہرگز نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ایمان کو مجاز اً ذکر طاعات واستدلال پر محمول کر رہے ہیں۔ یعنی ہم ایمان والے ہیں ہمارے دلوں میں جو ایمان ہے اس کو جمانے کے لئے ہم ان وجوہ میں غور کریں جو ہمارے ایمان کی صحت پر

دلالت کرتی ہیں یا یہ کہ ہم اللہ تبارک وتعالی کی حمد کریں اور اس کی طاعت کریں۔ یہاں پر اس سے پتہ یہ لگا کہ ہر قوم کے لئے اس کی ایک زبان ہے، اس کی اصطلاح ہے اور ہر مسلمان کے قول کو وجہ صحیح پر محمول کرنا ضروری ہے اور کسی مسلمان عاقل بالغ کے کلام کو وجہ لغو پر اور اہمال پر محمول کرنا ناجائز ہے۔ یعنی ایسا نہیں کیا جائے گا کہ اس کا کلام مہمل چھوڑا جائے یہاں پر یہ معنی نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ایمان یہاں ان چیزوں کو کہا ہے جو تصدیق بالقلب کو قوی کرتی ہیں۔ اللہ کی وحدانیت رسول کی رسالت پر دلالت کرنے والے دلائل میں غور کرنے کو ایمان کہہ رہے ہیں اور یہ قرآن میں بکثرت ہے اللہ نے نماز کو ایمان سے تعبیر فرمایا۔ ہوا یہ کہ کچھ لوگ تحویل قبلہ سے قبل انتقال کر چکے تھے، حضور مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے تالیف یہود کے لئے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کی اور تمنا یہ تھی سرکار کی کہ ہمارا وہی پہلا قبلہ جو کہ مکہ میں ہے کعبہ وہی قبلہ ہو جائے تو آپ کی یہ تمنا پوری ہوئی اور ارشاد ہوا

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اے محبوب ہم تمہاری اس ادا کو دیکھ رہے ہیں کہ تم آسمان میں ادھر ادھر اپنا چہرہ گھماتے ہو، ہمیں معلوم ہے کہ تم کس وجہ سے گھماتے ہو، تمہاری یہ تمنا ہے کہ کعبہ تمہارا قبلہ ہو جائے، وہ پوری کی جاتی ہے، تم کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو تو معلوم ہوا کہ کعبہ قبلہ بنا ہے، محمد رسول اللہ کے وسیلہ سے۔ کعبہ تو نماز کا قبلہ ہے اور محمد رسول اللہ ایمان کا قبلہ ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

رب نے فرمایا ابھی اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو تو جس جس کو خبر پہونچی وہ حالت

نماز میں ہی کعبہ کی طرف پھر گیا۔ پھر کچھ لوگ انتقال کر گئے، انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھی، ان کے بارے میں لوگوں نے پوچھا، ان کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو اکارت کرے تم جو عمل اللہ کی بارگاہ میں پیش کر چکے، اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ یہاں پر ایمان سے مراد نماز ہے۔ معاذ بن جبل کے اس قول میں صوفیائے کرام اور اولیاء عظام کے لئے دلیل ملی کہ صوفیا و اولیا پر اعتراض میں جلدی کرنا محرومی ہے کیونکہ وہ اپنی مصطلحات میں کچھ بولتے ہیں، ان کو ظاہر پر محمول کرنا اپنا بگاڑنا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ کے کلام میں تشابہات ہوئے کہ جن کو ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے، ایسے ہی تشابہات صحابہ و اولیا و عامۃ الناس کے کلام میں بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک عاقل و بالغ کے کلام کو اچھی وجوہ پر محمول کرے جب تک اچھی بات پر محمول ہو سکتا ہے۔

□□□

باب دعاؤکم ایمانکم

"حدثنا عبید اللہ بن موسی قال اخبرنا حنظلة بن ابی سفیان عن عکرمة بن خالد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بنی الاسلام علی خمس شہادة ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰة وایتاء الزکاة والحج وصوم رمضان"۔

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبید اللہ بن موسیٰ نے وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی حنظلہ بن ابی سفیان نے وہ روایت کرتے ہیں عکرمہ بن خالد سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر سے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے، اسی حدیث کا صدر اول اس باب کے تحت بے سند ذکر کیا، اس کے بعد اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا۔ یہ بات پہلے گزر چکی کہ یہ امام بخاری کے لطائف میں سے ہے کہ کبھی حدیث کو پوری سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور کبھی جزء حدیث ذکر کرتے ہیں۔

یہاں پر انہوں نے باب باندھا کہ ایمان قول و فعل کا نام ہے اور زیادتی و نقصان ہر چیز کا اس میں احتمال ہے، زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا باب کے جز اول "الایمان قول وفعل" اس کی مناسبت سے یہاں پر انہوں نے پوری حدیث یہ ذکر کی۔ امام بخاری کتاب الایمان کے عنوان سے باب باندھ کر حدیث

لائے "بنی الاسلام" یہ بتانے کے لئے کہ ایمان کا اطلاق جیسے تصدیق پر ہوتا ہے ویسے ہی افعال پر ہوتا ہے۔ جیسے ایمان قول کا نام ہے، ویسے ہی فعل کا نام ہے اور یہ کہ ایمان واسلام دونوں مترادف ہیں اور قرآن کریم میں اس کی سند موجود ہے:

{قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ٥} حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس فرشتے بھیجے گئے کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں تو فرشتے آئے تو حضرت لوط نے فرمایا:

فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ۔

اے فرشتو! تمہارا میرے پاس کیا کام ہے؟

تو کہا:

{إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ٥}

ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر عذاب نازل کریں۔

اور اگلی آیت ہے:

{فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ٥ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ٥}

ایک جگہ مومنین اور دوسری جگہ مسلمین کہا تو فرشتوں نے یہ کہا کہ اس بستی میں جتنے اہل ایمان ومومن تھے، ہم نے ان کو نکال لیا، باقی لوگوں پر عذاب نازل کیا، یہاں پر جن کو مومن کہا، انہیں کو مسلم کہا، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان واسلام دونوں مترادف ہیں۔

یہاں پر ایک بات یہ ہے کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دعویٰ کی سند میں اور جو باب باندھا تھا اس کی مناسبت سے چند آیات ذکر کی تھیں۔ ان میں جو آیات پہلے ذکر کیں، باب کی مناسبت ان میں ظاہر ہے کہ ان میں زیادتی کی تصریح ہے اور بعض آیات میں زیادتی کی تصریح نہیں ہے جیسا کہ گزرا، ایک آیت باقی رہ گئی، وہ یہ ہے:

﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرکار سے فرمایا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ اللہ کے یہاں تمہاری کیا قدر اگر تمہاری دعا نہ ہو۔ یہاں پر ابن عباس نے "دعاؤکم" سے مراد "ایمانکم" فرمایا۔ یہاں پر بعض شارحین نے امام بخاری پر اعتراض کیا کہ امام بخاری نے کہا: "دعائو کم ایمانکم" اس میں غور کیا جائے تصور سے کام لیا جائے اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے لغت میں دعاؤکم کا معنی ایمانکم نہیں ملا لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو معنی بیان کیا ہے اس اثر کو ابن منذر نے ذکر کیا ہے، اپنی سند کے ساتھ اور تفسیر ابن عباس میں یہ چیز موجود ہے۔ (۲) عباس لغت سے واقف اہل زبان اور خود سرکار سے قرآن کریم پڑھنے والے اور اس کے معانی سمجھنے والے ہیں انہوں نے اس کی تفسیر "ایمانکم" سے کی ہے۔ تو اس سے لغت کی سند بھی مل گئی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بخاری نے جو معنی "ایمانکم" بتایا ہے یہ ابن عباس کی تفسیر ہے اور جو ابن عباس کی تفسیر ہے وہ ان کی اپنی تفسیر نہیں ہے بلکہ بظاہر وہ حدیث موقوف ہے لیکن یہ چونکہ سرکار کے صحابی ہیں اور سرکار سے قرآن پڑھا ہے تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہ سرکار کا ارشاد ہے یعنی یہ حدیث موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور حدیث مرفوع وہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بیان فرمائی ہو تو اگرچہ یہ ابن عباس کا قول ہے لیکن حقیقت میں حضور کا قول ہے۔ اب لغت کے اعتبار سے بھی اس کی توجیہ ہو سکتی ہے اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا جائے کہ اس سے جو ناشی ہو اس کو مراد لے لیتے ہیں اب یہاں پر "دعاؤکم" میں "دعا" اس کی اصل اور منشا کیا ہے؟ یہ کہاں سے ناشی ہوتی ہے؟ جب آدمی کے دل میں رغبت ہوگی اور معرفت ہوگی اور اللہ پر ایمان رکھے گا تبھی وہ دعا کرے گا یہاں پر "دعاؤکم" سے "ایمانکم" مجازاً مراد لے لیا گیا۔ اس لئے کہ ایمان وہ دعا کا سبب ہے تو ایمان پر دعا کا اطلاق کر دیا گیا اور باب کی مناسبت یہاں پر اس طریقہ سے ہے کہ ایمان جیسے قول کا نام ہے ویسے فعل

کا نام ہے تصدیق کا نام بھی ایمان ہے اور آدمی کے اقوال واذکار وافعال کا نام بھی ایمان ہے۔

یہ حدیث بظاہر معتزلہ وخوارج کے لئے سند معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں یعنی تنہا ''لا الٰہ الا اللہ'' کہنا کافی نہیں ہے سرکار تشریف لے آئے لہٰذا اب جو لوگ توحید پر باقی تھے ان سے بھی صرف ''لا الٰہ الا اللہ'' نہیں قبول کیا جائے گا جب تک ''محمد رسول اللہ'' نہیں کہیں گے محمد رسول اللہ کہیں گے تو اللہ والے ہو جائیں گے، توحید والے ہوں گے، ایمان والے ہوں گے اور اگر محمد رسول اللہ نہیں کہیں گے تو یہ کلمہ توحید پڑھنا ان کے کام نہیں آئے گا۔

توحید رحمانی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی مان اور اس نے جو رسول بھیجا ہے اس کو بھی مان اور توحید شیطانی یہ ہے کہ اللہ کو تو مانتا ہے لیکن جب اس سے کہا گیا جن کی پیشانی میں ان کا نور ہے ان کو سجدہ کرو، بولا ''اسجد لمن خلقت طینا'' میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ تو اکڑ گیا تو جب اُن سے گیا تو خدا سے گیا۔

لہٰذا ''محمد رسول اللہ'' یہ ایمان کے مقبول ہونے کا وسیلہ ہے، ذکر وعبادت و ایمان کا وسیلہ ہے اور پھر محمد رسول اللہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ جامعیت رکھی ہے جو بظاہر ''لا الٰہ الا اللہ'' میں نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کیا اتنا کہنے سے وہ مسلمان ہو جائے گا؟ نہیں۔ اور جب ''محمد رسول اللہ'' کہا تو اس میں دونوں جز آ گئے، اللہ کی وحدانیت بھی آ گئی کیونکہ وہ علم ہے ذات مستجمع صفات کمال کا اس کا ہم پلہ اور اس کا ہم نام کوئی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا کافر نے جب ''محمد رسول اللہ'' کہا تو مسلمان ہوگا تو معلوم ہوا کہ توحید ایمانی اہل سنت وجماعت کا حصہ ہے، ہمارا حصہ ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صرف زبان سے پڑھنا نہیں بلکہ محمد رسول اللہ سے جو ثابت

ہوتا ہے کہ ان کے پاس اللہ کی رسالت ہے جب ان کی رسالت و اختیارات پر ایمان لاؤ گے اور یہ جانو گے کہ ان کو اللہ نے اپنی طرف سے علوم کے خزانے عطا فرمائے ہیں اور اللہ نے ان کو علم غیب کا مصدر و منبع بنایا ہے تمام مخلوق کے لئے تو اس وقت ایمان والے کہلاؤ گے۔ اور کلمہ بھی یہ بتا رہا ہے کہ محمد اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں بلا واسطہ ہیں، ان کے علاوہ کی دربار الٰہی میں رسائی واسطے سے ہے جس کی رسائی ہوگی انہیں کے واسطے سے ہوگی اور جس کو جو ملے گا انہیں کے واسطے سے ملے گا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول ہیں مگر غیب کی کیا خبر؟ رسول بھی کہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم جیسے ہیں، یہ بات نہیں مانی جائے گی، رسول کہا تو رسول کو رسول سمجھو۔ رسول و نبی کا منصب برابر ہے، جو رسول ہے وہ نبی ہے اور نبی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے اور رسول وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں اپنا سفیر مقرر کیا ہوتا ہے۔ مفردات راغب میں ہے: "النبوة عبارة عن السفارة بين الله و مخلوقه" یہ عبارت ہے اس سے کہ جو نبی ہوتا ہے وہ اللہ کا سفیر ہوتا ہے اس کے اور مخلوق کے درمیان اور مخلوق اپنے معاملات کو ان کے بغیر نہیں رکھ سکتی اللہ سے جو ملے گا ان کے واسطے سے ملے گا اور تمہاری جو دعا قبول ہوگی ان کے واسطے سے ہوگی۔

پھر اللہ نے "محمد رسول الله" کسی زمانے کی قید سے مقید کیے بغیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر زمانے کے رسول ہیں سب کے رسول ہیں رسول کے رسول ہیں اور اگلے جو رسول آئے وہ اپنے اپنے زمانے کے رسول بن کر آئے اور یہ ایسے رسول بن کر آئے کہ جب مدینہ شریف میں چلتے پھرتے تو بھی ان کی رسالت عام تھی اور آج قبر شریف میں بھی ان کی رسالت عام ہے اب کوئی نیا نبی و رسول نہیں آسکتا، ان کی رسالت ہی باقی رہے گی یہ زندگی و امداد کے رسول ہیں اور ان کا معاملہ ایسا ہے کہ اللہ نے اگلوں کو نبوت دی تو اس شرط پر دی کہ ان پر ایمان لاؤ تو تم رسول ہو قرآن نے فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ۝﴾

اے محبوب یاد کرو جب نبیوں کی محفل سجائی گئی تھی اور اس محفل کے میر مجلس محمد رسول اللہ تھے اور اس محفل میں اللہ تبارک وتعالیٰ جلوہ گر تھا، ہم نے نبیوں سے ایک وعدہ کیا تھا کہ جو کتاب وحکمت میں عطا فرماؤں پھر وہ رسول تشریف لے آئے جو تمہاری نبوت اور کتاب کی تصدیق کرتا ہو تو ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ان کی مدد کرو گے، کہا کہ اقرار کرتے ہو؟ تو سب بولے ہم نے اقرار کیا، فرمایا کہ گواہ ہو جاؤ اور میں تم سب کے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ اس عہد کے بعد جو پھر جائے وہی بے حکم ہے۔ یہ نبیوں سے کہا جا رہا ہے جبکہ انبیاء سے بے حکمی نہیں ہو سکتی۔ حقیقۃً یہ نبیوں کی امت کو سنایا جا رہا ہے اور محمد رسول اللہ کی امت دعوت کو سنایا جا رہا ہے تو جب انبیاء سے یہ کہا جا رہا ہے تو وہابی کس کھیت کی مولی ہیں؟ لہٰذا تمام انبیاء کو نبوت ان کے طفیل ملی کیونکہ وہ نبی الانبیاء ہیں سب کا کلمہ ایک ہے لہٰذا جس طرح سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی سب کے مصطفیٰ ایک ہیں۔

انبیا سے کروں عرض کیوں صاحبو!
کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی

جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی
اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی

پھر فرمایا نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور حج کرو اور رمضان کا روزہ رکھو۔

اس حدیث کے تیور سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کے بعد اگر کوئی شخص نماز و روزہ زکوٰۃ و حج کی ادائگی نہیں کرتا ہے تو کافر نہیں ہے کیونکہ اس پر محدثین وفقہاء وغیرہ کا اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے۔ اب جو امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے

نزدیک بے نمازی کو قتل کیا جائے گا وہ حداً قتل کیا جائے گا، کفر کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ بعض گناہوں، مثلاً زنا کی حد رجم اور قتل کی حد قتل ہے، اسی طور پر تارک صلوٰۃ حداً قتل کیا جائے گا اس پر اجماع ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ وحدیث کو سمجھنا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ نے اس کے کچھ لوگ مقرر فرمائے ہیں، محدثین کا کام یہ ہوا کہ انہوں نے سند کی چھان بین کی، راوی کیسا ہے؟ ضعیف ہے یا ثقہ ہے وغیرہ، اور فقہاء کا کام یہ ہے کہ جب ان کے پاس صحیح سند کے ساتھ حدیث آ گئی تو انہوں نے اس کے معانی میں غور کیا حدیث اپنے ظاہر پر ہے یا نہیں؟ کون سی مطلق ہے، کون سی مقید اور کون سی ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے۔ یہ سب کے سب اصالۃً حضور کے سپرد ہے۔

{وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ٥}

ہم نے قرآن کو اس لئے نازل فرمایا تا کہ تم ان سے اس چیز کا بیان کرو جو ان کی طرف نازل ہوئی، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا لیکن جب تک حضور نے بیان نہیں فرمایا تو صحابہ سے قرآن ایک حرف نہیں چلا صحابہ میں بھی لوگوں کا معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے سرکار سے قرآن سیکھا، حضرت ابن عباس نے سرکار سے قرآن سیکھا اور ''مجاہد'' کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے سرکار کو بتیس (۳۲) مرتبہ قرآن سنایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کا بیان سب سے پہلے سرکار کا منصب ہے۔ اسی قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ}

اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں حکم والے ہیں، ان کی اطاعت کرو۔

آیت کریمہ میں ''اطیعوا الرسول'' کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور پھر اطاعت رسول پر بس نہیں کیا بلکہ فرمایا، رسول کے بعد صحابہ میں بھی مراتب ہیں کچھ فقہا ہیں، کچھ عام ہیں،

اور صحابہ کے تابعین میں بھی ایسا ہے، ان سب کے لئے اللہ نے فرمایا: تم میں جو اللہ ورسول کا حکم جاننے والے ہیں، ان کی اطاعت کرو۔ اس تفصیل کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے سب کو برابر نہیں رکھا ہے۔ تو یہاں پر ہم اہل سنت و جماعت کے لئے جو مقلدین ہیں، اس قرآن وحدیث میں سند ہے کہ ان فقہاء کے بغیر ہماری یہ مجال نہیں ہے کہ خود سمجھ لیں۔ لہٰذا تقلید کے انکار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نہ خدا ملا نہ رسول خدا نہ کتاب سمجھ میں آئی نہ حدیث اور نہ ہی اجماع امت ہاتھ آیا، اجماع امت اس بات پر ہے کہ ”بنی الاسلام علیٰ خمس“ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں ہے تو خوارج ومعتزلہ سب اس امت سے خارج ہیں اور اجماع امت کے یہ مخالف ہیں اسی طریقہ سے غیر مقلدین جو تقلید کو حرام کہتے ہیں، گمراہ ہیں۔

امام بخاری نے اس باب کے تحت جو باب تعلیقاً ذکر کیا پھر اپنی سند سے پوری حدیث ذکر کی اس کے تعلق سے کچھ باتوں کا افادہ ضروری ہے جو اس حدیث سے ذہنی طور پر متعلق ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان اور امور ایمان میں جو اساسی چیزیں ہیں اور جو اس کے اصل فرائض ہیں، ان کو ذکر کیا اور ان میں جو تمام فرائض کی جان ہے کہ جس کے بغیر کوئی فرض بالکل صحیح نہیں ہوتا، پہلے اس کو ذکر کیا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، دوسری بات نمازوں کو قائم رکھنا، یہاں ”الصلوٰۃ“ مفرد ہے لیکن یہاں پر مراد جنس ہے یعنی جنس نماز، تو یہ جمع کی قوت میں ہے ”اقامۃ الصلوٰۃ الخمس“ جو پانچ نمازیں مسلمان مرد وعورت عاقل بالغ پر دن رات میں فرض ہیں، ان کو قائم رکھے اور قائم رکھنا ایسا کہ ان کے فرائض ان کے واجبات ان کے شروط وارکان ومستحبات وغیرہ سب پر محافظت کرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ مرد نماز باجماعت پڑھے اور عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز قائم رکھیں پھر زکوٰۃ کا حکم دیا گیا یعنی جو صاحب نصاب ہے جس کے پاس سونا یا چاندی کا پورا نصاب ہے یا سونے چاندی کو ملا کر کے ایک نصاب ہو جاتا

ہے یا اس کے پاس چرائی کے جانور ہیں یا اموال تجارت وعروض تجارت ہیں جن میں اس نے تجارت کی نیت کی ہے تو ایسے اموال میں اس پر زکوٰۃ ہے، سونے چاندی میں زکوٰۃ کے سلسلے میں نیت کی شرط نہیں کیونکہ ان میں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، جبکہ نصاب بھر ہو اور حاجت اصلیہ اور دین سے فارغ ہو۔

آگے فرمایا گیا: "والحج"۔ حج اس پر فرض ہے جو زادو راحلہ کا مالک ہو یعنی سواری کا اور خرچ یعنی رہائش گاہ کے انتظام کا وہ مالک ہو تو اس پر حج فرض ہے مزید برآں لوٹنے تک اپنے اہل وعیال کا نفقہ اس کے پاس فاضل ہو۔

اس کے بعد صوم رمضان کا ذکر ہے یعنی رمضان کے روزے رکھے جو عاقل بالغ صحیح تندرست ہے، مریض اور مسافر نہیں ہے اس پر روزہ فرض ہے اور اگر مریض ہے تو اس کو یہ اختیار ہے کہ روزہ نہ رکھے اور دوسرے دنوں میں قضا کرے اور اگر وہ شیخ فانی ہے اس کے اچھے ہونے کی امید نہیں ہے تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو بھر پیٹ خوراک کھلائے، یہ اس کے قائم مقام ہے۔

{وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ}

جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے اوپر یہ ہے کہ وہ فدیہ دیں، ایک مسکین کا کھانا۔

لیکن روزے کے بھی کچھ شرائط ہیں کہ غیر حائض ونفساء کے اوپر روزہ فرض ہے اور حیض ونفاس والی کے اوپر روزہ فرض نہیں ہے جب وہ پاک ہوجائے تو روزہ فرض ہے اور جن دنوں میں اس کو حیض ونفاس آیا ان دنوں میں روزہ نہیں رکھ سکتی، ان دنوں کی وہ قضا کرے۔

مذکورہ بالا فرائض، فرائض اعیان ہیں، ان میں نیابت نہیں ہوسکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ لے یا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ لے، سوائے حج وزکوٰۃ کے، کہ اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ اگر خود اس میں حج کرنے کی طاقت نہیں تو حج بدل کے طور پر دوسرے کو بھیج سکتا ہے اور زکوٰۃ کے لئے دوسرے کو

اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنا دے تو یہ نیابۃً اس کی طرف سے زکوٰۃ ہو جائے گی۔ ”لا یصلی احداً احداً ولا یصوم احداً احداً“۔ سرکار نے فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ روزہ کسی کی طرف سے رکھے۔ لہٰذا جو انتقال کر گیا تو اس کی طرف سے بھی جو اس پر نمازیں ہیں، ان کی قضا، اس کا وارث نہیں کر سکتا، ہاں اگر اس نے وصیت کی ہے تو اس کے مال میں سے فطرہ کی خوراک جو فدیہ ہے اس کی نمازوں اور روزوں کا حساب لگا کر کے اس کو دے دے۔

یہاں پر بعض وہ فرائض ہیں جو عمر میں کبھی ساقط نہیں ہوتے ان میں سب سے پہلا فرض ”شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله“ ہے یہ وہ فرض ہے جو دل کے او پر ہمیشہ فرض ہے اور مرتے دم تک یہ فرض ساقط نہ ہوگا۔ یہ تمام فرائض کی روح اور ان کی جان ہے، اس کے بغیر کوئی فرض صحیح نہیں ہوتا ہے۔

چونکہ کلمہ بتا رہا ہے کہ حضور کی رسالت رسالت عامہ ہے، قیامت تک باقی ہے اور یہ بھی بتا رہا ہے کہ ہمارا رسول کل بھی زندہ تھا، آج اپنی قبر شریف میں زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا اور رسالت یہ بتاتی ہے کہ حضور ہر اولین و آخرین کے رسول ہیں اور کائنات کے وہ رسول ہیں تو آپ کی روح اعظم وہ رسول الکون ہے، کائنات کے ذرے ذرے میں حقیقت محمدیہ ساری ہے اس لئے جو نماز کا حکم آیا کہ نماز قائم کرو تو جس کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے اللہ کے رسول ہیں اور ایسے رسول ہیں کہ عالم اجسام، عالم ارواح بلکہ ذرے ذرے کے رسول ہیں اور عقیدہ یہ رکھتا ہے کہ دائم و باقی ہیں، زندہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں، میرے اعمال و حرکات و سکنات کو سرکار دیکھ رہے ہیں اسی کی نماز نماز ہے۔ اس کی کوئی نماز نہیں جس کے مذہب میں یہ ٹھہرا کہ معاذ اللہ اگر گدھے اور بیل کا خیال آ جائے تو نماز نہیں جائے گی اور سرکار کی تعظیم کا خیال آیا تو نماز چلی جائے گی، نماز اس کی نماز ہے جس کے دل میں محمد رسول اللہ کا نور موجود ہے اور جو آپ کو

حاضر وناظر جانتا ہے۔

نور اللہ کیا ہے محبت حبیب کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

نماز ان لوگوں کی نماز ہے جو فاتحہ والے ہیں، نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور جو فاتحہ کے اسرار سے واقف ہیں، نماز ان کی نماز ہے، فاتحہ میں {اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥} اللہ نے ہم کو حکم دیا یوں عرض کرو اے اللہ ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اللہ نے یہاں فرد واحد کو یہ حکم کیوں دیا کہ تم ایسے کہو کہ "ہم" یہ لفظ "ہم" تو جمع کا صیغہ ہے تو اب یہ حکم کیوں دیا کہ ایک شخص اپنے لئے ہم کہے یہ تو تکبر والوں کی شان ہے کہ وہ اپنے آپ کو جمع کے صیغہ سے یاد کرتے ہیں تو اللہ نے معاذ اللہ تکبر کا حکم تو نہیں دیا ہے۔ لہذا مطلب یہاں پر کچھ اور ہے۔ اللہ نے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہماز ہے اوپر واجب کیا ہے {اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥} ہم پر واجب کیا اور اس کی تلاوت سے ہم پر یہ واجب کیا کہ اللہ کے مستحق عبادت اور معین حقیقی ہونے کا اقرار جیسے ہم تنہا کرتے ہیں ویسے ہی جماعت کے ساتھ اقرار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی تعظیم سے جو روکتے ہیں، اولیائے کرام صوفیائے عظام کی تعظیم جن کے مذہب میں شرک ہے، اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ عبادت کرو میری اور میرے محبوب کا تصور کر کے اقرار کرو {اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٥} کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے ساتھ غوث اعظم وسادات مارہرہ اور دیگر بزرگان دین کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی اس کو بدلنا چاہے اور کہے "اِيَّاكَ أَعْبُدُ" تو جو بدلے گا وہ بدل جائے گا۔ قرآن میں تحریف کفر ہے، معلوم یہ ہوا کہ جو منکرین وسیلہ ہیں اور تعظیم نبی سے بھاگتے ہیں، اللہ نے ان کے اوپر بھی تعظیم اور وسیلہ مسلط کر دیا ہے، لیکن نماز اسی کی قبول ہوگی جو خوشی سے وسیلہ اختیار کرتا ہے اور جو قہراً جبراً وسیلہ

اختیار کرتا ہے اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔

ماسبق میں گزرا کہ وہ یہ تصور کرے کہ سرکار میری نماز دیکھ رہے ہیں اور میرے نصب العین ہیں تو ایسے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوگی، اللہ نے جب ہم کو اپنی بارگاہ میں کھڑا کیا تو {اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝} عرض کریں کہ ہم محبوبانِ خدا کے ساتھ اقرار کریں کہ ہمارا اقرار اگر قابل قبول نہیں ہے تو ان کی برکت سے ہماری نماز اور اقرار دونوں قبول ہیں۔

مزید تقویت یہ کہ جب نماز ختم ہونے کو آتی ہے تو کہا جاتا ہے: ”التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات“ تمام تحیتیں اللہ کے لئے اور تمام بدنی عبادتیں اللہ کے لئے، تمام مالی عبادتیں اللہ کے لئے، تو اللہ نے یہ حکم دیا کہ نماز میری عبادت ہے، وہ تعظیم نبی کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ اب یوں عرض کرو، ”السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ اے نبی آپ کے اوپر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ تو اس عبادت میں کافِ خطاب بتا رہا ہے کہ تمہارا نبی زندہ بھی ہے، حاضر بھی، اور خاص حالت نماز میں وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

اسی لئے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر یہ نکتہ بیان کیا ”ویحتمل ان یقال علی طریق احد الانسان ان المصلین کما استفتحوا باب الملکوت واذن لھم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت التفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر اقبلوا علیہ قائمین السلام علیک ایھا النبی السلام علیک ایھا النبی“

یعنی نمازیوں نے جب اپنی نماز کے ذریعہ سے ملکوت کا دروازہ کھولا اور ان کو اجازت ملی کہ اللہ کے حرم میں حاضر ہوں اور اس سے قریب ہو کر بیٹھیں انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں جب التفات کیا تو دیکھا کہ اللہ کا حبیب حرم حبیب میں حاضر ہے تو کہنے لگے: ”السلام علیک ایھا النبی السلام علیک ایھا النبی“ اسی کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یوں ارشاد فرمایا کہ:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم در جمیع احوال وواقعات خصوصاً در حالت نماز شاہد نصب عین مومناں وقرۃ العین عابداں است پس مصلیان راباید کہ ازیں شہود غافل نہ گردد تا بانوار قرب و معرفت گردد"۔

یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ تمام احوال وواقعات میں حاضر ہیں خصوصاً نمازیوں کے سامنے اور عبادت گزاروں کے سامنے وہ ان کے نصب العین وقرۃ العین ہیں۔لہٰذا مصلی کو چاہئے کہ وہ السلام علیك ایها النبی اس طور پر پڑھے کہ میرا نبی میرے سامنے جلوہ فرما ہے، میں اس کو دیکھ رہا ہوں، اگر میں اس کو نہیں دیکھ رہا ہوں تو میرے نبی مجھ کو ضرور دیکھ رہے ہیں، حضور نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کا یہ طریقہ بتایا کہ جبرئیل نے پوچھا "ما الاحسان" احسان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا: "ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" اللہ کی عبادت اس طریقہ پر کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر نہ ہو سکے تو یہ تصور کرلو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

شیخ صاحب نے یہاں پر ایک نکتہ اور بیان فرمایا۔کہا: "فان لم تکن" یہ جملہ شرطیہ ہے "فانہ یراک" اس کی جزا ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اگر تو فنا ہو جائے اپنے آپ سے بالکل غافل ہو جائے تو تو اس کو دیکھ لے گا اس لئے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔اہل حق کو وہ اس طور پر ہوگی کہ جب وہ اس دار فانی سے جائیں گے اور ان کے اوپر جب فنا طاری ہوگی جو باقی رہنے والی ہے تو بلا مقابلہ ومحاذات اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گی۔

"افاد الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی ان بعض الصوفیة قال "فان لم تکن" هذه الجملة شرطیة و "تراه" هذا جزاء الشرط ای اذا فنی وجودک تحققت له رویة الله سبحانه وهذا یدل علیٰ ان رویة الله سبحانه ممکنة والمومنین سوف یرونه بعین باقیة اذا فنوا ((اذا فانوا)) یرونه بعین

باقية۔ وعلیٰ ذلک شواھد من التنزیل حیث قال سبحانہ و تعالیٰ {وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ o إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o}۔

مطلب یہ ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھ کر اور ان کو حاکم مطلق سمجھ کر جو نماز پڑھے اس کی نماز ہے اور جو زکوۃ یوں دے کہ میں اللہ و رسول کے حکم سے ادا کر رہا ہوں تو زکوۃ اسی کی زکوۃ ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

حج کو جائے تو اس طور پر نہیں کہ اترائے بلکہ ایسے جائے کہ۔

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا اگر کسی نے کہ نہضت کدھر کی ہے

پہلے حضور کا قصد کرے اور اس طور پر جائے کہ عقیدہ یہ رکھے اگر میں نے ان کی زیارت نہ کی تو میرا حج ناتمام ہے: "من حج فلم یزرنی فقد جفانی" جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہیں آیا اس نے میرے ساتھ جفا کی اور اس طور پر حج کو جائے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ میں ان کی قبر شریف پر نہیں آرہا ہوں بلکہ ان کی حیات ظاہری یعنی ان کا جلوہ دیکھنے آرہا ہوں "من زارنی بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتی" جس نے میرے انتقال کے بعد مجھے دیکھا تو ایسا ہے جیسا کہ میری حیات میں میری زیارت کو آیا۔

احوال رواۃ: اس حدیث کی سند میں چار راوی ہیں:

(١) عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام، یہ کوفی ہیں انہوں نے امام اعمش اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے ان سے امام بخاری، احمد اور دیگر لوگوں نے روایت کیا امام مسلم اور دوسرے اصحاب ستہ نے ان سے ایک شخص کے واسطے سے روایت کیا ان کا انتقال ٢١٣ھ یا ٢١٤ھ میں اسکندریہ میں ہوا، ابن قتیبہ نے کہا کہ عبید اللہ بن موسیٰ یہ منکر احادیث سنتے اور روایت کرتے تھے اس لئے بہت سارے

علما کے نزدیک یہ ضعیف ہیں امام نووی فرماتے ہیں کہ صحیحین میں بہت سارے ایسے بدعتیوں کی روایتیں ہیں جو بدعتی ہیں لیکن اپنی بدعت کی طرف بلاتے نہیں اور سلف و خلف ان کی روایت قبول کرتے ہیں۔

(۲) حنظلہ بن ابی سفیان بن عبد الرحمٰن بن صفوان بن امیہ، یہ جمی، مکی، قرشی ہیں ثقہ ہیں حجت ہیں انہوں نے عطا اور دیگر تابعین سے سنا اور ان سے سفیان ثوری اور دیگر اعلام نے سنا ۱۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے

(۳) عکرمہ بن خالد، عاصی بن ہشام بن مغیرہ، یہ قرشی مخزومی مکی ہیں ثقہ ہیں انہوں نے عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن عمر سے حدیث سنی اور عمرو بن دینار اور دیگر تابعین سے حدیث سنی صحابہ میں عکرمہ نام کے تین اشخاص ہیں (۱) عکرمہ بن ابو جہل۔ (۲) عکرمہ ابن عامر عبدری۔ (۳) عکرمہ ابن عبید خولانی۔ صحیحین میں عکرمہ نام کے تین افراد ہیں ایک یہ دوسرے عکرمہ بن عبد الرحمٰن تیسرے عکرمہ مولیٰ بن عباس۔

(۴) عبد اللہ بن عمر بن خطاب، یہ قرشی، عدوی مکی ہیں یہ مکہ میں اپنے والد کے ساتھ بچپن میں ہی مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہی کے ساتھ ہجرت کی یہ خندق کے بعد ساری جنگوں میں شریک رہے اور یہ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ احادیث روایت کیں، ان سے دو ہزار چھ سو تیس حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۰، حدیثیں متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں بخاری منفرد ہیں اور ۳۱ میں امام مسلم منفرد ہیں، ان کا انتقال ۷۳ یا ۷۴ھ میں عبد اللہ ابن زبیر کی وفات کے تین مہینے بعد ہوا، اور صحابہ میں اس نام کے ایک اور ہیں جو حرمی ہیں۔

لطائف اسناد کا بیان : یہ تحدیث اخبار اور عنعنہ سے ہے عبید اللہ بن موسیٰ کے سوا اس کے سارے رواۃ مکی ہیں اور عکرمہ بن خالد کے سوا یہ پوری سند شرائط ستہ پر ہے اور یہ رباعیات بخاری سے ہے اور مسلم کی خماسیات میں سے ہے۔

تعدد مقامات کا بیان :امام بخاری نے اس کو کتاب التفسیر میں بھی ذکر کیا ہے اور مسلم نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے :

□□□

باب امور الایمان

"حدثنا عبد اللہ بن محمد قال حدثنا ابو عامر العقدی قال حدثنا سلیمان بن بلال عن عبد اللہ بن دینار عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وستون شعبۃ والحیاء شعبۃ من الایمان"

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ بن محمد نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوعامر عقدی نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی سلیمان بن بلال نے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن بلال سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن دینار سے، وہ روایت بیان کرتے ہیں ابوصالح سمان زیات مدنی سے اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ روایت کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ایمان کے ساٹھ اور کچھ شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے۔

یہاں پر اضافت بیانیہ ہے یعنی "باب الامور من الایمان" اضافت بمعنی "من" ہے کیونکہ امام بخاری نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ شہادتین کے علاوہ طاعات وغیرہ بھی ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں لیکن اس طور پر نہیں جیسے خوارج ومعتزلہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا بلکہ اس طور پر کہ یہ سب کے سب مکملات ایمان ہیں، ایمان کی تکمیل ان سے ہوتی ہے اور اگر کوئی طاعات بجا نہ لائے پھر بھی اس کا مآل کار دخول جنت ہے، حدیث پہلے گزر چکی ہے: "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وان زنی وان سرق" جو "لا الہ الا اللہ" کہے اور اسی پر مرے تو وہ

جنت میں داخل ہوگا اگرچہ اس سے زنا سرزد ہو، اگرچہ اس سے چوری سرزد ہو، اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہو، یا یہ اضافت بمعنی اللام ہے "باب الامور التی للایمان" وہ امور جو ایمان کی تحقیق سے متعلق ہیں، ان کے بارے میں یہ باب ہے، امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق یہاں پر دو آیتیں پیش کی ہیں:

پہلی آیت کریمہ:

{لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۝}

(ترجمہ) کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے، رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں، راہگیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

یعنی جو امور اس آیت کریمہ میں گزرے، یہ امور ایمان ہیں جن میں روح الایمان "من آمن باللہ" ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے یعنی تمام ضروریات دین پر ایمان لائے، وہ اصل نیکی کا حامل ہے، اس کے بعد جو نیکی کے افعال ہیں،

ان کا ذکر ہوا۔

آیت کا شان نزول: یہودی مغرب (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصرانی پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت غور و خوض کرتے تھے اور ان لوگوں میں آپس میں یہ اختلاف تھا کہ مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اصل نیکی ہے یا پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد کے لئے یہ آیت کریمہ اتاری کہ اصل نیکی یہ نہیں ہے کہ پورب یا پچھم کی طرف منہ ہو، بلکہ اصل نیکی "من آمن باللہ" جو اللہ پر ایمان لائے ہے۔

یہاں پر اعلیٰ حضرت نے "علی حبہ" میں ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹائی ہے یعنی اللہ کی محبت میں مال صرف کرے، رسول کی محبت بعینہ اللہ کی محبت ہے بلکہ اللہ کی محبت رسول کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا جو اللہ و رسول کی محبت میں مال خرچ کرے، یا غوث اعظم و دیگر اولیائے کرام کی راہ میں دے، یا ان کی نیاز کے لئے مال خرچ کرے، وہ بعینہ اللہ کی محبت میں ہے اور راہِ خدا میں ہے، اس لئے کہ وہ حضرات ہیں جو بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں اور کبھی بارگاہ الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتے۔ "ان من احبائی من خلقی و اولیائی من عبادی الذین یذکرون بذکری" میرے پیارے اور میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں کہ جب میری یاد ہوتی ہے تو اُن کی یاد ہوتی ہے اور جب ان کی یاد ہوتی ہے تو میری یاد ہوتی ہے۔ یا ضمیر مال کی طرف لوٹائی جائے تو معنی ہوگا مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ ضمیر لوٹ رہی ہو "ایتاء" کی طرف، "ایتاء" باب افعال کا مصدر ہے اور یہ "اتی" فعل کے ضمن میں مذکور ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے "اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ" عدل کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، میں ضمیر عدل کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اب یہاں پر ایک بات یہ ہے کہ "بَأْسَاء" کا معنی فقر کے ہیں، "ضَرَّاء" کے

معنیٰ سختی اور ضرر کے ہیں اور "بِرّ" کے معنی خیر یا خیر میں اتساع کے ہیں، (ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا کہنا ماننا) کے ہیں اور کبھی اس کا معنی اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کے آتے ہیں اور آیت میں آیا رشتہ داروں کو مال دے، اس سے مراد فقراء رشتہ دار ہیں، جو غریب قرابت دار ہیں، ان کو مال دے تو دوہرا ثواب ہے، ایک صلہ رحمی کا اور دوسرا اُن کو صدقہ دینے کا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ "بِرّ" کیا ہے (ایمان کیا ہے؟) تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھی، تو وہ کہنے لگا، میں نے ایمان کے بارے میں پوچھا اور آپ "بِرّ" کے بارے میں بتا رہے ہیں تو حضرت ابوذر نے فرمایا کہ حضور کے پاس کوئی شخص آیا اور اس نے یہی سوال کیا اور سرکار نے اسی طور سے آیت پڑھی تھی اور جیسے تو نے سوال کیا ویسے ہی اس نے بھی سوال کیا تھا کہ میں تو ایمان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں آپ بِرّ کے بارے میں بتا رہے ہیں تو حضور نے فرمایا "ادن" مجھ سے قریب ہو، پھر کہا "المؤمن الذی اذا عمل حسنة سرته" مومن وہ ہے کہ جب کوئی اچھا کام کرے تو اس کو اس کی خوشی ہو" واذا عمل سیئة تسوءه" اور اگر وہ برائی کرے تو اس سے اس کو برا لگے اور اُس کو افسوس ہو تو اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں مکملات ایمان میں ہیں۔

دوسری آیت کریمہ:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾

(ترجمہ) بیشک مراد کو پہونچے ایمان والے جو اپنی نماز میں

گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا شرعی باندیوں پر جو اُن کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو وہ جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ (یہ بھی امورِ ایمان میں سے ہیں، پہلے ایمان کا ذکر کیا جو اساس عمل ہے پھر یہ افعال بتائے یہ سب امورِ ایمان میں مکملات ایمان ہیں۔)

یہاں پر ایک بات یہ ہے کہ حضرت ابوذر سے جب کسی نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے حضور کا واقعہ یاد کیا حالانکہ وہ ایمان کا معنیٰ براہ راست بھی بتاسکتے تھے، لیکن اصحاب کرام کی یہ حرص تھی کہ وہ حضور سرور عالم ﷺ کے واقعات یاد رکھتے تھے ایک ایک بات کو چاہے وہ غیر اختیاری ہو اگرچہ وہ سنت ہدی نہ ہو، یاد رکھتے تھے، اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور کی ہر بات یاد رکھنے کے قابل ہے اور حضور کا ہر چلن ہمارے لئے لائق اقتدا ہے، یہی مومن کی شان ہونی چاہئے۔

اس حدیث کی مطابقت اس باب سے اور اس باب کی مطابقت باب اول سے یہ ہے کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باب باندھا تھا کہ ایمان قول وفعل کا نام ہے اور ایمان میں زیادتی وکمی ہوتی ہے اس کے متعلق ایک باب باندھا ''باب امور الایمان'' باب ان امور کے بیان میں جو کہ ایمان میں داخل ہیں یا ایمان سے اس کا تعلق ہے۔ اس باب کی مناسبت سے یہ حدیث لے کر آئے تو یہ حدیث پہلے باب اور اس باب دونوں سے متعلق ہے۔

شعبہ کا اطلاق شاخ پر ہوتا ہے، قبیلہ پر ہوتا ہے اور اس کا اطلاق فرقت اور الفت دونوں پر ہوتا ہے یعنی شعبہ از قبیل اضداد ہے۔ اور اسی سے شعوب قبائل کے لئے آتا ہے اس کے اطلاقات مختلف ہیں۔ یہاں پر حضرت امام عینی رضی اللہ تبارک

وتعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ ایک روایت میں آیا ہے: ساٹھ شعبے ہیں اس کے اوپر بضع کا لفظ ہے اور اس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے اور صاحب عین نے کہا کہ ''بضع'' کا اطلاق سات پر ہوتا ہے اور چھ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ چھیاسٹھ یا سڑسٹھ اور دوسری روایت کے اعتبار سے چھہتر یا ستہتر ایمان کے شعبے ہیں تو اب کیا حقیقت عدد مراد ہے یا مراد یہ ہے کہ ایمان کے شعبے بہت ہیں؟ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ اس سے مراد تکثیر ہے، یعنی ایمان کے شعبے بہت ہیں اور حقیقت عدد مراد نہیں ہے اور امام عینی نے یہاں پر یہ ذکر کیا کہ ''شعب الایمان'' میں بہت سے علماء و محدثین نے تصانیف کی ہیں ان میں مشہور تصنیف حضرت امام بیہقی کی ہے۔ امام بیہقی نے اس حدیث کی روشنی میں شعب الایمان کو حدیث سے الگ ثابت کیا ہے اور امام عینی نے شعب ایمان ستہتر کیسے ہیں، اس کی تفسیر بتائی کہ ایمان نام ہے تصدیق بالقلب کا اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا۔

لہٰذا ایمان میں تین چیزیں ہوئیں۔ (۱) تصدیق بالقلب۔ (۲) اقرار باللسان۔ (۳) عمل بالارکان۔ بس کچھ شعبے پہلے جزء سے متعلق ہیں اور کچھ دوسرے سے، جن کا تعلق زبان سے ہے۔ اور کچھ شعبے وہ ہیں جن کا تعلق عمل جوارح سے ہے اور فرمایا جو پہلے جزء سے متعلق ہیں ان کی تعداد ۳۰ رہے۔ ان میں سے اول اللہ و رسول کو ماننا اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھنا اور اسی سے تعلق ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' کا ہے۔ یعنی کسی سے محبت ہو تو اللہ و رسول کی وجہ سے ہو اور اگر کسی سے نفرت ہو تو اپنی رشتہ داری کے لحاظ سے نہیں یا اپنی ذاتی دشمنی کی وجہ سے نہیں بلکہ دین کے لئے اور دین میں جب کسی سے نفرت ہوگی تو وہ اللہ و رسول کے لئے ہوگی۔ اللہ و رسول نے جس کو مبغوض جانا اس کو مبغوض جانے اور اللہ و رسول نے جس کو دشمن جانا اس کو دشمن جانے اور اللہ و رسول نے جس کو محبوب جانا اس کو محبوب جانے۔ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے اوپر ہے اور ان ہی کی محبت سے صحابہ کی محبت، اہل بیت، ائمہ مجتہدین، علماء عاملین، اولیائے کاملین اور مسلمانوں کا آپس میں ایک

دوسرے سے محبت کرتا ہے۔ اور زبان سے جو متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ذکر وحمد و استغفار اور درود شریف میں رطب اللسان رہے اور گھناؤنی گندی اور نازیبا باتوں سے زبان کو بچائے۔ یہ سب شعبے ایمان سے متعلق ہیں اور اس کے علاوہ جو افعال جوارح ہیں وہ بہت ہیں جن کو ملا کر کل ستہتر ہوتے ہیں۔ ان کی تفسیر امام عینی نے فرمائی جس کا اس مختصر میں احاطہ نہیں ہو سکتا۔

حیا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم شعبہ فرمایا اور بے شک حیا بہت نفیس خصلت ہے، ہر برائی کو جاننا اور فوراً برائی کے خیال سے چہرے کا رنگ متغیر ہو جانا یہ اچھی طبیعتوں کی فطری بات ہے تو اسی لئے سرکار نے یہ فرمایا کہ یہ شعبہ ایمان کا عظیم شعبہ ہے کیونکہ جس کے دل میں ایمان رہتا ہے اس کے دل کا خطرہ وخیال وادنیٰ میلان اس بات کی طرف نہ ہو جس سے اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے اور حیاء انسان کے لئے اتنی اچھی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے اور قرآن عظیم میں بھی اس مادہ کا ورود ہوا ہے:

{إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا}

اللہ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا ہے کہ سمجھانے کے لئے کوئی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا دناءت وخساست میں اس سے بھی بڑھ کر ہو۔

تو اللہ تعالیٰ نے بھی حیاء کا اطلاق اپنے حق میں فرمایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں جو الفاظ مشترک ہیں ان میں قاعدہ یہ ہے کہ بندوں کے حق میں جو مراد ہو گا وہ اللہ کے حق میں مراد نہیں ہو گا۔ بندوں کے حق میں تغیر وانتظار یہ حقیقتاً اس کا معنی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تغیر وانتظار سے پاک ہے، یہ لفظ متشابہات سے ہے اور متشابہات میں قاعدہ یہ ہے کہ جب اس کی حقیقت اللہ ورسول کے لئے نہ بنے تو پھر اس کو ظاہر پر نہیں رکھا جائے گا اور اس کی حقیقی مراد اللہ کے سپرد کر دی جائے گی اور اس کے ظاہری معنی سے اللہ کو منزہ مانیں گے تو یہاں بھی ظاہری معنی سے اللہ

منزہ ہے، حقیقی مراد کیا ہے وہ اللہ جانے، البتہ سمجھنے کے لئے یہ ہے کہ جیسے انسان کو جب حیالاحق ہوتی ہے تو وہ بُرے کاموں کو چھوڑتا ہے اور بُرے کو بُرا سمجھتا ہے، اسی طور پر اللہ کے حق میں یہ لازم مراد ہے۔ یعنی ترک قبائح اور بندوں سے وہ بُری چیزوں کا صدور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اس کو یہ پسند ہے کہ بندے اچھی باتوں سے متصف ہوں اور اچھی باتوں سے آراستہ ہوں۔

احوال رواۃ : اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں:

(۱) عبداللہ بن محمد، ان کی کنیت ابوجعفر ہے، یہ جعفی، بخاری، مسندی ہیں انہوں نے وکیع اور بہت سارے لوگوں سے حدیث سنی ان سے ذہلی وغیرہ حفاظ نے حدیث روایت کی، ان کا انتقال ۲۲۹ھ میں ہوا اور بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور امام ترمذی نے بخاری کے حوالے سے ان سے روایت کیا ہے۔

(۲) عبدالملک بن عمر بن قیس، ان کی کنیت ابوعامر ہے یہ عقدی بصری ہیں، انہوں نے امام مالک وغیرہ سے سنا اور ان سے احمد نے سنا ان کی جلالت اور توثیق پر حفاظ حدیث متفق ہیں ان کا انتقال ۲۰۵ھ یا ۲۰۴ھ میں ہوا۔

(۳) سلیمان بن بلال، ان کی کنیت ابومحمد یا ابوایوب ہے یہ آل صدیق کے مولیٰ ہیں، عبداللہ ابن دینار اور تابعین کی ایک جماعت سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے ابن مبارک وغیرہ اعلام نے حدیث روایت کی محمد بن سعد نے کہا یہ نہایت خوب صورت تھے ان کا انتقال ۱۷۲ھ میں مدینے میں ہوا بخاری نے ہارون بن محمد کے حوالے سے کہا کہ ان کا انتقال ۱۷۷ھ میں ہوا، کتب ستہ میں اس نام کا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

(۴) عبداللہ بن دینار، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے عمرو بن دینار کے یہ بھائی ہیں، قرشی، عدوی، مدنی ہیں ابن عمر کے مولیٰ ہیں ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے ۱۲۷ھ میں وصال ہوا اور رواۃ میں عمرو بن دینار حمصی بھی ہیں لیکن یہ قوی نہیں ہیں اور کتب ستہ میں ان دونوں کے سوا عمرو بن دینار نام کا کوئی نہیں ہے۔

(۵) ابوصالح ذکوان سمان زیات، یہ مدنی ہیں یہ کوفہ میں گھی، تیل کا کاروبار کرتے تھے۔ جویریہ بنت احمس غطفانی کے مولیٰ ہیں، انہوں نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے حدیث سنی اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے حدیث سنی ان میں سے عطا ہیں اور اعمش نے ان سے ایک ہزار حدیثیں سنیں، ان کی توثیق پر اتفاق ہے ان کا وصال مدینے میں ۱۰۱ھ میں ہوا۔ ابوصالح نام کی رواۃ میں ایک جماعت ہے۔

(۶) حدیث کے منتہائے سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو امام المحدثین اور سب سے زیادہ سرکار سے روایت کرنے والے ہیں، ان کے نام میں جس قدر اختلاف ہے کسی اور صحابی کے نام میں اتنا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ۳۰ر نام ان کے بتائے گئے ہیں، ان میں مشہور نام عبداللہ یا عبدالرحمن بن صخر ہے اور ان کا قبیلہ ''ازدی'' ہے مقام دوس کے رہنے والے یمنی ہیں، ثم مدنی ہیں، اس لئے کہ ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان کی ماں حضور کی دعا سے ایمان لائیں اور اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ''**نشأت يتيما و هاجرت مسكينا و كنت اجيرا لبصرى بنت غزوان فزوجنى الله منها والحمد لله الذى جعل الدين قواما و جعل اباهريرة اماما**''۔ کہتے ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا تو یتیمی کی حالت میں پروان چڑھا اور ناداری کی حالت میں میں نے ہجرت کی۔ میں بصری بنت غزوان کے یہاں اجیر تھا اللہ نے میری شادی اس سے کرادی تو اللہ کے لئے حمد ہے جس نے دین کو میرے لئے میری زندگی کا، دنیا و آخرت کا قوام بنایا اور ابوہریرہ کو امام بنایا، اور یہ ''ذوالحلیفۃ'' میں اترا کرتے تھے اور وہاں ان کا ایک گھر تھا جس کو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلاموں پر صدقہ کر دیا تھا اور خود یہ سرکار کی خدمت میں ایسے رہتے تھے کہ خود بیان کرتے ہیں کہ انصار و مہاجرین اپنے کھیتوں اور اپنی تجارتوں میں ہوتے تھے اور ان کو فرصت نہیں ہوتی تھی، جب وہ فرصت پاتے تو سرکار کے پاس حاضر ہوتے اور میں سرکار کے پاس ہر وقت خلوت و جلوت میں رہتا

اور ملازم خدمت رہتا، صرف اس بات پر کہ میرا پیٹ بھر جائے اور میرا پیٹ بھرتا تھا اور میں حضور کی حدیث سنتا تھا، فقرا صحابہ کے یہ سردار تھے اور سرکار کی خدمت میں ہمیشہ کے حاضر باش تھے، ان کی روایت پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں جن میں سے تین سو پچیس پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا اور ترانوے بخاری میں ہیں اور ایک سو نوے حدیثیں امام مسلم نے روایت کی ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو ہریرہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کا سبب انہوں نے خود بیان فرمایا ہے، کہتے ہیں کہ میں بکریا چراتا تھا اور میری آستین میں ایک بلی ہوتی تھی اس سے میں کھیلتا تھا تو لوگوں نے مجھے ابو ہریرہ کہا اور میری یہ کنیت رکھ دی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ یہ بلی سے کھیل رہے ہیں تو ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھ دی، اور ان دونوں روایتوں میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضور سرور عالم نے پہلے یہ نام رکھا، اس طور پر کہ یہ جہاں بکریا چراتے تھے تو اس خیمہ میں سرکار کے ساتھ اور لوگ بھی تھے، سرکار نے دیکھ کر ابو ہریرہ کہا۔ لہٰذا اس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ سرکار کے صحابہ نے بھی آپ کی تبعیت میں ابو ہریرہ کہا اور سرکار نے بھی ان کو ابو ہریرہ کہا اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ سرکار نے پہلے ان کو یہ نام دیا پھر سب نے سن کر کے اس نام کو پسند کیا اور وہ نام ان کا پڑ گیا۔ ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور جنت البقیع شریف میں دفن کئے گئے۔ ۸۰ر سال سے زیادہ عمر پائی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ۶۰ھ کے آغاز سے اور امارت صبیان سے، یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہما کے بعد ان کا ناخلف بیٹا ''یزید'' والی ہوا اور وہ ناحق متغلب ہوا اس نے خلاف شروع امور کو رواج دیا اور اس کے زمانہ میں بہت سارے نامناسب امور انجام پائے اور بہت ساری نامناسب خلاف شرع منکرات کا رواج پڑا، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا، آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

جیسے بہت سارے علوم ظاہری کے حامل تھے، ویسے ہی بہت سارے علوم باطنی کے بھی حامل تھے، جو ان کے سینہ میں محفوظ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے دو قسم کی دعا سنی، ایک تو وہ ہے جو میں نے علم حلال وحرام وغیرہ جو علوم ظاہر سے متعلق ہے اور وہ سب میں نے پھیلا دیا اور ایک وہ ہے اگر میں اس کو بتاؤں تو میرا یہ گلا کاٹا جائے تو یہ علوم باطن تھے جو اہل تصوف کے لئے اور اولیائے کرام کے لئے سند ہیں، یہ علوم باطن ہر زمانے میں رہے اور قرآن وحدیث میں ان علوم باطنی کی گنتی نہیں، بیشمار ہیں، ان سے درک رکھنے والے اور ان کو پہچاننے والے وہی ہیں جن کو اسرار معارف ربانیہ سے مناسبت ہے اور جن کا سینہ ان اسرار کا گنجینہ ہے۔

لطائف اسناد کابیان: اس حدیث میں امام بخاری نے "تحدیث" و "عنعنہ" کو جمع کیا ہے جیسے کہ اگلی حدیث میں تحدیث، اخبار، عنعنہ کو جمع کیا ہے، یہ بتانے کے لئے کہ امام بخاری کے نزدیک "حدثنا" اور "عن فلان" اور "اخبرنا" یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ عقدی کے سوا اس کے سارے راوی مدنی ہیں، اور مسندی کے سوا شرائط ستہ پر ہیں، اس میں تابعی کی روایت دوسرے تابعی سے ہے۔

تعدد مقامات کابیان: اس کو امام مسلم نے تخریج کیا ہے ابوداؤد نے کتاب السنۃ میں، اور ترمذی اور نسائی نے کتاب الایمان میں تخریج کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حسن صحیح ہے ابن ماجہ نے کتاب السنۃ مین تخریج کیا ہے۔

□□□

باب المُسلم منْ سلم المُسلمون منْ لسانہٖ ویدہٖ

حدثنا آدم ابن ابی ایاس قال حدثنا شعبة عن عبد الله بن ابی السفر واسماعیل عن الشعبی عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده والمهاجر من هجر ما نهی الله عنه".

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی آدم ابن ابی ایاس نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن ابو سفر اور اسماعیل سے وہ روایت کرتے ہیں شعبی سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ ابن عمرو سے، وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑا جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

اسمائے رجال: اس حدیث کے چھ رجال ہیں اور اس حدیث کے منتہائے سند یعنی جس صحابی سے اس حدیث کی تخریج ہے وہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۱) پہلے راوی آدم بن ابی ایاس ہیں، ابو ایاس کا نام عبد الرحمن ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام "ناھیۃ" ہے، یہ اصل میں خراسان کے تھے، وہاں سے منتقل ہو کر بغداد آئے اور بغداد میں ہی پروان چڑھے، بغداد کے شیوخ میں ان سے انہوں نے حدیث لکھی پھر انہوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز، شام، مصر وغیرہ ملکوں کی طرف طلب حدیث میں رحلت کی، ان کا مسکن شام کا ایک مشہور شہر عسقلان ہے، وہاں رہتے

تھے اور ۲۲۰ھ میں عسقلان میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ ''ابو حاتم'' نے کہا کہ یہ ثقہ اور مامون راوی ہیں۔ اور اللہ کے نیک بندوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور بڑے عابد و زاہد ہیں اور ان کا پیشہ یہ تھا کہ یہ وراق تھے، یعنی لکھتے زیادہ تھے، وصال کے وقت ان کی عمر شریف ۸۸؍سال تھی، کتب حدیث میں اس نسبت کے ساتھ یعنی آدم بن ابی ایاس اور کوئی نہیں ہے، اور مسلم و ترمذی و نسائی میں ایک اور ہیں آدم نام کے لیکن وہ ابن ابی ایاس نہیں ہیں بلکہ وہ آدم بن سلیمان کوفی ہیں اور بخاری و نسائی میں ایک اور راوی ہیں، وہ آدم بن علی العجلی الکوفی ہیں اور رواۃ میں ایک آدم بن عیینہ ہیں جو امام المحدثین حضرت سفیان بن عیینہ جو شیوخ بخارا میں سے ہیں، ان کے بھائی ہیں، لیکن یہ ضعیف ہیں اور قابل حجت نہیں ہیں۔ اور ایک راوی آدم بن ساعد ہیں جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اس سند کے اندر آتے ہیں، کہتے ہیں یہ شخص مجہول ہے۔

(۲) دوسرے راوی شعبہ ہیں اور شعبہ یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس میں علمیت اور تانیث ہے، ان کا نام شعبہ بن حجاج ہے اور کنیت ابو بستان ہے اور قبیلہ ''ازدی'' ہے ان کو ازدی قبیلہ کے آزاد کردہ غلام ہونے کے سبب اس قبیلہ سے شمار کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ واسط کے رہنے والے ہیں بعد میں یہ بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے اور محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ محدثین کے امام ہیں اور بڑے جلیل القدر ہیں، اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ''شعبہ'' حدیث میں امیر المؤمنین ہیں، یہ ایک منصب ہے جو بہت بڑے محدث کا منصب ہوتا ہے اور احمد نے یہ کہا ہے کہ یہ تنہا امام ہونے کے باوجود محدثین کی ایک جماعت کے قائم مقام تھے۔ ۱۶۰ھ کے آغاز میں ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ کتب ستہ میں شعبہ بن حجاج نام کے یہی ہیں، اس نام کا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ان کو ''حاجز البحرین'' کہا، یہ کسی ضعیف راوی سے حدیث بیان نہیں کرتے، جس سے حدیث بیان کرتے ہیں وہ تام الضبط، عادل، ثقہ راوی ہوتا ہے۔ ایک اور راوی شعبہ بن دینار ہیں، نسائی میں ان کا ذکر ہے، لوگوں نے کہا کہ یہ صدوق ہیں یعنی روایت کے معاملے میں یہ

سچے ہیں۔ ابوداؤد میں شعبہ بن دینار کا ذکر ہے جو اپنے مولی و آقا ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، ابوداؤد نے کہا ''لیس بالقوی'' یعنی وہ تام الضبط نہیں ہے۔ ''لیس بالقوی'' وہ تام الضبط نہیں ہے، اور ''لیس بالقوی'' وہ مطلق قوی نہیں ہے، یہ محدثین کی اصطلاح ہے۔ ضعفاء میں ایک وہ ہیں جن کا نام ''شعبہ بن عمرو'' ہے یہ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ شعبہ بن عمرو کی سب کی سب احادیث منکر ہیں اور صحابہ میں ایک ان کے ہم نام ہیں شعبہ بن قوام اس نام کے یہی ایک ہیں اور یہ افراد میں سے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں۔

(۳) عبداللہ بن ابی السفر ہیں (قاعدہ) کنیت میں جہاں جہاں ابوالسفر ہے وہ سب کے سب ''فا'' کے فتحہ کے ساتھ ہیں اور اسماء میں جہاں جہاں ''س، ف، ر'' ہے وہاں ''ف'' پر سکون ہے، یعنی ''سفر''۔ ان کا نام سعید بن محمد ہے اور یہ ثوری، ہمدانی، کوفی ہیں۔ ان کا انتقال مروان بن محمد کے دور خلافت میں ہوا، ان سے تمام اصحاب ستہ نے حدیث روایت کی۔

(۴) اسماعیل بن ابی خالد ہیں، ان کا نام ''ہرمز'' ہے اور ایک قول میں ان کا نام ''سعد'' ہے اور دوسرے قول میں ان کا نام ''کثیر'' ہے۔ یہ ''بجلی'' قبیلہ کے ہیں اور یہ قبیلہ احمس کے آزاد کردہ غلام ہیں، صحابہ میں بہت سارے لوگوں سے انہوں نے حدیث سنی اور تابعین کی ایک جماعت سے سنی، ان سے سفیان ثوری اور اعلام محدثین نے روایت کی ہے۔ یہ عالم وضابط تھے، حدیث میں صالح ثقہ تھے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ محدثین ان کو ''میزان'' کہتے تھے، ان کا پیشہ چکی پیسنا تھا، ان کا انتقال کوفہ میں ۱۴۵ھ میں ہوا۔

(۵) ''شعبی'' ہیں ان کی کنیت ''ابوعمرو'' ہے، نام ''عامر بن شراحیل'' یا ''عامر بن عبداللہ بن شراحیل'' ہے۔ یہ کوفی تابعی ہیں، ثقہ ہیں، بہت سارے صحابہ سے انہوں نے روایت کیا ہے، انہی میں سے عبداللہ بن عمر، سعید بن ابی وقاص، سعید بن جبیر بھی ہیں، یہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی اور احمد بن عبداللہ

کہتے ہیں کہ ان کے جتنے مراسیل ہیں، وہ صحیح، متصل، مسند کے حکم میں ہیں، ان سے ''قتادہ'' اور تابعین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ یہ کوفہ کے قاضی ہوئے اور حضرت عثمان غنی کی خلافت کو جب چھ سال ہوئے تو آپ کی پیدائش ہوئی اور ان کا انتقال ۱۰۰ھ کے بعد ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ، یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔ اور ان کی عمر ۸۰؍ برس سے زیادہ ہوئی اور ان کے بارے میں یہ تھا کہ بہت غریب تھے، ان کی ماں فارس کے قریب ایک مقام ہے ''جلولہ'' وہاں سے جو عورتیں غزوہ میں گرفتار ہو کر آئیں تھیں، ان میں ان کی ماں بھی تھیں۔

(۶) عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل بن ہشام بن سعید بن سہیم بن عمرو بن حصیص بن کعب بن لوی بن غالب ہیں۔ ان کی کنیت ابومحمد یا ابوعبدالرحمن یا ابونصیر ہے اور ان کا نسب حضور کے اجداد میں کعب بن لوی بن غالب سے جا کر ملتا ہے، ان کے باپ ان سے گیارہ یا بارہ برس بڑے تھے، یہ بہت بڑے عالم تھے، عبادت میں بڑے مجتہد، بڑے کوشش کرنے والے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ روایت کرنے میں ابوہریرہ سے زیادہ تھے، اس لئے کہ ابوہریرہ لکھتے نہیں تھے اور یہ لکھتے تھے۔ ان کی سات سو احادیث ہیں اور بخاری و مسلم دونوں نے مل کر ان کی سترہ احادیث اخراج کی ہیں اور بخاری نے تنہا آٹھ حدیثیں روایت کیں اور مسلم نے بیس احادیث روایت کیں، ان کے مقام انتقال میں اختلاف ہے کہ مکہ یا طائف یا مصر میں ہوا۔ ایسے ہی ان کی سن وفات میں بھی اختلاف ہے، ماہ ذی الحجہ میں ۶۵ھ یا ۶۳ھ یا ۶۷ھ یا ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ عمر شریف انتقال کے وقت ۷۲؍ سال کی تھی، صحابہ میں اس نام کے ۱۸؍ لوگ ہیں۔

لطائف اسناد: اس اسناد کے لطائف میں سے یہ ہے کہ یہ پوری کی پوری سند شرط ستہ پر ہے، سوائے آدم بن ایاس کے کہ وہ ان کی شرط پر نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ مسلم و ابوداؤد کی شرط پر نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ شعبہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے دو راویوں سے، ایک عبداللہ بن ابی السفر سے، دوسرے اسماعیل بن ابی خالد سے۔

شرح حدیث: اس حدیث کو امام بخاری نے ایمان کی تفسیر کے طور پر بیان کیا اور باب باندھا ”باب المسلم من سلم المسلم من لسانہ و یدہ“۔ ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے حدیث کے پہلے ٹکڑے کو بے سند تعلیقاً ذکر کیا چونکہ اس کو باب سے مناسبت تھی بعد میں سند کے ساتھ پوری حدیث ذکر کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں حدیث کے پہلے ٹکڑے کو ہی کیوں ذکر کیا؟ دوسرے کو ذکر نہیں کیا، حالانکہ حدیث کے دو ٹکڑے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ باب جو ہوتا ہے اس میں کوئی ایسی چیز ذکر کی جاتی ہے جو باب کے مناسب ہوتی ہے اور باب کا تقاضہ یہ تھا کہ پہلے جزء کو لیا جائے۔ لہٰذا اس مناسبت سے پہلے جزء کو لے لیا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے ایمان و اسلام کے بارے میں ترادف کا قول کیا اور ایمان جس طرح تصدیق قلبی کا نام ہے اسی طرح ایمان کے مفہوم میں طاعات و ترک معاصی بھی داخل ہیں۔ لہٰذا اسلام کی مناسبت ”مسلم“ کہ اس کے اندر مادہ اسلام ہے اور وہ ایمان کے مترادف ہے۔ لہٰذا ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ کو ذکر فرمایا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو حسن اخلاق سے آراستہ ہو اور اپنے ہاتھ اور زبان کو ایذاء مسلم سے باز رکھے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے باز رہے۔ اب اس کا ظاہر یہ ہے کہ جو یہ نہ کرے وہ مسلم نہیں، تو اس کا جواب پہلے گزر چکا کہ اس قسم کی احادیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں کیونکہ اجماع اس بات پر ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان کا نام ہے اس مفہوم پر جو کچھ بھی زائد ہے وہ حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہے اس قسم کی احادیث سب کے سب کمال ایمان پر محمول ہیں، یعنی کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔ یہاں زبان و ہاتھ کا ذکر احتراز کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اکثر ایذا جو ہوتی ہے، وہ زبان و ہاتھ کے ذریعہ ہوتی ہے اور آدمی اکثر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے تو مراد آدمی سے صادر ہونے والے اقوال و افعال ہیں، اگرچہ وہ

اس کے ہاتھ سے نہ ہوں اور وہ اس کی طرف سے صادر ہوں، وہ سارے اقوال وافعال مراد ہیں۔

یہاں پر حدیث میں مسلم سے مراد مسلم کامل ہے، اس کو سمجھنے کے لئے قاعدہ کلیہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب جنس کا اطلاق ہوتا ہے تو فرد کامل مراد ہوتا ہے، میں کہوں ''آدمی، انسان، گھوڑا'' تو ان سے مراد لنگڑا آدمی نہ ہوگا بلکہ پورا آدمی، پورا انسان مراد ہوگا، ایسے ہی حیوان وگھوڑا وغیرہ کا معاملہ ہے۔ اسی لئے فصحاء کا تعریف میں یہ دستور ہے کہ جب تعریف کرتے ہیں، خاص طور پر تو اسم جنس کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کعبۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ''البیت'' فرمایا، یہ اسم جنس ہے اور یہاں پر خاص اللہ کا گھر ہے تو مطلق فرمایا لیکن یہ کامل کی طرف لوٹ گیا، ایسے ہی حدیث مذکور میں بھی کامل مسلمان مراد ہے اور مطلب یہ ہوا کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کے زبان وہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

ایک بات یہاں پر یہ ہے کہ حدیث میں جمع مذکر کا صیغہ بولا گیا ہے تو عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ عورتوں کا بھی وہی حکم ہے جو مردوں کا ہے اور اکثر احکام جن میں فرق بیان نہیں کیا گیا ہے، ان میں عورتیں مردوں کے تابع ہیں، ان میں یہی ہے کہ احکام مردوں کے بیان ہوئے یا مردوں کو مخاطب کیا گیا لیکن اس میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تخصیص کی گئی ہے، ذمی کافر جو حکومت اسلامیہ کو ٹیکس دیتا ہے اور مسلمان نے جس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس کو اگر کوئی ناحق ایذا دے تو اس کی ایذا بھی حرام ہے اور مسلمان کامل وہ ہے جو مسلمان کو تو اپنی ایذا سے محفوظ رکھے، ساتھ ہی ذمی کافر کو بھی اپنی ایذا سے محفوظ رکھے۔ حضرت حسن بصری نے ''ابرار'' کی تفسیر اِن الفاظ میں کی : ''ھم الذین لا یوذون الذمل ولا یرضون الشر'' نیک لوگ وہ ہیں جو چیونٹی تک کو ایذا نہیں دیتے اور بُرائی کو پسند نہیں کرتے تو یہاں پر ذمی کا بھی وہی حکم ہے اور اس کو ایذا دینا مسلمان کو ایذا دینا ہے

کیونکہ مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں سے اگر کسی نے کسی کو امان دے دی اس کو ذمہ دے دیا تو یہ ذمہ تنہا اس کا ذمہ نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کا ذمہ ہے، صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ یہ اللہ ورسول کا ذمہ ہے اور جس ذمہ پر سارے مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو اس کو توڑنا سارے مسلمانوں کی عہد شکنی ہے اور جس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے وہ بات ان کی اپنی نہیں بلکہ اللہ ورسول کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے اجماع مسلمین حجت ہے اور یہی وجہ ہے کہ سارے مسلمان جس کو اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے اور جس کو بُرا سمجھیں وہ بُرا ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ جو اہل سنت وجماعت کے معمولات پر منہ کھولتے ہیں اور ناجائز وحرام کا فتویٰ دیتے ہیں، وہ اہل سنت کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ رسول کی تکذیب کرتے ہیں، رسول نے فرمایا: ”لاتجتمع امتی علی الضلالة“ میری امت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوگی بلکہ قرآن کریم کا حکم ہے: {وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝}

[سورۂ نساء-۱۱۵]

جو ہدایت کا راستہ ظاہر ہونے کے بعد اس رسول سے ضد باندھے اور مسلمانوں کے راستہ سے جدا راستہ چلے، جدھر کو پھر گیا، ادھر کو ہم پھیر دیں گے اور اس کو جہنم میں واصل کردیں گے اور کیا بُرا ٹھکانہ ہے جب وہ پلٹ کر جائے گا۔

اس حدیث میں ”مرجئہ“ فرقے کا رد ہے، وہ کہتے ہیں کہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھ لو اور کچھ مت کرو، نماز نہ پڑھو، روزہ مت رکھو تو یہ ایمان کو نقصان نہیں پہونچاتا ہے، یہ ان کی گمرہی ہے، ایمان کے کچھ مراتب ہیں، ان مراتب پر ایمان کامل ہوتا ہے اور طاعات کو ایمان کے زیادہ ہونے اور گناہوں کے ایمان کے گھٹانے میں دخل ہے۔

حدیث پاک میں زبان وہاتھ سے مراد ایذاء قولی وفعلی ہے۔ تو یہاں زبان سے مراد قول ہوگا اور ہاتھ سے مراد فعل ہوگا تو ”لسان“ سے قول مجازاً از قبیل کنایات مراد لیا

گیا ہے۔ یعنی لسان سے کنایہ کیا گیا ہے قول کا، اور اصحاب معانی کہتے ہیں کہ کنایہ تصریح سے بین تر ہے پھر یہ بھی ہے کہ لسان میں جو عموم ہے وہ قول میں نہیں ہے، اگر قول کہہ دیتے تو خاص قول کی تخصیص ہو جاتی، زبان کہہ کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زبان سے جو بھی ایذا ہو سکتی ہے، مسلمان اس کی ایذا سے محفوظ رہے، زبان نکال کر کسی کو دکھانا، چڑھانا استہزا کے طور پر یہ بھی ایذا میں شمار ہے۔ پوری حدیث کے مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو اللہ و رسول کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی پوری رعایت کرے، اور بندوں کی بیجا ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔ اور وہ مسلم جو حقوق اللہ کی رعایت کے ساتھ حقوق العباد کی رعایت کرے، وہی مہاجر کا مصداق ہے۔ تو یہاں پر مہاجر عطف تفسیر ہے، گویا کہ مسلم کی دوسری تفسیر مصداق کے اعتبار سے یہ ہے کہ مسلم کامل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں، ان سب کو وہ چھوڑ دے تو اس میں پہلے تخصیص کی گئی کہ مسلمان وہ ہے جس کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہے، تخصیص کے بعد اب تعمیم کی جا رہی ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جو ممنوعات اللہ و رسول سے رُک جائے، عام ازیں کہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، اس حدیث کے مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ ایذاء مسلم کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ اشد اور اللہ و رسول کی بارگاہ میں بہت ناپسند ہے، بلکہ انسانوں کو ناحق ایذا دینا خواہ وہ مسلم ہو یا کافر ہو، یا پھر جانوروں کو یہ سب کے سب اللہ و رسول کو بیحد ناپسند ہے۔ اور حدیث کا ظاہر ہمیں بتاتا ہے کہ جو منہیات کو نہ چھوڑے وہ کامل مسلم نہیں ہے بلکہ مسلم کامل وہی ہے جو طاعات کو بجالائے اور ارتکاب معاصی سے اپنے آپ کو باز رکھے، لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے سے وہ اسلام میں داخل ہو گیا، اس پر اجماع قائم ہے۔ اب اس کو اس ایمان سے کوئی گناہ و معصیت خارج نہیں کرتی جب تک کہ اس گناہ و معصیت کا ارتکاب حلال جان کر نہ کرے۔ لہٰذا حدیث میں مسلمانوں کی تخصیص یہ احتراز کے لئے نہیں ہے بلکہ اللہ و رسول کے نزدیک مسلمانوں کا معاملہ زیادہ اہتمام والا ہے،

اس کے پیش نظر تخصیص کی حالانکہ کافر و جانوروں کو ایذا دینا بھی حرام ہے۔ اور ایذا کا معاملہ ایسا ہے کہ کوئی شخص طاعات کو بجالاتا ہے، حقوق اللہ میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، رات کو نماز پڑھتا ہے، دن کو روزہ رکھتا ہے اور افعال خیر صدقہ و خیرات کرتا ہے لیکن لوگوں کو ایذا دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اس کے لئے کارگر ثابت نہیں ہوگا جب تک ایذا دینا نہ چھوڑے، اس پر قرآن کریم کی شہادت ہے: {یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُم بِالْمَنِّ وَالأَذَی} [سورۂ بقرہ ــ ۲۶۴]

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ناحق ایذا دے کر اکارت مت کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ناحق ایذا آدمی کے عمل کو اکارت کر دیتی ہے اور اس قسم کا مضمون احادیث میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ ''الادب المفرد'' میں حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث نقل کی ہے:

حدثنا مسدد قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو یحییٰ مولی جعدة ابن هبیرة قال سمعت ابا هریرة یقول سئل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یا رسول اللہ ان فلانة تقوم اللیل و تصوم النهار و تفعل و تصدق و توذی جیرانها بلسانها فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "لا خیر فیها هی من اهل النار" قالوا وفلانة تودی من مکتوبة و تصدق ثیاباً ولا توذی احداً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "هی من اهل الجنة"

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مولیٰ جعدہ ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے ابوھریرہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ فلانہ عورت رات

بھر نماز پڑھتی ہے اور دن بھر روزہ رکھتی ہے اور بہت افعال خیر کرتی ہے، صدقہ وخیرات کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے پڑوسیوں کو ناحق ایذا پہونچاتی ہے، سرکار نے فرمایا اس کے اندر کوئی بھلائی نہیں ہے، وہ اہل دوزخ میں سے ہے اور سرکار سے عرض کی گئی کہ فلاں عورت فرض نمازیں پڑھتی ہے اور اس کے مقابلے تھوڑا صدقہ کرتی ہے اور کسی کو ایذا نہیں دیتی ہے، فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناحق ایذا دینا آدمی کی نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے اور آدمی فرائض وواجبات کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ اگر کم صدقہ کرے، کم خیرات کرے لیکن ناحق ایذا سے باز آجائے تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور ناحق ایذا دینا اگرچہ جانور کو ہی کیوں نہ ہو، وہ آدمی کو مستحق نار کر دیتا ہے اور جانور کے ساتھ بھلائی کرنے سے آدمی مستحق جنت بھی ہوجاتا ہے اور اس کی مغفرت بھی ہوجاتی ہے تو پھر مسلمان کا کیا معاملہ ہے، اگر اس کے حقوق ادا کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کرے تو کس قدر اللہ ورسول کے یہاں محبوب ہوگا، اس کا اندازہ اہل ایمان لگا سکتے ہیں۔ اب ذیل میں جانور کو ایذا دینے اور جانور کے ساتھ بھلائی کرنے سے متعلق دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔ ان دونوں کو امام بخاری نے ''الادب المفرد'' اور جامع صحیح میں اخراج کیا۔

"عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال عذبت امرأة فی هرة حبستها حتی ماتت جوعا فدخلت فیها النار یقال لا انت اطعمتها ولا سقیتها حین حبستها ولا انت ارسلتها فاكلت من خشاش الارض"

سرکار نے فرمایا ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا

گیا، جس میں بلی کو اس نے قید کرلیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی، اب اس سے کہا جاتا ہے نہ تو تو نے اس کو کھانا کھلایا اور نہ پلایا اور نہ تو نے اس کو چھوڑا کہ یہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتی اور کھالیتی۔

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال بینما رجل یمشی بطریق ن اشتد العطش فوجد بئرا فنزل فیها فشرب ثم خرج فاذا کلب یلهث یاکل الثری من العطش قال الرجل لقد بلغ هٰذا من العطش ما بلغنی فقد بلغ هٰذا الکلب من الصلب مثل الذی بلغنی نزل البئر و ملأ خفه ثم امسکه بفیه فسقی الکلب فشکر الله له فغفر له قالو یارسول الله وان لنا فی البهائم اجرا قال فی کل کبد اجر"

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کسی جگہ پر چل رہا تھا اور اس کو سخت پیاس لگی تو اس نے کنواں پایا اس میں وہ اتر گیا اور اس نے اپنی پیاس بجھائی جب وہ کنواں سے باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے ہانپ رہا ہے اور زمین کی مٹی کھا رہا ہے تو اس نے کہا اس کتے کا پیاس سے وہی حال ہوا ہے جو میرا ہوا تھا، تو پھر کنواں میں اترا اور اپنے موزہ میں پانی بھرا اور پھر اوپر آیا اور اس موزے کو اس نے اپنے منہ سے پکڑا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا یہ کام اور اس کی یہ نیکی پسند آئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا صلہ یہ دیا کہ اس کی مغفرت فرمادی، صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ کیا ہمارے لئے

چوپایوں اور جانوروں میں کچھ ثواب ہے تو سرکار نے فرمایا کہ ہر تر جگہ میں ثواب ہے۔

حدیث مذکور فی المتن میں سرکار نے "ید" کو مؤخر کیا اور "لسان" کو مقدم کیا، اس لئے کہ ایذا باللسان یہ ایذا بالید سے زیادہ اشد واعم ہے، زبان سے آدمی جو لوگ گزر گئے، ان کے بارے میں اور جو آنے والے ہیں، ان کے بارے میں کچھ ناشائستہ کلمات کہہ کر زمین سے ان سب کا احاطہ کرسکتا ہے اور ایذا پہونچا سکتا ہے، اس لحاظ سے زبان کی ایذا ہاتھ کی ایذا سے عام تر ہوئی، اور زبان کی شدت نیزہ وغیرہ کی شدت سے زیادہ ہے۔

جراحات السنان لها التیام

ولا یلتام ما جرح اللسان

بھالے کا زخم تو بھر جاتا ہے لیکن زبان سے جو زخم لگتا ہے وہ بھرتا نہیں ہے، زبان کا زخم دل پر ہوتا اور دھاردار چیز سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ جسم پر ہوتی ہے اور جو ایذا روح ودل کو ہوتی ہے وہ شدید تر ہوتی ہے۔

اب یہاں پر یہ دیکھنا چاہئے کہ زبان کی تباہ کاریاں اور اس کی کھیتیاں کہ جن کی وجہ سے لوگ تباہ ہوجاتے ہیں جس طرح سے حدیث میں آیا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے اور عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ حدیث مروی ہے کہ ان سے بعض مہاجر نے بیعت کے لئے کہا اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو پھر انہوں نے عرض کی کہ میں شرط کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہ کیا شرط کرنا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے کفر کی حالت میں جو گناہ ومعاصی کا ارتکاب کیا تھا اس کے بارے میں کہا تو سرکار نے بشارت دی "الاسلام یهدم ما قبله والهجرة تهدم ما قبلها" اسلام لے آؤ، میرا کلمہ پڑھ لو، اس سے پہلے جو تم سے گناہ ہوئے ہیں، اسلام لاتے ہی ان گناہ سے ایسے پاک ہوجاؤ گے جیسے کہ بچہ ماں

کے پیٹ سے نکلے جو بکہ اسلام لانا سارے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اور ہجرت اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے۔ تو پھر انہوں نے کہا، آپ مجھے کیا نصیحت کرتے ہیں؟ فرمایا: ''کف علیک ھذا'' زبان نکال کر سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رہو، اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے تعجب کے ساتھ عرض کی، حضور نے فرمایا: ''وھل یکب الناس فی النار علیٰ وجوھھم الا حصائد السنتھم'' کہا: لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں کونسی چیز ڈالتی ہے؟ وہی جوان کی زبان کی کھیتیاں ہیں، زبان کی تباہ کاریاں ہیں، ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کے مخالف چاہے وہ شیعہ ہوں یا خوارج ہوں، وہابی ہوں یا سلفی ہوں جنہوں نے نہ اہل سنت کو چھوڑا اور نہ ہی اولیائے کرام کو چھوڑا، ان کا شرک و بدعت کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے شرک سے اولیا، صحابہ، انبیا، کوئی نہ بچا اور ان کا شرک تو ایسا ہے کہ ان کے شرک سے معاذ اللہ خدا بھی نہیں بچتا، سب مشرک و بے دین ٹھہرتے ہیں، یہ زبان کی تباہ کاریاں ہیں یہ سب انہوں نے بزور زبان کہا اور اہل سنت و جماعت کو بے دین کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت و جماعت تو گمراہ و بے دین نہیں ہوئے بلکہ وہی دین سے خارج ہوئے تو ایذائے مسلم کا انجام بہت سخت ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ آدمی اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یہ ایک عام مسلمان کی ایذا کا معاملہ ہے، اولیائے کرام کی شان میں ایذا، پھر نبی الانبیاء کی شان میں گستاخی و ایذا، یہ کس قدر تباہ کن ہے، اس کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے۔

پہلی حدیث حضرت ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے بیان کی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

-حدثنا ابوبکر بن اسحٰق وابوبکر بن سلمان الفقیھان قال حدثنا عبید بن شریك حدثنا اللیث حدثنی محمد بن عجلان عن القعقاع بن حکیم عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم

من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ والمومنون من آمنہ الناس علیٰ دمائھم واموالھم۔"

یہ حدیث ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اپنی سند سے ذکر کی، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے اپنی جانوں ومالوں پر لوگ بے خوف رہیں۔

یہاں پر اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مومن ومسلم دونوں مترادف ہیں اور امام بخاری نے جو باب باندھا تھا "الایمان قول وفعل ویزید وینقص" تو اس باب کے پہلے جزء کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک جگہ مومن فرمایا اور دوسری جگہ مسلم فرمایا، اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حضرت ابوعبد اللہ حاکم یوں فرماتے ہیں: "اتفق علی اخراج طرف حدیث المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ" امام بخاری ومسلم دونوں نے اس حدیث کا ایک حصہ (پہلا حصہ) بالاتفاق روایت کیا اور اس میں جو الفاظ زیادہ ہیں اس کو انہوں نے اخراج نہیں کیا ہے حالانکہ یہ الفاظ صحیح ہیں اور مسلم کی شرط پر یہ صحیح ہیں۔

دوسری حدیث اور اس حدیث کے بارے میں امام عبد اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک زیادتی اور ہے جو حضرت امام مسلم کی شرط پر ہے اس کو بھی ان حضرات نے چھوڑ دیا، اس حدیث میں جو اور زیادتی ہے اس کی سند حضرت ابوعبد اللہ حاکم یوں ذکر کرتے ہیں: "حدثنا ابو الحسن محمد بن السنان القذاذ حدثنا ابو عاصم انبانا ابن جریح اخبرنی ابو الزبیر سمع جابرا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ"۔

یہ دوسری حدیث امام ابوعبد اللہ نے اپنی سند سے ذکر کی ہے اور اس کو انہوں نے جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سرکار نے فرمایا: "مسلمانوں میں کامل تر مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ وزبان سے مسلمان محفوظ رہیں"۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے، پہلے گزر چکا کہ اس قسم کی جو

احادیث ہیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ طاعات کو جو نہ بجالائے اور گناہ کا ارتکاب کرے وہ مسلمان نہیں ہے، اجماع اس پر منعقد ہے کہ یہ احادیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ ان سے کمال ایمان و اسلام مراد ہے، الحمد للہ اس اجماع کی سند اور جو کچھ بزرگان دین نے بتایا اس کی دلیل و ثبوت اور حدیث کی خود تفسیر اس حدیث سے ہوگئی کہ سرکار نے فرمایا: ''اکمل المومنین'' تو اس سے معلوم ہوا کہ مسلم و مومن دونوں مترادف ہیں کہ وہاں ''مسلم'' فرمایا اور یہاں ''مومن'' فرمایا اور یہاں اکمل کی زیادتی نے یہ بتایا کہ ''المسلم'' سے مسلم کامل مراد ہے جس طرح یہاں ''اکمل المومنین'' میں مومن کامل مراد ہے۔ اور مسلم کامل اور مومن کامل دونوں ایک ہیں، مترادف ہیں اور دونوں کا مصداق یہ ہے کہ مسلم کامل و مومن کامل وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے۔

اس حدیث کے مضمون پر ایک اور زیادتی ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کا اخراج نہیں کیا، وہ یہ ہے:

''حدثنا عبد الرحمن بن الحسن بن احمد القاضی حدثنا ابراهيم بن الحسين حدثنا سعيد بن ابی مريم و عبد الله بن صالح قال حدثنا الليث حدثنی ابو هانی الخولانی عن فضالة بن عبيد الليثی قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم فی حجة الوداع: الا اخبركم بالمومن من امنه الناس علی انفسهم واموالهم والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمجاهد من جاهد نفسه فی طاعة والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب''

فضالہ بن عبید صحابی راوی ہیں سرکار سے کہ سرکار نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ کیا میں تم کو خبر نہ دوں مومن کے بارے میں، کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ مومن کون ہے؟ مومن وہ ہے

جس سے لوگ اپنی جانوں و مالوں کے معاملے میں بے خوف ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں کو چھوڑ دے۔

تین احادیث مکمل ہو گئیں، اب چوتھی حدیث کے بارے میں کہ اس مضمون پر کچھ زیادتی اور ہے جو شرط مسلم پر ہے اور مسلم و بخاری نے اس حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے۔

"حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب حدثنا محمد بن اسحق الصنعانی حدثنا الحسن بن موسی الاشیب حدثنا حماد عن یونس بن عبید و حمید عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : المومن من امنہ الناس و المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ و المهاجر من هجر السوء والذی نفسی بیدہ لا یدخل الجنۃ عبد لا یامن الجیران والذی نفسی بیدہ لا یدخل الجنۃ عبد لا یامن جارہ"

حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن وہ ہے کہ لوگ جس سے بے خوف ہوں اور مسلم وہ ہے لوگ جس کی زبان و ہاتھ سے محفوظ ہوں اور مہاجر وہ ہے جو برائی کو چھوڑ دے اور سرکار فرماتے ہیں، مجھے اس کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جنت میں وہ بندہ داخل نہیں ہوگا جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہو۔

ایک اور حدیث جس کو ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی سند سے روایت کیا اور یہ وہی حدیث ہے جس کو امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی سند

سے مختصراً روایت کیا ہے، ابوعبداللہ حاکم نے اس کو مکمل روایت کیا، امام بخاری نے زیادتی کو تخریج نہیں کیا حالانکہ عمرو بن مرہ اس کی سند میں ایک راوی ہیں اور دوسرے عبداللہ بن حارث ہیں یہ دونوں رجال بخاری ہیں اور دونوں سے بالاتفاق بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں اس کے باوجود ان حضرات نے اس حدیث کو جو زیادتی اس میں ہے، عبداللہ بن عمرو سے اس کو اخراج نہیں کیا۔ حدیث مندرجہ ذیل ہے:

''حدثنا علی بن هشام العدل حدثنا اسماعیل بن اسحق القاضی حدثنا سلیم بن حضر حدثنا شعبة واخبرنی ابو عمرو ومحمد بن جعفر العدل حدثنا یحیی بن محمد حدثنا عبد اللہ بن معاذ عن عمرو بن مرة قال حدثنی عبد اللہ بن الحارث واثنی علیه خیرا عن ابی کثیر عن عبد اللہ بن عمرو قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال ایاکم والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة وایاکم والفحش والتفحش وایاکم والشح فان هلک من کان قبلکم بالشح امرهم بالقطعة فقطعوا او بالبخل فبخلوا او بالفجور ففجروا فقام رجل فقال یا رسول اللہ ای الاسلام افضل قال ان یسلم المسلمون من لسانک ویدک فقال ذلک الرجل او غیرہ یارسول اللہ ای الهجرة افضل قال ان تهجر ما کرہ ربک قال والهجرة هجرتان هجرة الحاضر وهجرة البادی وهجرة البادی ان یجیب اذا دعی ویطیع اذا امر وهجرة الحاضر اعظمها بلیة واکملها اجرا''

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ حضور نے ہمیں ایک مرتبہ خطبہ دیا اور فرمایا: خبردار، ہوشیار، ظلم سے بچو کیونکہ ظلم

قیامت کے دن ظلمات ہیں اور بُرے قول وفعل خصوصا بدکاری سے پھر خبردار اس کا تکلف وارادہ بھی نہ کرنا بخل سے بچو، اس لئے کہ تم سے پہلے جو ہلاک ہوئے وہ بخل کی وجہ سے ہلاک ہوئے، شیطان نے ان کو حکم دیا کہ رشتہ داروں کے ساتھ وہ قطع رحم کریں اور رشتوں کو کاٹیں تو ان لوگوں نے رشتوں کو کاٹا اور انہیں بخل کا حکم دیا تو وہ بخیل ہوئے اور انہیں زنا کا حکم دیا تو ان سے زنا وبدی سرزد ہوئی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کی کون سی خصلت سب سے افضل ہے؟ سرکار نے فرمایا کہ مسلمان تیری زبان وہاتھ سے محفوظ رہیں تو اس نے کہا اس کے علاوہ کچھ اور ہے، ہمیں ارشاد فرمائیں، پھر اس نے پوچھا کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا تم وہ چھوڑ دو جو تمہارا رب ناپسند کرتا ہے، سرکار نے فرمایا: ہجرت دو قسم کی ہے ایک ہجرت شہر میں رہنے والے کی اور ایک ہجرت گاؤں میں رہنے والے کی تو فرمایا گاؤں میں رہنے والے کی ہجرت یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو دعوت پر لبیک کہے اور جب اس کو حکم دیا جائے تو وہ کہنا مانے اور پھر فرمایا شہری کی ہجرت یہ ہے کہ وہ دونوں ہجرت میں سب سے زیادہ آزمائش والی اور سب سے زیادہ ثواب والی ہے۔

اس حدیث کو ذکر کر کے ابوعبداللہ حاکم نے فرمایا یہ حدیث ''شعبی'' ہے بروایت شعبی ان دونوں حضرات نے مختصراً ذکر کی اور اس زیادتی کا اخراج نہیں کیا حالانکہ ''عمرو بن مرۃ'' اور عبداللہ بن حارث دونوں رجال بخاری ومسلم میں ہیں۔

یہ چند احادیث جو کہ ''المسلم من سلم المسلمون'' کے معنی کی مؤید اور اس کے ہم معنی ہیں اور ان میں مضمون کی کچھ زیادتی ہے، مناسبت مقام کی وجہ سے ابوعبد

اللہ حاکم کی مستدرک سے ذکر کردی گئیں۔

ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی اس پر خاصا کلام اس بات کے افادہ کے ساتھ کہ انہیں الفاظ یا کچھ زیادتی کے ساتھ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ، فضالہ بن عبید، انس بن مالک سے بھی روایت ہے، گزر چکا۔ مزید آنے والے باب میں بھی یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے۔ جس سے مختصر طور پر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کی حدیث متعدد احوال واوقات میں متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیان فرمائی، اسی سبب کبھی اس کو عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے نقل کیا اور کبھی کبھی کچھ مضمون کی زیادتی کے ساتھ حضرت ابوہریرہ، جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کو نقل کیا اور کبھی فضالہ بن عبید اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ نے۔

اس حدیث کو باب کے تحت اپنی عادت کے مطابق ذکر فرمایا کیونکہ کوئی حدیث وہ سند متصل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور اگر کوئی حدیث ان کی شرط پر نہیں ہوتی ہے تو وہ اس کو تعلیقاً ذکر کردیتے ہیں چنانچہ یہاں پر اسی مضمون کی حدیث کو تقویت کے لئے ذکر کردیا ہے اور دو تعلیقیں ذکر کی ہیں: قال ابو عبد اللہ وقال ابو معاویۃ حدثنا داود عن عامر قال سمعت عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عبد الاعلیٰ عن داود عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یہاں دونوں جگہ عن النبی کے بعد حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" ہے۔

یہاں پر تعلیقاً بطور استشہاد امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقویت حدیث کے لئے اس کو نقل کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص والی حدیث جو شعبی کے حوالہ سے ہے، اس میں "المسلم من سلم المسلمون" کہا اور یہاں "المسلم من سلم الناس" کہا ہے۔ یہ دونوں تعلیقیں امام بخاری نے فائدہ سندیہ

اور فائدہ متنیہ کے لئے ذکر کیں ہیں۔ فائدہ سندیہ یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کی سند میں ''عن الشعبی عن عبد اللہ'' آیا ہے یعنی اس میں ''عن'' کا لفظ ہے اور ''حدثنا'' نہیں کہا ہے تو ''عن'' میں اس بات کا احتمال ہے کہ شعبی کو یہ حدیث کسی ذریعہ سے پہونچی ہو اور انہوں نے بلاواسطہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اس حدیث کو نہ سنا ہو۔ یہاں پر تعلیق اول کو لاکر امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شعبی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے منہ سے خود سنی ہے تو اسی فائدہ پر تنبیہ کے لئے یہ تعلیق ذکر کی ہے۔

دوسری تعلیق اس لئے ذکر کی ہے کہ تعلیق اول میں ''عبداللہ'' سے مراد وہی عبد اللہ بن عمرو بن عاص ہیں اور عبدالاعلیٰ سے جو تعلیق ہے اس میں عبداللہ مبہم رکھا گیا ہے، اس سے مراد وہی عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، اس فائدہ سندیہ کی وجہ سے انہوں نے دو تعلیقیں ذکر کی ہیں۔ اور اس میں فائدہ متنیہ یہ ہے کہ انہوں نے شعبی کی روایت سے یہ الفاظ بیان کئے ہیں: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ'' اور یہاں پر ''المسلم من سلم الناس من لسانہ و یدہ'' ہے یعنی عام لوگ جس کے ہاتھ و زبان سے محفوظ رہیں، چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر ذمی، وہ مسلمان کامل ہو گیا ہے تو یہاں پر فائدہ متنیہ زیادہ ہے، یہاں پر امام بخاری نے صرف تعلیق ذکر کی ہے اور پوری حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے۔ پوری حدیث یوں ہے: ''المسلم من سلم الناس من لسانہ و یدہ و المہاجر من ھجر السیئات'' اس کا فائدہ متنیہ یہ ہے کہ یہ اس حدیث کی تفسیر ہے جو امام بخاری نے روایت کی ہے تو خلاصہ نکل کر سامنے یہ آیا کہ مسلمان کامل وہ ہے کہ جس کی ایذائے بیجا سے عام لوگ محفوظ رہیں لہٰذا کسی نے کسی کو شرعاً اگر کوئی تکلیف پہونچائی تو یہ حق شرعی ہے اور حق شرعی کے ساتھ جو ایذا ہو وہ جائز ہے باقی ناجائز ہے۔

امام بخاری کی تعلیقات میں بعض وہ رواۃ ہیں جن کا نسب ماقبل میں مذکور نہیں ہوا، ذیل میں ان کا نسب ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ابومعاویہ محمد بن خازم ان کو الضریر الکوفی السعدی کہا جاتا ہے، یہ زید بن مناۃ بن تمیم کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہاں پر یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ کسی کو اندھا کہنا یا اعمش (توندوالا) یا اعرج لنگڑا کہنا یہ ایک طور پر غیبت ہے جو کہ شرعاً ناجائز وحرام ہے لیکن یہ تعریف و پہچان بتانے کے لئے ہو اور پہچان اس سے متعین ہو تو یہ جائز ہے چنانچہ بڑے بڑے محدثین کی پہچان بتانے کے لئے کسی کو لکھتے ہیں ''الضریر'' یا ''اعرج'' وغیرہ تو اس سے معلوم ہوا کہ غیبت مطلق بلا وجہ شرعی حرام ہے لیکن اگر شرعی وجہ داعی ہے تو وہ غیبت محرمہ نہیں ہے چنانچہ جن مواضع کا استثناء ہے وہ غیبت نہیں ہیں امام زرقانی نے ایک شعر میں ان کو جمع فرمایا ہے:

تغلق واستغث، واستفت - وعرف فسقا مجاھرا

یہ چھ مقام ایسے ہیں کہ ان میں غیبت صوری جائز ہے، پہلا کسی نے اگر تمہارے اوپر ظلم کیا ہے تو شکایت کے طور پر اس کو ظالم کہہ سکتے ہو اور اسی طرح کوئی قتل کرنے آرہا ہے تو دوسرے سے متعین کرکے یہ کہہ سکتے ہو کہ فلاں مجھے مارنے آرہا ہے، میری مدد کرو۔ اگر کوئی شخص ناجائز کام میں ملوث ہے تو عالم ومفتی کے پاس جاکر یہ کہہ سکتے ہو کہ فلاں اس کام میں ملوث ہے اگر کوئی شخص بدکار ظالم و ڈاکو ہے اس سے بچانے کے لئے آدمی اس کی بُری خصال کو ذکر کرسکتا ہے اور یہ کہ فلاں سے ملاقات کو جارہے ہو، اس کا حلیہ کیا ہے اس کا داہنا ہاتھ ایسا ہے اس کی آنکھ میں ایسی بات ہے وغیرہ اس طور پر کہنا جائز ہے اور ایک یہ ہے کہ وہ آدمی کھلم کھلا شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے تو ایسے آدمی کی بُرائی لوگوں کو بچانے کے لئے کرسکتا ہے۔

انہوں نے روایت کیا انس بن مالک اور حضرت اعمش سے، یہ ضابط اور ثقہ ہیں اور یہ مرجئہ میں سے تھے، یعنی یہ رائے رکھتے تھے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور آدمی اگر عمل نہ کرے تو کوئی ضرر نہیں ہوتا ہے لیکن اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث روایت کی اور بخاری ومسلم میں بہت سارے لوگ مبتدع، بدعتی، وغیرہ ہیں،

محدثین نے یہ کہا ہے کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کی طرف نہ لائے تو اس سے روایت کرنا جائز ہے جبکہ وہ ثقہ مامون اور حافظ حدیث ہو چنانچہ یہ مرجئہ تھے تب بھی ان سے امام بخاری نے روایت کیا ہے، یہ اپنی رائے رکھتے تھے لیکن لوگوں کو بلاتے نہیں تھے اور اس پر دلیل یہی حدیث ہے۔ ابو معاویہ نام کے ان کے علاوہ دو اور راوی ہیں۔

(۱) ابو معاویہ نخعی عمر اور۔ (۲) ابو معاویہ شیبہ۔

(۲) دوسرے راوی داؤد ہیں ان کا نسب داؤد بن ابی ہند ہے یہ قبیلہ قشیر کی عورت کے آزاد کردہ غلام تھے اور ایک قول یہ ہے کہ عبد اللہ بن عامر کے آزاد کردہ غلام تھے اور یہ اعلام محدثین میں جلیل القدر محدث ہیں اور ثقات میں سے ہیں، بصری ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک صحابی کا دیدار کیا ہے اور شعبی و دیگر تابعین سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے شعبہ وقطان روایت کرتے ہیں، ان کی تقریباً دو سو حدیثیں ہیں۔ یہ حافظ تھے، صائم الدہر تھے، عابد وزاہد تھے اور مکہ کے راستہ میں ۱۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، ۷۵ ربرس کی عمر ہوئی اور ان کی حدیث تمام اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے۔

(۳) عبد الاعلی بن عبد الاعلی السامی ہیں، یہ بنی سامہ سے ہیں اور ان کا نسب لوی بن غالب قرشی کی طرف پہونچتا ہے، یہ بصری ہیں، انہوں نے جریری و دیگر محدثین سے روایت کیا ہے اور ان سے مندہ نے روایت کیا ہے اور یہ ثقہ ہیں اور قدری ہیں، ان سے امام بخاری نے اس لئے روایت کیا ہے کہ یہ اپنی بدعت کی طرف بلاتے نہیں تھے۔ ماہ شعبان ۱۸۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ صحیحین میں عبد الاعلی نام کے تین لوگ ہیں۔ ایک تو یہی ہیں اور ایک ابن ماجہ میں ہیں کہ جن کی حدیث اس درجہ کی نہیں ہے اور ایک اور ہیں جو "صدوق" ہیں ثقہ وضابط نہیں ہیں اور نسائی میں ایک اور ہیں جو ثقہ ہیں، ان کے علاوہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں ایک اور ہیں جس کو احمد بن حنبل نے ضعیف کہا ہے اور ضعفاء میں اسی نام کے سات اور ہیں۔

(۴) عامر شعبی ہیں، جن کا ذکر ہو چکا۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں جو صحابی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

تعلیق اول جو معاویہ سے کی اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ شعبی نے یہ حدیث عبداللہ بن عمرو سے سنی ہے۔ یہاں پر سند میں امام بخاری نے وہیب بن خالد سے روایت کیا ہے اور انہوں نے ایک شخص یعنی داؤد بن ابی ہند سے روایت کیا، اور انہوں نے ایک مجہول آدمی سے روایت کیا اور انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری کی اس طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبی نے پہلے یونہی روایت کیا ہے، یعنی عبداللہ بن عمرو سے، اور جب ملاقات کی تو پھر کہا ''سمعت عبد اللہ بن عمرو''۔

اسحاق بن راہویہ نے اس تعلیق کو اپنی مسند میں سند متصل کے ساتھ ابو معاویہ سے ذکر کیا ہے، ابن حبان نے بھی اس کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے: ''حدثنا احمد بن یحییٰ بن زهیر الحافظ حدثنا محمد بن علابن کریب عن ابی معاویه حدثنا دائود بن ابی هند عن الشعبی قال سمعت عبد اللہ بن عمرو''۔

یہاں پر ابن حبان کی سند میں ''سمعت عبد اللہ بن عمرو'' ہے کہ عبداللہ بن عمرو نے کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، اس عمارت کے رب کی قسم کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے خود فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرماتے تھے ''المسلم من سلم الناس من لسانہ و یدہ والمهاجر من هجر السیئات'' عبد الاعلیٰ کی روایت سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس روایت میں عبداللہ ابہام کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، ان دونوں تعلیقوں کا ذکر اس بات پر قرینہ ہے کہ جن سے یہ حدیث روایت کی گئیں ہیں، ان کی روایت مروی عنہ سے نہیں ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے یہاں صیغہ جزم کے ساتھ کہا ہے جب کوئی محدث ''قال، حدث، ذکر'' وغیرہ کہے تو صیغہ یقین پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف ''یقال، یحدث، یذکر'' کہ ان سے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہاں پر قال کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ میرے پاس اس کی یقینی سند نہیں

لیکن یقین کے درجہ میں ضرور ہے۔

امام بخاری نے تعلیقات کا کثرت سے ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے قلت کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن ان کی جتنی تعلیقات ہیں وہ سب صحیح وموصول ہیں اور کسی نہ کسی محدث نے ان کو موصولاً روایت کیا ہے جیسا کہ ابھی گزرا کہ اسحاق بن راہویہ وابن حبان وغیرہ نے اپنی سند کے ساتھ ان کو روایت کیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اپنی کتاب کا نام رکھا ہے "الجامع الصحیح" یعنی جو اکٹھا کرنے والی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح افعال واقوال کو اکٹھا کرنے والی ہے تو جب انہوں نے اس کو صحیح کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ انہوں نے اپنی کتاب کے اندر غیر صحیح کو بیان کیا ہو، امام بخاری کی تمام تعلیقات حکم صحیح وحکم متصل میں ہیں۔ اگرچہ بیچ میں انقطاع ہے اور جس سے یہ بھی پتہ لگا کہ امام معتمد ثقہ عدل کسی روایت کو بغیر سند کے ذکر کردے تو وہ بھی سند متصل کے ساتھ ذکر کرنے کے حکم میں ہے، حالانکہ اس سے کچھ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی سند ذکر نہیں ہوئی ہے تو وہ ضعیف ہے، یہ ان کا خیال خام ہے۔ محدثین بہت سی جگہ ایسا کرتے ہیں خود امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایسا کیا ہے، خود یہاں پر بھی ابو معاویہ اور ان کے بیچ جو راوی تھا اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس کے بغیر سند ذکر کردی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متن ذکر کرتے ہیں، کس سے مروی ہے اس کا نام بھی نہیں ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ "معلق، معضل" برتفسیر الفاظ ہیں اور یہ مرسل کا مصداق ہیں اور امام بخاری ومسلم وجمہور محدثین کے طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "مرسل" وہ مثل صحیح متصل وحجت ہے اور حنفیہ، مالکیہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے اور غالباً ملا علی قاری نے ایک جگہ یہ فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف اگر مقام احتیاط میں ہو اور وہ کسی مسند صحیحہ ثابتہ کے خلاف نہ ہو تو ایسی جگہ پر اس کے مقابلے میں قیاس ترک کردیا جائے گا۔ ہم احناف پر اکثر لوگ یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم اصحاب الرائے ہیں اور اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں لیکن الحمد للہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ حدیث کے

معاملہ میں ہم سے زیادہ احتیاط رکھنے والا اور حدیث کو مقدم رکھنے والا کوئی نہیں ہے، احناف کا یہ ایک خاص حصہ ہے۔ اسی وجہ سے ملا علی قاری نے یہ کہا ہے کہ حدیث ضعیف اگر مل جائے تو مجتہد اپنا قیاس چھوڑ دے گا۔

❑❑❑

باب أیّ الإسلام أفضل

"حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید القرشی قال حدثنا ابی قال حدثنا ابن عبداللہ بن ابی بردۃ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قالوا یا رسول اللہ ای الاسلام افضل قال من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ"۔

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی سعید بن یحییٰ بن سعید نے، وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی میرے والد (یحییٰ بن سعید) نے وہ کہتے ہیں، ہم سے حدیث بیان کی ابن عبداللہ بن ابی بردہ نے، وہ روایت کرتے ہیں ابو بردہ سے، وہ روایت کرتے ہیں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون اہل اسلام افضل ہے؟ فرمایا کہ جس کی زبان وہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔

یہاں سے اہل سنت وجماعت کے لئے یہ سند ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر نہ پکارے بلکہ الفاظ تعظیمی سے پکارے اور ان کو ندا کرنا یہ شرک وبدعت نہیں ہے بلکہ اس کو شرک کہنا یہ شریعت پر افتراء ہے یہ حضور کے زمانے سے لے کر اب تک خوش عقیدہ مسلمانوں کا دستور چلا آرہا ہے اور یہ خود خدا کی سنت ہے کہ جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے وصف کریم کے ساتھ پکارا، کبھی کہا: "یاایھا النبی" اور کبھی "یاایھا الرسول، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر" فرمایا۔

احوال رواۃ: (۱) سعید بن یحییٰ بن سعید بن ابان بن عاص ابن امیہ بن عبد شمس قرشی اموی۔ ان کے اجداد میں عاص، امیہ، اور عبد شمس ہیں۔ عاص جنگ بدر میں کفر کی حالت میں مارا گیا، سعید بن یحییٰ بن سعید یہ تمام اصحاب کتب ستہ کے استاذ ہیں سوائے ابن ماجہ کے، اور ابوزرعہ وحاتم جیسے محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔

۳۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ابو حاتم نے فرمایا کہ یہ صدوق ہیں اور دونوں ثقہ ہیں اور علی بن مدینی نے کہا کہ سعید بن یحییٰ جو یحییٰ بن سعید کے بیٹے ہیں، وہ روایت میں اپنے باپ سے زیادہ سخت ہیں اور صالح بن محمد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں مگر یہ کہ کبھی ان سے روایت میں غلط واقع ہوتا تھا۔

(۲) یحییٰ بن سعید جن کا ذکر اوپر نسب میں گزرا، انہوں نے یحییٰ انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر محدثین سے حدیث سنی اور ابن معین نے فرمایا کہ وہ اہل صدق میں سے ہیں، ان کی روایت مقبول ہے اور یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں، ان کا انتقال ۱۷۴ھ میں ۸۰ ربرس کی عمر میں ہوا۔ ان کی حدیث تمام اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے اور یحییٰ بن سعید صحاح ستہ میں چار ہیں، ایک تو یہی دوسرے یحییٰ بن سعید تیمی ہیں، تیسرے یحییٰ بن سعید بن قیس انصاری، چوتھے یحییٰ بن سعید فروخ قطان ہیں۔

(۳) ابو بردہ، ان کا نام برید ہے، اور ان کے دادا کی بھی کنیت ابو بردہ ہے لیکن نام میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ پوتے کا نام ''برید'' ہے اور دادا کا نام عامر ہے، ان کا نسب ہے برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ، یہ ایک ہی وقت میں اپنے باپ اور دادا دونوں سے روایت کرتے ہیں اور حسن بصری وعطاء سے بھی روایت کرتے ہیں اور ابن مبارک اور دوسرے مشہور محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے، فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں۔ مگر ابو حاتم نے کہا کہ یہ ضابط نہیں ہیں لیکن ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور نسائی نے فرمایا: ''لیس بذلک القوی'' یعنی فن حدیث میں جس درجہ کا قوی وضابط مطلوب ہے، اس درجہ کے نہیں ہیں لیکن نسائی اس کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں، احمد بن عبد اللہ نے فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں اور ان کی حدیث تمام اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے اور قوی یا ثقہ ہونے میں اختلاف ہے بعض نے توثیق کی ہے جیسا کہ گزرا۔ ابو بردہ کا نام جو برید ہے، کتب ستہ میں ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور بخاری ومسلم کے سوا دوسری

کتب احادیث میں "برید بن مالک" ایک اور راوی ہیں اور صحابہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا نام برید ہو۔ ابو بردہ جو کنیت ہے اس کنیت کے کچھ لوگ گزرے ہیں جن میں سے ابو بردہ بن نیار ہیں، اس کنیت کے صحابہ میں سات اشخاص ہیں۔

(۴) ابو بردہ یہ برید کے دادا ہیں اور ان دونوں کی کنیت میں اتفاق ہے لیکن نام دونوں کا الگ ہے، پوتے کا نام برید ہے اور دادا کا نام عامر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حارث ہے انہوں نے حدیث سنی اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری سے، علی ابن ابی طالب سے، ابن عمر ابن سلام اور عائشہ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے اور ان سے عمر بن عبدالعزیز جلیل القدر تابعی اور شعبی نے اور ان کے بیٹے ابو بکر، عبداللہ، سعید اور بلال نے اور ان کے پوتے برید بن عبداللہ نے بھی روایت کیا۔ یہ کوفہ کے قاضی ہوئے اور واقدی نے کہا کہ کوفہ میں ان کا انتقال ۱۰۳ھ میں ہوا اور ابن سعید کے مطابق ان کے انتقال کا دن جمعہ تھا، یہ ثقہ اور کثیر الروایہ تھے اور تمام اصحاب کتب ستہ نے ان کی حدیث روایت کی ہے۔

(۵) ابو موسیٰ اشعری یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والی زبید و یمن ٹھہرے تھے حضرت عمر نے آپ کو کوفہ و بصرہ کا والی کیا اور ابو عبید بن جراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یہ اردن میں حاضر تھے اور جابیہ میں حضرت عمر کا خطبہ انہوں نے سنا اور حضرت امیر معاویہ کے دربار میں یہ دمشق حاضر ہوئے ان کی ۳۶۰ رحدیثیں ہیں جن میں سے بخاری و مسلم نے ۵۰ رحدیثیں روایت کی ہیں، چار حدیثیں تنہا امام بخاری نے روایت کی ہے اور ۱۵ راحادیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں اور انس بن مالک و طارق بن شہاب اور بہت سارے تابعین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، ان کے بیٹے، ابو بردہ، ابو بکر، ابراہیم، موسیٰ نے بھی ان سے احادیث روایت کی ہیں، مکہ یا کوفہ میں ان کا انتقال ۴۲ھ یا ۴۴ھ یا ۴۷ھ میں ہوا۔ انتقال کے وقت عمر شریف ۶۳ ربرس کی تھی اور یہ اہل فتویٰ تھے۔ ابو موسیٰ نام کے صحابہ میں چار ہیں، ایک یہ، دوسرے ابو موسیٰ انصاری، تیسرے مالک ابن

عبادہ یا ابن عبداللہ اور چوتھے ابوموسیٰ حکمی ہیں۔

لطائف اسناد کا بیان: اس حدیث کے بھی رجال کوفی ہیں اور اس حدیث میں تحدیث وعنعنہ ہے امام بخاری کے یہاں یہ سب سماع پر محمول ہے اور تحدیث وعنعنہ کا مفاد ایک ہے اور اس حدیث کی سند میں دوراوی ایک ہی کنیت کے ہیں اور وہ ابو بردہ برید اور ابو بردہ عامر یا حارث ہیں۔

تعدد مقامات کا بیان: اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور نسائی اور امام ترمذی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ امام بخاری نے یہاں پر باب "ای الاسلام افضل" کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا اس میں سائلین نے پوچھا: "ای الاسلام افضل" سرکار نے فرمایا: "من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" کون اہل اسلام افضل ہے تو فرمایا کہ جس کے ہاتھ وزبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ ایک ہی حدیث کو ایک مقام پر مکمل ذکر کیا اور یہاں پر صرف جز و اول یعنی "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" کے ذکر پر اکتفا فرمایا، ایسا کیوں کیا؟ اور حاکم سے ہم نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں جن میں اس مضمون پر کچھ مختلف زیادات ذکر ہوئے جن کی تفسیر گزر چکی، اس سے معلوم ہوا کہ کتب حدیث میں ایک ہی حدیث مختلف طور پر ملتی ہے، کہیں مکمل حدیث، کہیں اس کا جز ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا حدیث کا مضمون بعض مرتبہ متعدد احادیث طیبہ اور کلمات سرکار ملانے سے اس کا نام پورا ہوتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا: ہمارے نزدیک حدیث مکمل نہیں ہوتی جب تک ساٹھ وجہ سے نہ لکھ لیں، اس کا مشاہدہ ہم اس حدیث میں کر رہے ہیں۔ یہاں پر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے والی حدیث میں (جس کو امام بخاری نے اپنی سند متصل کے ساتھ ذکر کیا) حدیث کا یہ جزء "من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" جو حقوق العباد سے متعلق ہے، اس کو حقوق اللہ پر مقدم کیا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو حقوق العباد کا کس درجہ اہتمام ہے

اور یہ ظاہر ہے اور بہت سی جگہ کوئی بات تفصیلا اور کچھ مقامات پر جزوی طور پر ذکر کردی جاتی ہے، سامع کے ذہن پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس بات پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ کچھ سامعین کے نزدیک معروف ومشہور ہے وہ اس سے خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ ارشاد فرمادیا ہے وہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ جو معروف ومشہور ہے وہ اس اطلاق پر قید ہے اور اس اطلاق کی شرط تو یہاں پر بھی ہے اور وہ یہ ہے جو سرکار نے فرمایا کہ افضل مسلمانوں میں وہ ہے کہ جس کی ایذائے قولی وفعلی سے لوگ محفوظ رہیں بشرطیکہ وہ جملہ حقوق اللہ کو انجام دے اور یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء جو فرماتے ہیں ''المعروف کالمشروط'' کہ مسلمانوں کے درمیان جو عرف ہے وہ مشروط کے قائم مقام ہے۔ تو سرکار نے کہیں حدیث میں تفسیر فرمائی اور کہیں مطلق چھوڑا۔ اس حدیث سے فقہاء کے اس قاعدے کو سند ملتی ہے۔

اور دوسری حدیث جو سرکار نے ارشاد فرمائی کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا اور پوچھا ''ای الاسلام خیر'' اسلام کی کون سی خصلت سب سے عمدہ ہے تو حضور نے فرمایا: ''**تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف**'' کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، اس کو جس کو تم پہچانتے ہو اور جس کو نہیں جانتے ہو، یہاں پر بھی سرکار نے مطلق چھوڑا لیکن یہاں پر بھی یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہونا پہلی شرط ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی سرکار نے خیال فرمایا کہ حقوق العباد کو ذکر فرمایا اور جملہ حقوق اللہ اس لئے ذکر نہیں کئے کہ مسلمانوں میں پہلے سے ہی مشہور ہے ''المعروف کالمشروط'' کے طور پر حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کھانا کھلاؤ اور جس کو جانتے ہو، یا نہیں جانتے اس کو سلام کرو۔ رہا یہ سوال کہ وہ شخص کون تھا، جس نے سرکار سے پوچھا تھا؟ تو وہ مجہول ہے، اس کا ذکر نہیں کیا گیا، بعض لوگوں نے کہا کہ اس سائل کا پتہ نہ چل سکا اور بعض نے کہا کہ وہ سائل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

□□□

باب إطعام الطّعام من الإسلام

حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا الليث عن يزيد عن ابی الخیر عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر؟ قال تطعم الطعام و تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف"

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عمرو بن خالد نے، انہوں نے فرمایا، ہم سے حدیث بیان کی لیث نے، وہ روایت کرتے ہیں، ابوالخیر سے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن عمرو سے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ اسلام کی کون سی خصلت اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، اس کو جس کو تم پہچانتے ہو اور جس کو تم نہیں جانتے۔

یہاں پر امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق حدیث کے الفاظ کو لے کر ایک باب باندھا "باب اطعام الطعام من الاسلام" اور ایک نسخہ میں ہے "باب اطعام الطعام من الایمان" اس باب کی مناسبت گزرے ہوئے باب "باب امور الایمان" سے یہ ہے کہ یہ بھی امور الایمان سے ہے اور اسلام کے جو متعدد شعبے ہیں، ان میں ایک شعبہ یہ بھی ہے۔ دو شعبوں کا ذکر یہاں پر کیا گیا ہے: "اطعام الطعام" اور "تقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف" سرکش لوگوں کی عادت کا خیال کرکے کہ وہ لوگ جس کو چاہتے ہیں سلام کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سلام نہیں کرتے۔ کیونکہ تمام مسلمان اسلام کے لحاظ سے دین اسلام میں سب بھائی ہیں سب کی رعایت حفظ مراتب کے ساتھ واجب ہے اور کسی کو سلام کے ساتھ مختص کرنا اور کسی کو نہ کرنا یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو وہ سلام کرے، چاہے وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ بقیہ احوال

رجال کے بعد۔

احوال رجال: اس حدیث کے سارے رواۃ مصری ہیں اور یہ غرائب اسناد میں سے ہے، ایسا کم ہوتا ہے کہ پوری سند میں ایک ہی مقام کے لوگ ہوں، یہاں پر ایک وطن ومقام کے لوگ ہیں۔ اس حدیث میں پانچ راوی ہیں:

(۱) ابوالحسن عمرو بن خالد بن فروخ بن سعید بن عبدالرحمن بن واقد بن لیث بن واقد بن عبداللہ الحرانی، انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کی اور ان کے شیخ لیث بن سعد ہیں جو اس سند میں مذکور ہیں، انہوں نے لیث بن سعد وعبیداللہ بن عمر اور دوسرے اعلام سے روایت کی ہے اور ابوالحسن محمد بن الصباح، زرعہ، ابوحاتم جیسے محدثین نے ان سے روایت کی ہے اور ابوحاتم نے کہا کہ صدوق ہیں اور احمد بن عبد اللہ نے ایک وصف کا اضافہ کیا ہے، صادق کے ساتھ ساتھ یہ ثبت ہیں یعنی روایت میں الفاظ کے ضابط ہیں اور معتمد ہیں اور یہ مصری ہیں۔ امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے اور ان کے علاوہ اور جو صحاح خمسہ بچی ہیں، ان لوگوں نے ان سے روایت نہیں کی ہے اور ابن ماجہ نے اس طور سے روایت کی ہے کہ ان کے اور ابن ماجہ کے درمیان ایک مجہول شخص ہیں ''عن رجل عنہ'' ابن ماجہ روایت کرتے ہیں ایک شخص سے، وہ روایت کرتا ہے ان سے اور مصر میں ان کا انتقال ۲۲۹ھ میں ہوا۔

(۲) ''لیث'' ہیں جن کا نسب امام بخاری نے یہاں پر ذکر نہیں کیا ہے ان کا نسب یہ ہے ''لیث بن سعد'' یہ بھی مصری ہیں اور امام مشہور ہیں جن کی امامت وجلالت وشان پر ائمہ محدثین کا اتفاق ہے، ان کی کنیت ابوالحارث ہے اور یہ عبدالرحمن بن خالد بن مسافر کے مولیٰ ہیں اور ان کے گھر والے یہ کہتے ہیں کہ ہم فارسی ہیں اور مشہور یہ ہے کہ فہمی قبیلہ کے ہیں اور یہ قیس وغیلان کی شاخ ہے، انہوں نے بہت سارے محدثین کی جماعت سے روایت کیا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور ہمارے ائمہ حنفیہ نے ان کو اصحاب ابوحنیفہ میں شمار کرایا ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی واسطوں سے امام اعظم کے

شاگرد ہیں اور ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، ایسا ہی قاضی شمس الدین خلکان نے کہا ہے اور ان سے بہت سارے لوگوں نے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں، سخت ہیں، عادل ہیں، ضابط ہیں اور یہ سخی اور شریف تھے اور ان کی ایک عادت ضیافت عامہ تھی۔ آپ کی ولادت ۹۴ھ میں ہوئی اور جمعہ کے دن ۱۵ رشعبان کو ۱۷۵ھ میں وفات ہوئی۔

(۳) یزید بن ابی حبیب ہیں اور ابو حبیب کا نام سوید مصری ہے اور کنیت ابو رجاء ہے اور یہ جلیل القدر تابعی ہیں اور انہوں نے حدیث سنی عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی سے اور بہت سارے تابعین سے اور ان سے روایت کی ہے سلیمان تیمی، ابراہیم بن زید و یحییٰ بن ایوب اور اکابر محدثین مصر میں سے بہت سارے لوگوں نے۔ ابن یونس نے کہا کہ یہ اپنے زمانہ میں اہل مصر کے مفتی تھے اور عاقل تھے اور یہ پہلے شخص ہیں جس نے حلال وحرام اور علم کلام کا علم مصر میں ظاہر کیا اور ان سے پہلے لوگ فتن وملاحیم کی حدیث روایت کرتے تھے اور یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جنھیں کا رافتاء سونپا تھا۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزید بن ابی حبیب یہ نوبی تھے اور شریک بن طفیل عامری نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا اور ان کی ولادت ۵۳ھ میں ہوئی اور ابن سعد نے کہا کہ ان کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ ان کی حدیث جماعت محدثین نے روایت کی ہے، یعنی اصحاب کتب ستہ نے۔

(۴) ابوالخیر۔ غالباً ان کا نسب امام بخاری نے ذکر نہیں کیا ہے ان کا نام مرثد ابو عبداللہ مصری ہے اور انہوں نے حدیث روایت کی ہے عمرو بن عاص و سعید بن زید اور ابو ایوب انصاری و دیگر صحابہ کرام سے، اور ان کا انتقال ۹۰ھ میں ہوا ہے اور تمام اصحاب کتب ستہ نے ان کی حدیث روایت کی ہے۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

لطائف اسناد کا بیان: اس میں تحدیث ہے اور عنعنہ ہے اور اس سند کے سارے راوی مصری ہیں اور یہ غرائب میں سے ہے اور یہ بہت کم دیکھنے کو ملتا

ہے اور اس کے سارے راوی جلیل القدر ائمہ ہیں۔

تعدد مقامات کا بیان: امام بخاری نے کتاب الایمان میں کچھ دیگر ابواب میں بھی اس کوذکر کیا ہے اور کتاب الاستئذ ان میں بھی ذکر کی ہے امام مسلم اور نسائی نے کتاب الایمان میں ذکر کی ہے ابوداؤد نے ادب میں اور ابن ماجہ نے کتاب الاطعمہ میں ذکر کی ہے۔

گزشتہ حدیث میں سرکار نے ''افضل'' فرمایا اور اس حدیث میں ''خیر'' فرمایا اس لئے کہ وہاں پر سوال تھا کون سا مسلمان افضل ہے؟ یعنی اس کے ثواب کی زیادتی کس کام سے ہوگی تو جواب میں سرکار نے فرمایا: ''من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ'' کہ جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس صورت میں ثواب زیادہ ہے اور اگر معاذ اللہ وہ نیکی تو کرتا ہے لیکن مسلمانوں کو ایذا بھی پہونچاتا ہے تو حدیث پہلے گزر چکی کہ عورت روزہ رکھتی تھی، قیام اللیل کرتی تھی، صدقہ وغیرہ بھی دیا کرتی تھی، سرکار نے فرمایا کہ اس کے اندر کچھ بھلائی نہیں ہے اور وہ اہل دوزخ سے ہے اور ایک حدیث بخاری کی آئے گی کہ سرکار نے پوچھا، صحابۂ کرام سے کہ تم مفلس کو کیا شمار کرتے ہو، انہوں نے کہا کہ مفلس وہ ہے کہ جس کے پاس درہم ودینار نہ ہو، فرمایا نہیں، مفلس وہ ہے جس نے کسی کو مارا اور گالی دی، اور مال چھینا فرمایا اس کی کیا سزا ہے؟ فرمایا: قیامت میں اس سے بدلہ لیا جائے گا اور اس کی نیکیاں مظلومین کو دی جائیں گی اور جب نیکیاں مظلومین کو دے دی جائیں گی پھر جب حساب پورا نہ ہوگا تو ان کی برائیاں ان کے اوپر ڈال دی جائیں گے اور یہ جہنم میں ڈالا جائیگا۔ تو پہلے والی حدیث میں ''فضل'' ثواب کے اعتبار سے ہے تو وہ کمیت کے لحاظ سے ہے اور یہاں پر خیر فرمایا یہ شر کے مقابلے میں ہے، یعنی اسلام کی کون سی خصلت زیادہ نفع بخش ہے، فرمایا: کھانا کھلاؤ اور عام طور پر سلام کرو۔

اب یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تطعموا'' فرمایا جبکہ آپ اس کی جگہ ''توکلوا'' بھی فرماسکتے تھے۔ جوابا عرض ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے فرمایا کہ اطعام کا استعمال ''اکل وشرب'' دونوں جگہوں میں ہوتا ہے اور اکل کا استعمال صرف ماکولات میں ہوتا ہے، مشروبات میں نہیں ہوتا ہے۔ اور اس پر شہادت قرآن کی یہ آیت کریمہ ہے کہ ''فمن لم یطعمہ فانہ منی'' جسکا کا مطلب: کھانا، پینا، چکھنا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر سے آزمائے گا جو اس نہر سے پانی پیے گا وہ میرا نہیں ہے اور جو اس سے نہ پیے وہ میرا ہے تو یہاں پر ''طعم'' کا استعمال ''شرب'' کے لئے ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر مفعول بہ کو ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو کھانا کھلاؤ، وہ مسلمان ہوں، یا ذمی کافر، یا حیوان، سب کو کھانا کھلانا بہ نیت ثواب یہ بہت ہی اچھا کام ہے، تو اطعام کا نفع زیادہ ہے اور اس وجہ سے سرکار نے اس کو مقدم فرمایا اور امام بخاری نے بھی اسی جزء کو لے کر باب باندھا ''باب اطعام الطعام من الاسلام''

اور یہاں پر دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ اطعام میں عموم ہے، یعنی ولیمہ کا کھانا، فقراء ومساکین کو کھلانا یہ سب کو عام ہے۔ اب میں یہاں پر یہ سوال کرتا ہوں کہ سرکار ابد قرار نے فرمایا کھانا کھلانا یہ خیر محض ہے اور کھانا کھلانے والا خیر الناس وخیر المسلمین ہے، تو کیا غوث وخواجہ ورضا کی نیاز جو بلاشبہ جائز ہے اس کو ناجائز کہنا یہ وہابیوں کا حدیث پر افتراء نہیں؟ اعراس بزرگان دین میں یا اپنی خاص محافل میں بزرگان دین کی نیاز کرنا جس میں فاتحہ وقرآن خوانی ہوتی ہے، سامنے کھانا رکھا جاتا ہے پھر اس کھانے کو اعزاء واقرباء فقراء ومساکین کو کھلانا ان میں کون سا کام ناجائز وحرام ہے؟ جب کوئی کام ناجائز نہیں بلکہ آحاد میں یہ سارے کام مباح ہیں تو ان کا مجموعہ کیسے حرام ہوسکتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اعراس بزرگان دین ونیاز وغیرہ کا کھانا یہ سب مباح ہے جب تک کہ کسی خاص دلیل شرعی سے اس کی ممانعت ثابت نہ ہو۔

اسی طریقہ سے سرکار نے اپنے فرمان میں کھانے کو مطلق رکھا لیکن یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے: ''الف، لام'' یہاں پر عہد کے لئے ہے، یعنی وہ کھانا جو یہاں پر معہود و

مشروط ہے یعنی وہ کھانا جائز ہے جو کہ اللہ ورسول کی جانب سے جائز ہے یعنی وہ خون و مردار نہ ہو اس کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، وہ کھانا تمہارے لئے مطلقاً جائز ہے۔ لہٰذا غوث کا مرغا اور دیگر بزرگان دین کی طرف منسوب کھانے کو ناجائز کہنا یہ وہابیہ کی ضد وزیادتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات خود اس بات پر سند ہیں کہ حضور نے حج میں قربانی فرمائی اور اس جانور پر یہ فرمایا: ''هٰذا عمن لم يضح من امتي'' یہ جانور وہ ہے جس کی قربانی میں اپنی اس امت کی جانب سے کر رہا ہوں جس نے اب تک قربانی نہیں کی، اس سے بھی اہل سنت وجماعت کو سند ملی۔

حدیث کے اگلے جز میں سرکار نے فرمایا: ''تقرأ السلام على من عرفت وعلى من لم تعرف'' کہ جن کو تم جانتے ہو اور جن کو نہیں جانتے، سب کو سلام کرو۔ یہ بھی مطلق نہیں بلکہ یہاں پر بھی ایک شرط معہود ہے ''بشرط کونہ مسلما'' یعنی وہ شخص مسلمان ہو۔ کیونکہ کافر کو ابتدا بالسلام یہ منع ہے، یہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اور مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ وہ شخص فاسق معلن بھی نہ ہو، کعب بن مالک کی روایت اور دیگر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن سے شریعت نے کلام کرنے کو منع فرمایا، ان کے گناہوں کے سبب ان کو ابتدا بالسلام ناجائز ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کا یہ جزء بھی اپنے اطلاق پر نہیں ہے یا اس کا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ابتدائے اسلام میں فرمایا کہ ابتدا میں تالیف کے لئے تھا اور اس کے بعد کافر وفاسق سے ممانعت فرمادی، اس طور پر یہ حدیث منسوخ ہوگی اور اس کا ناسخ وہ حدیث ہوگی کہ جن میں کافر وفاسق وغیرہ کو ابتدا بہ سلام کی ممانعت ہے۔ اس پر امام بدر الدین العینی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ضرورت داعی تھی، تالیف قلب کی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس لحاظ سے ارشاد فرمائی کہ سب کو کھانا کھلاؤ اور سب کو سلام کرو، وہ حدیث عبد اللہ بن سلام کی روایت سے ترمذی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ

سمٹ کر حضور کی طرف آئے، حضور کا جلوہ دیکھنے کے لئے تو جب میں نے ان کو دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے تو جس کو دیکھ کر عبداللہ بن سلام کہیں کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے بھلا اس کا رب کیسے جھوٹ بول سکتا ہے (معاذ اللہ) ہرگز نہیں۔ یہ وہابیوں کا اللہ پر افترا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ ہم اہل سنت و جماعت کا تو عقیدہ یہ ہے کہ ہمارا خدا اور رسول، اہل بیت، صحابہ و بزرگان دین سب سچے ہیں۔

حدیث میں سرکار نے "تقرأ السلام" فرمایا "تسلموا" نہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو دیکھو تو سلام کہو، خط بھیجو تو سلام لکھو، کہا جاتا ہے۔ "اقرأ السلام" اس نے خط میں سلام لکھ کر بھیجا۔ لہٰذا فرمان رسول دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اہل اسلام کا سلام "السلام علیکم" ہے نیز سلام سے یہاں مراد مسلمانوں کو سلام ہے اس لئے کہ سرکار نے فرمایا: "لا تکتبوا الیہود والنصاری بالسلام"۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا اپنی زبان سے سلام کرو، سلام یہ اسلام کی تحیت ہے، مطلب یہ ہوا کہ نصاریٰ کی طرح اپنی عادت نہ بناؤ بلکہ مسلمانوں کا طریقہ اپناؤ اور زبان سے سلام کہو اور ہتھیلی یا ہاتھ کے اشارے سے سلام مت کرو، کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو "باب اطعام الطعام من الاسلام" کے تحت ذکر کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس باب کی گزشتہ متصل باب سے کیا مناسبت ہے؟ مناسبت عامہ کا بیان تو ابتدا میں ہو گیا لیکن متصل باب سے اس کی کیا مناسبت ہے؟ تو اس باب کی متصل باب سے مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں تلازم ہے کہ جب مسلمان ترک ایذا کرے گا اور اپنی زبان و ہاتھ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے گا اور یہ اسلام اور دواعی ایمان بلکہ دواعی فطرت سلیمہ سے ہے کہ اگر انسان کو خارجی عوارض و موانع نہ ہوں تو فطرت سلیمہ انسان کو کشاں کشاں اختیار ایمان و اسلام کی طرف لے جاتی ہے، حدیث میں آیا ہے: "کل مولود یولد علی الفطرۃ و ابواہ یہودانہ و ینصرانہ و یمجسانہ" ہر بچہ فطرت سلیمہ پر

پیدا ہوتا ہے اگر اس کو فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسلام کو ہی اختیار کرے گا، کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اس کے اندر جو مکارم اخلاق ہیں وہ اس کی فطرت و جبلت میں موجود ہیں کہ اگر انسان کو دواعی شرک نہ ہوں تو ہر انسان کو خیر و بھلائی اور ترک ایذا کی طرف اس کی فطرت سلیمہ خود بخود لے جائے گی اور ان سب چیزوں کا اسلام داعی ہے اور انہیں چیزوں کو لایا جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں۔ تو یہ دواعی فطرت سے ہیں کہ مسلمان ترک ایذا کرنے کے بعد ساری مخلوق کو بھلائی کی طرف بلائے جس کا خاص شعبہ ''اطعام الطعام'' ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی مسلمان کو اپنی زبانی ایذا سے محفوظ رکھے تو اس کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہر مومن کو سلام کرے، اور سلام کہنا یہ سلامتی سے ہے تو اس کا مومن کو سلام کرنا گویا کہ ایک عہد کو متضمن ہے کہ میں نے تجھ کو سلام کیا ہے تو میری زبانی ایذا وغیرہ سے تو محفوظ ہے۔

بَابٌ لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة عن انس بن مالك رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن حسین المعلم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی قال "لا یومن احد کم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه".

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی مسدد نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ نے، وہ روایت کرتے ہیں، شعبہ سے، وہ روایت کرتے ہیں، قتادہ سے، وہ روایت کرتے ہیں انس بن مالک سے، وہ روایت کرتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے، دوسری سند میں مسدد روایت کرتے ہیں یحییٰ سے، وہ روایت کرتے ہیں حسین معلم سے، وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی قتادہ نے، وہ روایت کرتے ہیں انس بن مالک سے،

وہ روایت کرتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا: تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے۔

امام بخاری نے ''باب امور الایمان'' ایمان کے شعبوں کے سلسلے میں قائم کیا اور اس کے تحت حدیث ذکر کی تھی ''الایمان بضع و ستون شعبة'' کہ ایمان کے ۶۷ شعبہ ہیں اب پے در پے امام بخاری شعب ایمان کا ذکر کر رہے ہیں اس سے پہلی حدیث میں ''اطعام الطعام و افشاء السلام'' کا ذکر فرمایا اور اب دوسرا باب باندھا ''لا یومن احد کم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه'' یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ ایمان کے شعبوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یہاں پر اس باب کی نسبت ''باب امور الایمان'' سے ظاہر ہے کہ یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے اور ماقبل والے باب سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ ''اطعام الطعام'' جو ایمان کا ایک شعبہ ذکر کیا گیا اس کا مفاد یہی ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اس کو کھلاتا پلاتا ہے اور حسن سلوک کرتا ہے لہذا محبت میں کھلانا یہ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہوا اور دوسرا شعبہ یہ ہے کہ محبت کی شان یہ ہونی چاہیے کہ آدمی اپنے لئے جو پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور جب تک ایسا نہ کرے گا وہ مومن نہ ہوگا یہ مبالغہ کے طور پر ہے یعنی مومن کامل نہ ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اگر صرف اتنی بات پائی جائے کہ وہ ایسی محبت دوسرے کے ساتھ کرے اور اس کے لئے وہی محبوب رکھے جو اپنے لئے محبوب رکھتا ہے اتنا ہی کافی ہے باقی امور کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ سب مشروط ہیں اس بات پر کہ جتنے امور ایمان ہیں ان سب کو وہ بروئے کار لائے تو یہ معروف ہے شرع میں مقرر ہے اور حضور ﷺ کی احادیث سے معروف و معہود ہے ''والمعروف کالمشروط'' اور جو چیز معروف ہوتی ہے وہ مشروط کے قائم

مقام ہے کہ "اطعام طعام" محبت کو مستلزم ہے تو محبت کی تفسیر فرمائی کہ آدمی کامل مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہی بات اپنے بھائی کے لئے پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

یہاں پر جو ایمان کی نفی ہے وہ بطور مبالغہ ہے اور اس کے اندروہی شرط ملحوظ ہے جو اس طرح کے جملوں میں ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے: جو مسجد کا پڑوسی ہے اس کی نماز مسجد میں ہی ہوگی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہ گھر میں نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوگی یہ مبالغۃً فرمایا کہ نماز کامل وہ ہے جو باجماعت ادا کی جائے ہے۔ اسی طرح مومن کامل وہ ہے جو تمام حقوق ایمان کے ادا کرنے کے ساتھ محبت بھی ادا کرے اور اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اب اس سے یہ قید مفہوم ہوتی ہے کہ کھانا کھلاؤ ایسا جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو مہمان کا کھانا اپنے کھانے سے کمتر نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ مسئلہ ہے کہ جب زکوٰۃ دے فقراء و مساکین کو تو قرآن کریم نے یہ ارشاد فرمایا "ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بآخذیه الا ان تغمضوا فیه" ۔گھٹیا مال کا تصدمت کرو حالانکہ تم کو اگر وہ دیا جائے تو تم آنکھ بند کرکے لینے والے نہیں۔ وہ مال زکوٰۃ میں نکالو جو اچھا ہے اور کفارے وغیرہ کے بارے میں قرآن کریم میں نازل ہوا کہ جو اپنے اہل وعیال کو تم کھلاتے ہو اس میں کا اوسط درجہ کا کفارے میں دو اور گھٹیا اور خسیس کو صدقے میں نہ نکالو تو یہاں پر اس سے خود بخود ثابت ہوگیا کہ جب ایمان کامل اس طور پر ہوتا ہے اور محبت کی یہی شان ہونی چاہئے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے مطلب یہ ہیکہ محبت کی ضد بغض ہے اگر ایک ختم ہوگئی دوسری ضد خود ثابت ہوگی "اذا ثبت الشی یثبت بجمیع لوازمه" جب شی ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے تو محبت اس بات کو مستلزم ہے:

یہاں پر ایک قول اور ہے اور وہ یہ ہے کہ "ولا یومن حتی یبغض لاخیه ما یبغض لنفسه" تم میں سے کوئی مومن کامل نہ ہوگا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے

لئے وہی ناپسند نہ کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔

حدیث مذکور میں ''اخیہ'' سے کوئی خاص فرد مراد نہیں ہے بلکہ یہ جنس کے درجہ میں ہے اور جنس میں عموم ہوتا ہے یعنی اس سے ''اخ فی الاسلام'' مراد ہے۔ حب جہاں پر حضور ﷺ کی محبت کے بارے میں حدیث نقل کی ہے وہاں پر ''حب الرسول من الایمان'' رسول کی محبت ایمان سے ہے۔ وہاں پر مبتدا کو مقدم کردیں گے اہتمام شان رسول کے لئے۔

احوال رواۃ:

(۱) مسدد: احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین نے کہا کہ یہ صدوق ہیں اور اپنی روایت میں صادق ہیں ان کا انتقال ماہ رمضان ۲۲۳ھ میں ہوا۔ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں نسب یوں بتایا ہے: **مسدد بن سرھد بن مسربل بن مرعبل** اور اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا اور مسلم نے اپنی کتاب میں یوں ہی کہا لیکن مسلم کے یہاں اتنا فرق ہے کہ انہوں نے مرعبل کے بجائے مغربل کہا۔ **مسرھد** یہ ''**سرھد**'' فعل کا اسم مفعول ہے اور کہا جاتا ہے ''**سرھدته**'' جب کسی شخص کو اچھی غذا دی جائے۔ اور ''**مسربل**'' ''**سربلته**'' فعل کا اسم مفعول ہے اور کہا جاتا ہے ''**سربلته**'' جب کوئی کسی کو کرتا پہنائے۔ اور ''**مغربل**'' یہ فعل ''**غربلته**'' کا اسم مفعول ہے اور اس کا معنیٰ ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ ''**مرعبل**'' یہ **رعبلته** '' کا اسم مفعول ہے، اور معنیٰ میں نے اس کو پھاڑ دیا ہے۔ اور سلسلہ نسب میں اس کے بعد جو تین کلمات ''**ارندل، سرقدل، عرندل**'' وغیرہ ہیں وہ عجمی کلمات ہیں اور ان میں ''دال'' مہملہ اور ''نون'' ہے:

(۲) یحیٰ بن سعید بن فروخ ان کا لقب ''**القطان**'' ہے۔ اور ان کی تعریف میں ''**احول**'' کہا گیا ہے اور یہ پچھلے بیان میں گزر گیا کہ ''**احول**'' کہنا غیبت محرمہ میں سے نہیں ہے اگر کسی شخص کی تعریف اور پہچان کے لئے ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں تو یہ شرعاً جائز ہے اور محدثین کے یہاں اس قسم کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ ان

کا قبیلہ ''تیمی'' ہے اور یہ تیمی قبیلہ کے آزاد کردہ غلام ہیں یہ بھی بصری ہیں اور ان کی کنیت ابو سعید ہے یہ بھی امام وحجت ہیں اور ان کی جلالت وثقاہت پر محدثین کا اجماع ہے اور اس شان میں ان کا نمایاں ہونا تمام محدثین کو مسلم ہے۔ ان کے شیوخ میں یحیٰ انصاری، ابن جریح، ابن ابی ذئب، ثوری، امام مالک و شعبہ جیسے کبار ائمہ ہیں۔ اور ان سے روایت کی ہے سفیان ثوری، ابن عیینہ، شعبہ بن حجاج، ابن حنبل، یحیٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راھویہ'' وغیرہم کبار محدثین نے۔ یحیٰ بن معین فرماتے ہیں: کہ یہ اتنے بڑے عبادت گزار تھے کہ یہ تیس سال قرآن ہر دن رات میں ختم کرتے تھے۔ اور ان کی شان یہ تھی کہ مسجد میں حاضر ہوتے تھے اور چالیس سال تک ساعت زوال ان سے فوت نہ ہوئی یعنی زوال سے پہلے یہ مسجد میں حاضر ہو جاتے تھے۔ اور اسحق شہیدی کہتے ہیں: کہ میں نے یحیٰ بن قطان کو دیکھا کہ وہ نماز عصر پڑھتے تھے اور مسجد کے منارے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے اور یحیٰ بن معین اور دیگر ائمہ کبار ان کے سامنے کھڑے رہتے تھے اور ان سے حدیث کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور وہ کسی سے بھی بیٹھنے کے لئے نہیں کہتے تھے اور یہ سلسلہ مغرب تک چلتا رہتا تھا۔ حضرت یحیٰ بن سعید قطان کے اور ائمہ کبار جن میں احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین ہیں ان کے اس فعل پر سرکار کی اس حدیث سے اشکال آتا ہے جس میں یہ ہے کہ حضور سرور عالم نے ارشاد فرمایا ''لاتقوموا لی کما تقوم الا عاجم یعظم بعضهم بعضاً''۔ میرے لئے ایسے کھڑے نہ ہو جیسے کہ عجمی لوگ ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور بظاہر دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً کوئی اشکال نہیں آتا۔ وہابیہ وغیرہ اسی حدیث سے قیام میلاد کے شرک و بدعت ہونے پر استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان کا استدلال اس حدیث سے بالکل غلط ہے اور حضور سرور عالم سے محفل میلاد میں قیام ممنوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ ائمہ کبار جو اس حدیث کے راوی ہیں ان حضرات نے یہ حدیث ضرور سنی ہوگی اور قطعاً روایت کیا اس کے باوجود یہ حضرات

اس امام جلیل الشان سے پوچھتے رہے۔تو قاعدہ یہ ہے کہ معمولی انسان کے افعال سے سند نہیں لائی جاتی بلکہ جو بزرگان دین ہیں ان کے افعال سے سند لائی جاتی ہے۔ ''انما یتمسک بافعال اھل الدین۔'' جو اہل دین و بزرگان دین ہیں ان کے افعال سے سند لائی جاتی ہے، ان کا ایک ایک فعل ایک ایک ادا ہم جیسوں کے لئے حجت ہے ان کا فعل خود یہ بتا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے لئے قیام تعظیمی ثابت ہے بلکہ ان کی تو بڑی شان ہے ان کے غلامان غلام ان کی امت کے اعلام اور اکابر محدثین کے لئے بھی اگر کوئی کھڑا ہو رہا ہے تو ہر قیام ہرگز اس قیام تعظیمی کے مشابہ نہ ہوگا جس سے حضور نے منع فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے لئے قیام ثابت ہے اور ائمہ کبار کا اس پر سختی سے عمل ہے تو حدیث مذکور قیام تعظیمی کے منع پر ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میرے لئے ہرگز ایسے کھڑے نہ ہو جیسا کہ کافر و غیر مسلم ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں یعنی میری تعظیم اس طور پر نہیں کی جائے گی جیسا کہ کافر و غیر مسلم ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جس کا مرجع وہ اعتقاد ہے۔ تو تعظیم کا لفظ خود اعتقاد پر قرینہ ہے وہ ان کی تکریم کرتے ہیں اور ان کو اس طور پر معظم جانتے ہیں جس طور پر وہ کرتے ہیں۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ مجھ کو اس طور پر مت سمجھو جس طور پر اعاجم اپنے بادشاہوں کو سمجھتے ہیں بلکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ میری تعظیم درحقیقت اللہ کی تعظیم ہے۔

منع تعظیم والی حدیث میں تعظیم حیز نفی میں ہے، جس میں ''**تعظیم بعضھم بعضا**'' جملہ فعلیہ محل نصب میں حال واقع ہے اور حال ذوالحال میں قید ہوتا ہے اور اس کی حالت کو بتاتا ہے۔ تو یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل تعظیم سے منع نہیں فرمایا بلکہ تعظیم کی حالت و قید سے ممانعت آئی جس میں مشابہت کفار ہو۔ فی الجملہ حدیث کا مطلب صاف ہے کہ قیام کی خاص حالت سے منع فرمایا ہے اسی طرح تعظیم میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ میری تعظیم اس طور پر نہ کرو جس طرح عجمی کافر لوگ اپنے بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ یعنی مجھے محض عام بادشاہوں کی مثل ایک بادشاہ نہ سمجھو کہ

سرکار ان کی حالت پر نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں ان کی تعظیم اس مالک حقیقی کی تعظیم ہے جو عین ایمان وروح عبادت ہے اس لئے تو ان کے خدا نے ایمان کے بعد ان کی تعظیم کا ذکر کیا۔ اور اپنی عبادت پر مقدم فرمایا کہ ارشاد ہوا ''لتومنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا'' تاکہ تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام خدا کی پاکی بولو۔ مطلب یہ ہوا کہ میری ایسی تعظیم کرو جو دنیا وجہاں کے بادشاہوں سے زیادہ ہو نہ کہ ایسی جو ایک معمولی بادشاہ کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں سے یہ کھلا کہ یہ حدیث قیام تعظیمی برائے سرکار ابد قرار کی ممانعت اصلا نہیں بتاتی بلکہ ایمان والوں کی نماز یہ سکھاتی ہے کہ عبادت اللہ کی کرو اور اس کے لئے توحید وعبادت کا اقرار کرو اس کے حضور میں کھڑے ہو مگر اس طور پر گویا تم ملائکہ وصلحاء وسرور انبیاء ﷺ کے ساتھ ہو پھر کہو ''ایاک نعبد وایاک نستعین۔'' اے اللہ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تلقین فرمایا ہوا صیغہ صاف بتا رہا ہے کہ عبادت الٰہی کے ساتھ محبوبان خدا خصوصاً سرور عالم ﷺ کی تعظیم ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہے اور دونوں میں باہم تلازم کا رشتہ ہے۔

یہ نکتہ ''التحیات'' میں اور زیادہ اجاگر ہو جاتا ہے کہ مصلی کو حکم ہے کہ ''التحیات'' میں خدائے برتر کی ثنا کے بعد حضور ﷺ کو تعظیم کے ساتھ یوں سلام عرض کرے کہ انہیں دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے سامنے جلوہ گر وحاضر وناظر ہیں۔ لہٰذا حکم ہے کہ عرض کرے ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر اپنے اوپر اور جملہ صالحین پر سلام بھیجے اور یوں کہے ''السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین''۔

سرکار کے لئے قیام تعظیمی کی ایک اور نظیر کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادت مستمرہ یہ تھی کہ جب حضور اپنے صحابہ سے رخصت ہوتے تو صحابہ حضور کو کھڑے دیکھتے رہتے، یہاں تک کہ حضور اپنی بعض ازواج مطہرات کے

کاشانہ میں داخل ہوتے۔ یہ فعل اگرچہ صحابہ کا ہے لیکن یہ بھی حضور نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ کو ضرور خبر ہوتی لیکن کبھی منع نہ فرمایا۔

نیز اس بخاری میں ایک اور حدیث آئے گی جس میں ان تین حضرات صالحین کا ذکر ہے جو کسی غار میں تھے اس کا منھ ایک چٹان سے بند ہو گیا ان تینوں نے اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کی ایک صاحب نے اپنا عمل یاد کیا اور اس کے وسیلہ سے دعا کی وہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ لیکر حاضر ہوئے دیکھا کہ ماں باپ سو گئے یہ ان کے جاگنے تک کھڑے رہے تو کیا یہ ماں باپ کے لئے قیام ان کی تعظیم سے خالی تھا؟ ہرگز نہیں! تو جب ماں باپ کی خدمت اور عظمت سے قیام جائز ہے تو کیا گمان ہے اس کے بارے میں جو تمام موجودات کی جان اور تمام لوگوں کا باپ ہے، جس کے لئے قرآن میں ایک قرآت میں آیا ''وھو اب لھم''۔ جن کے بارے میں حضرت امام قسطلانی یوں فرماتے ہیں: ''وھو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الجنس العالی فوق الاجناس والاب الاکبر لجمیع الموجودات والناس''۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جنسوں کے اوپر جنس عالی ہیں ہر جنس ان کے نیچے ہے اسکی تفسیر آگے یہ ہے کہ وہ تمام موجودات اور تمام لوگوں کے بڑے باپ ہیں۔

ان کی ولادت ۱۲۰ھ میں ہوئی اور وصال ۱۹۸ھ میں ہوا ان کی حدیث تمام اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے۔

(۳) شعبہ بن حجاج واسطی ہیں۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۴) قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمر بن ربیعہ بن حارث بن سدوس بن شیبان بن ذھل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن بکر بن وائل سدوسی بصری ہیں اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ انہوں نے انس بن مالک، ابو طفیل عامر واثلہ و دیگر صحابہ کرام سے حدیث سنی ہے۔ اور ان سے روایت کیا ہے سفیان تیمی، ایوب سختیانی، اعمش، شعبہ، اوزاعی اور دوسرے بہت سارے محدثین کرام نے۔ ان کی جلالت شان وحفظ

حدیث پر تمام محدثین کا اجماع ہے، آپ نابینا پیدا ہوئے۔ اور زمخشری نے کہا ہے کہ اس امت میں حضرت قتادہ کے سوا کوئی بھی پیدائشی نابینا نہ ہوا کہا جاتا ہے ان کا انتقال ۱۱۷ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۱۱۸ھ میں واسط میں ہوا۔ ان کی عمر شریف ۵۷ یا ۵۸ سال تھی۔ اور تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ اور صحاح ستہ میں قتادہ نام کے یہی ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

(۵) حسین معلم ہیں۔ ان کا نسب "ذکوان" اور لقب "معلم" ہے یہ بھی بصری ہیں انہوں نے عطاء بن ابی رواح اور قتادہ ودیگر تابعین سے حدیث سنی ہے اور ان سے شعبہ، ابن مبارک یحیٰ بن قطان وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور یحیٰ بن معین اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور جماعت محدثین نے ان کی روایت کو لیا ہے۔

(۶) انس بن مالک صحابی جلیل ہیں، ان کا نسب ہے انس بن مالک بن نضر بن "ضمضم" بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری ان کی کنیت ابو حمزہ ہے یہ حضور ﷺ کے خادم ہیں۔ اور خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت دس سال کی ہے اور اس میں رسول کا کرم یہ بتایا کہ جو کام میں نے کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا ایسا کیوں نہیں کیا وغیرہ۔

حضور ﷺ کے شمائل کے بارے میں ایک حدیث آگے آئے گی فرماتے ہیں: میں نے حضور کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کوئی چیز نہ دیکھی اور حضور کی خوشبو مبارک سے بہتر کوئی خوشبو نہ سونگھی۔ دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں محدثین نے ان کی روایت کی ہیں بخاری و مسلم میں ان کی ایک سو اڑسٹھ احادیث متفق علیہ ہیں۔ اور بخاری نے تنہا ان کی ۹۳/احادیث روایت کی ہیں اور مسلم نے ان کی ۹۱ حدیثیں ذکر کی ہیں۔ صحابہ میں سب سے زیادہ اولاد انس بن مالک کی تھی، اور ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ میں انس کو سرکار کی خدمت میں دے کر کے آئی تو کہا "خویدمک انس" یہ آپ کا چھوٹا خادم انس ہے۔ تو سرکار نے دعا فرمائی "اللھم بارک فی مالہ وولدہ

واطل عمرہ واغفر ذنبہ‘‘۔اے اللہ اس کے مال واولاد میں برکت فرما، ان کی عمر دراز کر، اوران کے گناہ کی مغفرت فرما۔ انس بن مالک فرماتے ہیں: میں نے اپنی اولاد کو دفن کیا ان کی تعداد اٹھانوے ہے۔ اور سرکار کی دعا کی برکت سے تھی کہ ان کا باغ سال میں دوبار پھلتا تھا۔ ایک گلاب کا تھا اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اور فرماتے ہیں کہ میری عمر اتنی طویل ہوئی کہ میں زندگی سے اکتا گیا۔ حضور نے میرے لئے تیسری دعا مغفرت کی کی ہے تو میری مغفرت ضرور ہوگی کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ایک سوسال سے زیادہ ہوئی۔ بصری میں جن صحابہ کا انتقال ہوا ان میں یہ آخری تھے ۔محمد بن سیرین نے ان کو غسل دیا۔ ان کا وصال ۹۳ھ میں ہوا اور آپ اپنے محل میں مدفون ہوئے جو بصریٰ سے ایک فرسخ کی دوری پر ہے۔ اوران کی کنیت ’’ابو حمزہ‘‘ کیوں ہوئی؟ آپ کو ترکاری یعنی لوکی پسند تھی جس کے بارے میں ان کی ایک روایت ہے: کہ میں تجھ کو اس لئے پسند کرتا ہوں کہ نبی تجھ سے محبت کرتے تھے۔ ان کی حدیث بھی اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہیں۔

لطائف اسناد کابیان : یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ نوادر بخاری اور غرائب اسناد سے ہے کہ یہ ساری کی ساری اسناد اوراس کے سب رواۃ بصری ہیں، اور اس سے پہلے جو باب گزرا اس کے سب رواۃ کوفی ہیں، اس کے اوپر جو باب گزرا اس کے سارے رواۃ مصری ہیں۔ اور لطائف اسناد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت امام بخاری نے دو سندیں ذکر فرمائی ہیں یہاں پر دوسری سند میں جو’’ عن حسین المعلم‘‘ ہے وہ شعبہ پر معطوف ہے لیکن حرف عطف ذکر نہیں کیا ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے’’**عن شعبة عن حسين كلاهما عن قتادة**‘‘ یعنی امام بخاری کی سند میں انہوں نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور شعبہ اور حسین نے روایت کیا ہے قتادہ سے، اور انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب دونوں نے قتادہ سے روایت کی تھی تو یہ کیوں نہ کہا

"عن شعبة و حسين عن قتادة" یعنی دونوں کو اکٹھا کیوں نہیں کیا؟ کہتے ہیں ان دونوں کو اس لئے اکٹھا ذکر نہیں کیا کہ شیخ بخاری نے ان دونوں کو تنہا تنہا ذکر کیا ہے تو حضرت امام بخاری نے یہاں پر اقتصار کے طور پر عطف کے ساتھ ذکر کیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ شعبہ نے کہا "عن قتادہ" یعنی اس میں انہوں نے "عنعنہ" سے کام لیا اور "حسین معلم" نے کہا "حدثنا قتادة" یعنی وہاں تحدیث ہے اس لئے ان دونوں کو الگ الگ ذکر کیا۔ محدثین نے کہا ہے ان کی جو حدیث ہے وہ معلق ہے کہتے ہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں ابراہیم مزجی کی سند سے اس کو روایت کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں "مسدد" سے وہ روایت کرتے ہیں یحیٰی قطان سے اور وہ روایت کرتے ہیں "حسین معلم" سے۔ اب یہاں پر ایک اعتراض یہ ہے کہ قتادہ جو تابعی جلیل ہیں وہ "مدلس" ہیں۔ تدلیس وہ ہے کہ راوی اپنے اوپر کے کسی راوی سے روایت کرے، اور اس میں ابہام ہو کہ اس نے وہ حدیث اپنے اوپر کے راوی سے سنی ہے، حالانکہ واقعہ اس کے برخلاف ہو یہ تدلیس ہے۔ اور اصول حدیث میں یہ ایک طرح کی جرح ہے جس سے راوی مجروح قرار دیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور میں قتادہ نے سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ یعنی انہوں نے "عن انس" کہا ہے اور شعبہ کی روایت میں یوں نہیں کہا ہے "سمعت انسا" میں انس کو سنا۔ لیکن اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ احمد بن حنبل اور نسائی نے اپنی روایت میں اسکی تصریح کردی ہے کہ قتادہ نے یہ حدیث انس بن مالک سے سنی ہے تو انہوں نے اس طور پر کہا ہے "عن قتادة قال سمعت انسا" کہ میں نے انس بن مالک سے سنا تو اب اس خاص حدیث میں تدلیس کی تہمت منتفی ہو گئی۔

تعدد مقامات کا بیان :امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا اور امام ترمذی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

"باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان"۔

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان میں سے ہے۔ یہاں پر لفظ باب خبر واقع ہے مبتدا محذوف ہے یعنی ''ھٰذا باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان'' اس میں تین وجہیں جائز ہیں :

(۱) اس لفظ باب کو مرفوع پڑھا جائے اضافت کے ساتھ اور یہ خبر ہو اور اس کا مبتدا محذوف ہو۔

(۲) یوں بھی پڑھ سکتے ہیں ''باب حب الرسول من الایمان'' یعنی لفظ باب کو تنوین کے ساتھ پڑھا جائے اور اس صورت میں بھی لفظ باب خبر ہے اور مبتدا ''ھٰذا'' محذوف ہے۔

(۳) اور ایک وجہ یہ ہیکہ باب کو مبنی علی السکون پڑھا جائے جیسے اسماے اعداد سکون کے ساتھ ہوتے ہیں۔

یہاں پر امام بخاری نے پہلے کی بہ نسبت طرز بدل دیا اور کہا ''من الایمان'' کہ ایمان یہ شعبہ ہے، اور یہ باتیں ایمان سے ہیں۔ اور یہاں پر یوں فرمایا'' حب الرسول من الایمان'' یعنی وہاں پہلے خبر مقدم مبتدا موخر لائے اور یہاں مبتدا کو حسب قاعدہ (کہ مبتدا کے لئے صدر کلام ہے) لائے۔ تو یہاں پر وجہ تفنن عبارت نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مستحق تقدیم ہے، اگر سابق طرز پر من الایمان حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا تو لفظ ''رسول'' بعد میں واقع ہوتا، لہٰذا ''ادبا'' رسول کے ذکر کو پہلے کرنے کیلئے یوں کہا ''حب الرسول من الایمان''۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول کا ذکر موجب لذت ہے لہٰذا طلب لذت کے لئے ان کے ذکر کو مقدم کیا۔ اور سب سے اہم و اعلیٰ نکتہ یہ ہے کہ حب الرسول عین الایمان رسول کی محبت عین ایمان ہے اگر وہ نہ ہوتے تو ایمان نہ ہوتا۔ جسکو اعلیٰ حضرت یوں بیان کرتے ہیں۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

"فو الذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین" یہاں پر حضور سرور عالم ﷺ نے اس مضمون کو قسم کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور بعض مرتبہ قسم اس وقت بھی کھائی جاتی ہے جب کوئی قسم کھلانے والا نہ ہو حالانکہ عام معاملات میں یہ ہوتا ہے کہ جب قسم کھانے کی ضرورت ہو اور کوئی مطالبہ کرے تو قسم کھائے اور اگر کوئی قسم کا مطالبہ نہیں کر رہا ہے اور وہ قسم کھائے تو یہ معیوب ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کچھ لوگ اپنے دعوے کو بھاری بھرکم کرنے کے لئے قسم کھائیں گے، ان سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا لیکن وہ اپنے دعویٰ کاذبہ کو بھاری کرنے کے لئے قسم کھائیں گے۔ یہاں پر حضور ﷺ نے اپنے طرز بیان سے یہ ظاہر کیا کہ آپ کا یہ قسم کھانا "حاشا وکلا" اس قبیل سے تو نہیں ہو سکتا بلکہ آپ نے تعلیم امت کے لئے یہ ارشاد فرمایا اور یہ بتایا کہ جب کوئی امر مہم تاکید کا متقاضی ہو تو اس کی پختگی کے لئے قسم کھائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی سرکار نے اس امر عظیم کی تاکید کو بیان کرنے کے لئے اللہ کی قسم یاد فرمائی۔ اس سے مستفاد ہوا کہ امر مہم پر قسم کھانا جائز ہے، اگرچہ کوئی قسم کھلانے والا اور مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ کہ یہ اس قبیل سے نہیں ہے جسکی مذمت احادیث میں آئی ہے۔ اگر واقعی اور احتمال کا طالب ہے تو آدمی تاکید کے لئے اور اسکی اہمیت بتانے کے لئے قسم کھا سکتا ہے۔ یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں لفظ ید استعمال فرمایا یعنی اللہ کے لئے "دست"، "ہاتھ" کا اطلاق فرمایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے یہ امر مقرر ہے کہ وہ جسم وہ جسمانیات سے پاک پاک ومنزہ ہے اور وہ جسم کے اجزاء سے بھی پاک ہے، کیونکہ وہ واحد حقیقی ہے اور واحد حقیقی کا سوا کوئی واحد نہیں ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر چیز اجزاء سے مرکب ہے ہم اہل سنت وجماعت کے نزدیک جسم جواہر فردہ سے مرکب ہے، اللہ تعالیٰ جسم نہیں اور ماسوی اللہ جسم ہے اور ذو اجزاء ہے۔

جب وہ واحد حقیقی ہے اس کے اجزا نہیں تو اس کا ہاتھ نہیں ہوگا لہٰذا قرآن کریم یا حدیث پاک میں جو ایسے الفاظ آئے ہیں کہ جن کا ظاہر اللہ کے حق میں نہیں بن سکتا ہے یہ الفاظ متشابہات کہلاتے ہیں۔ اور متشابہات میں اہل سنت و جماعت کے دو گروہ ہیں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جو کلمہ قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہم اسی کا اجرا کرتے ہیں اور اس کی تفسیر ہم نہیں کرتے اس کا معنیٰ ہم نہیں بتاتے اور یہ بھی ہے کہ جو اس کا ظاہری معنیٰ ہے ہم اللہ کو اس سے منزہ جانتے ہیں۔ لیکن جب اللہ ﷻ کے حق میں اس کا استعمال ہوا تو کیا مراد ہے؟ تو کہتے ہیں کہ اس کی مراد حقیقی ہم کو نہیں معلوم اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کی مراد پر ہمیں کوئی علم نہیں ہے اور اس کی مراد جاننے کی طرف ہمیں کوئی راستہ نہیں لہٰذا ظاہر سے ہم اس کو منزہ جانتے ہیں اور اس کی مراد ہم اللہ تعالیٰ کو سپرد کرتے ہیں یہ مذہب اصلاً ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا حرام ہے جیسا کہ وہابیہ اور ابن تیمیہ اور اس کے متبعین خیال کرتے ہیں۔ جب ہم نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس لفظ کے ظاہر سے منزہ ہے اور اسکی مراد حقیقی ہم کو نہیں معلوم تو یہ تاویل تو ہو گئی لیکن یہ کہ اس تاویل کو ہم نے دل میں رکھا اور اللہ تعالیٰ کی اس سے کیا مراد ہے اس کو اللہ کے سپرد کر دیا اور ظاہری معنیٰ سے اس کو منزہ جانا۔

متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کے اعتقاد ضعیف ہوئے اور ان کا ایمان کمزور ہوا اور بدعتی و گمراہ لوگ ظاہر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کے لئے طریقہ تاویل رائج کیا اور طریقہ تاویل یہ احکم ہے اس میں عوام کے عقیدے کی زیادہ حفاظت ہے دونوں طریقے اہل سنت و جماعت کے ہیں۔ لہٰذا اب "ید" سے سند کے طور پر کیا مراد ہے اس کے ظاہری معنیٰ سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے اور اسکی مراد حقیقی کا ہم کو علم نہیں ہے اس کی مراد اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

اور متاخرین کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ "ید" بول کہ قدرت مراد لی ہے یعنی جیسا کہ آدمی کے ہاتھ کے ذریعہ سے کام ہوتے ہیں تو ہاتھ اس کی قدرت کا مظہر ہے

اسی طرح سے یہاں پر ''ید'' بول کر اللہ تعالیٰ کی قدرت مراد ہے یعنی اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

''ھو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب''

(ترجمہ) وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جنکے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

اس میں قرآن کریم نے بھی صاف بیان کر دیا کہ تاویل وہی منع ہے جس میں فساد فی الدین ہو اور ایسی تاویل کہ جس میں اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کی حفاظت ہو اور دین میں فتنہ نہ ہو وہ تاویل منع نہیں ہے یہاں پر اس آیت کریمہ کی قرأت میں اختلاف ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی مراد اللہ جانے ہمیں اس کی مراد قطعی معلوم نہیں ہے تو وہ ''وما یعلم تاویله الا اللہ'' پر وقف کرتے ہیں ''والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا'' یہ جملہ الگ ہے ''والراسخون فی العلم'' یہ مبتدا ہے اور یقولون آمنا به الخ یہ اس کی خبر ہے اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کی جائے گی اس کی تاویل اللہ ورسول کے بتانے سے ہم کو بھی معلوم ہے وہ اس طریقہ پر پڑھتے ہیں۔ وما یعلم تاویله الا اللہ والراسخون فی

العلم - اس کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور یہ کہ علم والے بھی اس کی تاویل جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے تھے ''انا ممن یعلم تاویلہ'' میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔ اور اسی مضمون کی وہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا کی اور فرمایا: ''اللھم فقھہ فی الدین'' اے اللہ! اسے دین کا فقیہ بنا۔ ''وعلمہ التاویل'' اور اس کو قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔ اور بھی دوسرے لوگوں سے اس قسم کا مضمون مروی ہے۔ لہٰذا جس طرح سے اللہ کے کلام میں متشابہات ہیں ویسے ہی رسول کے کلام میں متشابہات ہوتے ہیں تو یہاں پر یہ حدیث از قبیل متشابہات ہے اور جیسے سرکار دو عالم ﷺ کے کلام میں متشابہات ہیں ویسے ہی اولیائے کرام کے کلام میں بھی کچھ متشابہات ہوتے ہیں جن کی تاویل واجب ہوتی ہے اس کو وہ لوگ جانتے ہیں جو علمائے عاملین ائمہ دین اولیائے کاملین کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں اور ان کے اسرار و رموز و اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور میں جو نفی ہے وہ کمال ایمان کی نفی ہے اصل ایمان کی نہیں ہے یعنی تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوگا جب تک اس درجہ محبت پر فائز نہ ہوگا کہ مجھ کو اپنی اولاد و باپ سے زیادہ پیارہ جانے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اصل محبت یہ ایمان سے اور عین ایمان ہے اور اتنا عقیدہ رکھنا کہ حضور سرور عالم ﷺ میرے لئے سب سے افضل دنیا و جہاں سے افضل ہیں یہی اصل ایمان ہے۔ ہاں البتہ اس اعتقاد کا ''تخلق بالفعل'' تو لوگوں کے مراتب اس بارے میں مختلف ہیں: ان میں سب سے عظیم مرتبہ صحابہ کرام کا ہے کہ ان کو حضور سرور عالم ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور انہوں نے اپنی جانیں جگر پارے اور خاندان والوں کو حضور پر قربان کردیا اس سیرت حمیدہ کا سب سے بڑا حصہ صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ملا۔

حدیث مذکور میں حب الایمان سے مراد ایک خاص خصلت ہے وہ یہ ہیکہ جس کے دل میں حضور سرور عالم ﷺ کی محبت گھر کرلیتی ہے، راسخ ہوجاتی ہے تو حضرت

حسان بن ثابت کی مثل وہ پکارتا ہے ''ان ابی و والدتی و بعرض محمد منکم فداء؛ کفار قریش سے مخاطب ہو کر منبر رسول پر کھڑے ہو کر رسول کے سامنے عرض کر رہے ہیں اور حضور سرور عالم یہ سن رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔ حسان بن ثابت کہہ رہے ہیں" میرے باپ اور ماں میری آبرو سب کچھ محمد ﷺ پر قربان ہیں " یہ عقیدہ ہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے یہ کر کے دکھایا۔ تو یہاں پر مراد بذل نفس ہے کہ سرکار کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہنا جب تک یہ نہ کرے تو وہ مومن کامل نہ ہوگا۔ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں ارشاد ہوا'' یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین '' اے نبی تمھیں اللہ کافی ہے اور مومنوں میں جو تمہارے پیروکار ہیں۔ مراد ان سے یہ ہے کہ وہ مسلمان جو تمہارے لئے اپنی جان دے دیں وہ کافی ہیں۔

حضرت ابوالزناد جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضور ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ہے کہ کلمات بہت مختصر ہیں اور معانی بہت زیادہ ہیں اس لئے کہ محبت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ محبت جس میں اجلال و اعظام ہو کہ میرے ساتھ کسی نے احسان کیا مثلا روٹی کھلائی یا کپڑا پہنایا تو یہ آدمیوں کی فطرت میں ہے لوگوں کے دلوں کو اللہ نے اس فطرت پر رکھا ہے کہ اسکے ساتھ کوئی احسان کرے تو دل اسکی طرف مائل ہوتا ہے اور جو ان کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آتا ہے تو دل اسکو مبغوض رکھتا ہے یہاں پر محبت اجلال و تعظیم کے لئے ہے۔

(۲) وہ محبت جس میں شفقت و رحمت ہو جیسے باپ اپنے بیٹے سے بڑا اپنے چھوٹے سے محبت کرتا ہے۔

(۳) محسن کے ساتھ محبت کرنا یہ بھی ضروری ہے حضور ﷺ ان تینوں محبتوں کے بدرجہ اتم مستحق ہیں اور اسکے جامع ہیں حضور نے ان کلمات میں تینوں محبتوں کا احاطہ فرمایا۔ محبت اجلال کا تقاضہ یہ ہوا کہ مجھ سے آدمی محبت کرے جتنی اپنے باپ اور

بڑوں کی عزت کرتا ہے میری عزت ان سے زیادہ کرے اور میں ان سے زیادہ محبت کا مستحق ہوں اور محبت احسان کی بنا پر کی جاتی ہے تو میرا احسان تمام مخلوقات اور تمام کائنات پر ہے اگر میرا احسان نہ ہوتا تو کائنات وجود میں نہ آتی لہذا حضور اس تیسری محبت کے بھی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اسی محبت سے یہ ہے کہ حضور کی سنت کی مدد کرے ان کی شریعت کا دفاع کرے ان کے لئے جاں نثاری کا جذبہ رکھے اور یہ تمنا رکھے کہ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ہوتا تو میں ان کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ حضور کی محبت کا درجہ بہت بڑا ہے اور یہی عین ایمان ہے۔ ان کی محبت ایمان کی حقیقت میں داخل ہے سب سے افضل حضور کو جانے حضور کی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہے باپ بیٹے تمام محسنین پر حضور کی قدر و منزلت جانے اور سب سے بڑا محسن حضور سرور عالم ﷺ کو سمجھے۔

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو اس کے خلاف کا اعتقاد کرے وہ مومن نہیں ہے مومن وہی ہے جو اس طور پر حضور سے محبت کرے۔

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر مال و زر اولاد سے پیارا

یہاں پر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی ایمان افروز بات بیان فرمائی چنانچہ "اکمال المعلم" شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ "و من الاشفاق فی محبتہ نصرۃ سنتہ و الدفاع عن شریعتہ و تمنی حضور حیاتہ و یبذل نفسہ و مالہ و عمرہ و اذا تحقق ما ذکرنا تبین ان حقیقۃ الایمان لا تتم الا بذالک و لا یتم الایمان الا باضافۃ قدر النبی ﷺ و منزلتہ علی کل والد و ولد و محسن و متفضل و الذی یعتقد سواہ فلیس بمومن" یعنی حضور ﷺ کی محبت میں شفقت کی قبیل سے ان کی سنت کی نصرت اور شریعت کی حمایت اور یہ تمنا کرنا کہ حضور کی حیات ظاہری میں ہوتا تو اپنی جان و مال ان پر قربان کرتا تو روشن ہوا کہ ایمان کی حقیقت اس کے بغیر پوری نہیں ہوتی اور ایمان صحیح حاصل نہیں ہوتا جب تک

حضور کی منزلت اصل و فرع والد ولد اور محسن وصاحب فضل سے زیادہ نہ جانے تو جو یہ عقیدہ نہ رکھے بلکہ اس کے علاوہ دوسرا عقیدہ رکھے وہ مومن نہیں ہے۔

علامہ عینی رضی اللہ تعالی عنہ نے قاضی عیاض کی اس عبارت پر امام قرطبی کا اعتراض درج کیا چنانچہ فرماتے ہیں:

"ظاهر كلام القاضى عياض صرف المحبة الى اعتقاد تعظيمه واجلاله ولاشك فى كفر من لا يعتقد ذالك غير انه ليس المراد بهذا الحديث الاعتقاد الاعظمى لانه ليس بمحبته ولا مستلزماً اذ قد يجد الانسان اعظام شيء مع خلوه عن محبته قال من لم يجد الانسان لم يكمل ايمانه على ان كلّ من آمن ايماناً صحيحاً لا يخلوا من تلك المحبته"۔

خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ بظاہر قاضی عیاض نے محبت کی حدیث مذکور کو حضور ﷺ کی تعظیم شان واجلال منزلت کی طرف پھیرا ہے۔ بیشک جو اسکا اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے مگر حدیث کی مراد اعتقاد اعظمیت نہیں کیوں کہ اعتقاد افضلیت نہ تو محبت ہے اور نہ محبت کو مستلزم ہے اس لئے کہ آدمی کسی شئی کی عظمت اپنے وجدان سے جانتا ہے حالانکہ وہ اپنے دل میں اس کی محبت نہیں پاتا ہے بنابریں جو اپنے جی میں یہ معنی نہ پائے اس کا ایمان کامل نہ ہوگا۔ مزید براں ہر شخص جو ایمان صحیح رکھتا ہے وہ اس محبت سے خالی نہیں ہے یہ آخری جملہ یعنی "ہر وہ شخص جو ایمان صحیح رکھتا ہے" حضرت امام قاضی عیاض کی صاف تائید وتوثیق ہے اور یہ صاف اقرار ہے ایسی محبت کا کہ جس کی تفسیر قاضی عیاض سے گزری اعتقاد تعظیم واجلال سے خالی نہیں ہے اور وہ مدار صحت ایمان ہے تو اخیر فقرہ قرطبی نے جو فرمایا اس کے مناقض ہے۔ لہذا یہ دعویٰ کہ اعتقاد اعظمیت محبت نہیں ہے اور نہ اس کو مستلزم ہے، محل منع میں ہے ان کا اخیر فقرہ اس کو رد کرتا ہے۔ پھر کسی شخص کا اس کو محسوس نہ کرنا یہ اس کی

دلیل نہیں کہ اعتقاد اعظمیت محبت سے ناشی نہیں حضرت امام عینی نے حضرت عمرو بن عاص سے ایک اور ایمان افروز بات نقل فرمائی ہے۔قال عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ ما کان احب الی من رسول اللہ ﷺ و لا اجل فی عینی عنہ و ما کنت اطیق ان املاء عینی منہ اجلالا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں ہے اور آپ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں جلیل نہیں ہے اور حضور ﷺ کے اجلال کی وجہ سے میں آپ کو آنکھ بھر کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

حضرت عمرو بن عاص نے اپنے اس ارشاد سے جملہ اہل ایمان خصوصاصحابہ کرام کی ترجمانی فرمائی کہ حضور کی محبت اور انکی تعظیم میں رشتہ تلازم ہے کہ یہ دونوں چیزیں باہم ایک ساتھ پائی جائیں گی اور ایک مومن کا نقشہ انہوں نے کھینچ دیا اور بتا دیا کہ مومن اس شان کا ہوتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب یہ حدیث سنی عرض کی یارسول اللہ! **انت احب من کل شی الا نفسی** ،اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔حضور نے فرمایا: ومن نفسک یا عمر! یعنی ایمان اس وقت تک کامل نہ ہوگا جب تک اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔یہ سن کر عمر بولے: ومن نفسی اب حضور ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔سرکار نے فرمایا: الآن یا عمر! اے عمر اب تم مومن کامل ہو۔اس ارشاد اقدس سے صاف معلوم ہوا کہ حدیث پاک میں والد ولد کا ذکر محض اتفاقی ہے اور اس حدیث کا مفہوم آدمی کی جان والد ولد و سارے جہان کو شامل ہے۔اور آقا کریم کا حضرت عمر سے "الآن یا عمر" فرمانا یہ بتا دیتا ہے کہ حضور ﷺ جس طرح حاکم شرع ہیں اللہ تعالی کی جانب سے آمر و ناھی ہیں اسی طرح ان کی زبان سے حکم تکوینی بھی ادا ہوتا ہے اور انکی زبان کن کی کنجی ہے۔حضرت عمر نے اپنی حالت وہ بتائی کہ مجھے اپنی جان کے سوا ہر شی سے زیادہ محبت ہے سرکار

نے ان کے دل میں تصرف فرمایا اور اپنی محبت اس شان کی عطا فرمادی کہ عمر بول اٹھے اب میری حالت بدل گی ہے اب حضور مجھے میری جان سے زیادہ پیارے ہیں اسی کو اعلیٰ حضرت نے یوں فرمایا۔

وہ زباں جسکو سب کن کی کنجی کہیں
اسکی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

محبت کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ حضور ﷺ کو سب پر ترجیح دے یعنی آپ کی قدر و منزلت والد ولد محسن و متفضل اور تمام جہاں سے زیادہ جانے یہ مدار ایمان ہے اسکے بغیر ایمان کا تحقق نہیں ہوسکتا اسی کے پیش نظر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

”قل ان کان آباؤ کم وابناؤ کم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھاوتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین“

(ترجمہ) یعنی اگر تمہارے باپ دادا بیٹے، پوتے، بھائی، بیویاں، خاندان، وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے گھاٹے کا تمھیں ڈر ہے اور وہ مکان جنھیں تم پسند کرتے ہو تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ بے حکموں کو ہدایت نہیں فرماتا“۔

دوسرا معنی محبت کا ”اختیاری طور پر دل کا جھکنا ہے“ یہ مدار کمال ایمان ہے کہ میلان قلب معرفت کی فرع ہے اور اسی سے ناشی ہے اور سب سے پہلے رشتہ اور سب سے بالا مرتبہ صحابہ کرام کا ہے اسی کے پیش نظر امام عینی نے حدیث کی تشریح

میں پہلے فرمایا کہ "لا یومن ایمانا کاملا" ایمان کامل نہ ہوگا۔ آخر میں جو فرمایا وہ اسی پر محمول ہے چنانچہ فرماتے ہیں: "ھٰذہ المحبۃ لیست باعتقاد تعظیم بل میلان قلب ولکن الناس یتفاوتون فی ذٰلک ولا شک ان حظ الصحابۃ من ھٰذا المعنی اتم لان المحبۃ ثمرۃ المعرفۃ وھم بقدرہ ومنزلتہ اعلم" یہ محبت اعتقاد تعظیمی نہیں بلکہ میلان قلب ہے اور لوگ اس میں برابر نہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس معنی میں صحابہ کا نصیب کامل تر ہے اس لیے کہ محبت شناسائی کا ثمرہ ہے اور صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو زیادہ جانتے ہیں۔

اور قاضی عیاض سے جو پہلے نقل کیا وہ اعتقاد پر محمول ہے یہاں سے ظاہر ہوا کہ حدیث دو پہلو کا احتمال رکھتی ہے جو معنی قاضی عیاض نے بتائے وہ حدیث کا ظاہری مفاد اور اصل اعتقاد ہے و مدار ایمان ہے اور دوسرے معنی میلان قلب کا بھی اسی حدیث میں احتمال ہے جس پر کمال ایمان کا مدار ہے" وبھٰذا القدر حصل التنقیح واندفع ما یوھم التناقض والتدافع بین السابق واللاحق من مقال الامام العینی فالسابق وجہ محمول محمول علیہ واللاحق بینہ وبینھا من کلام الامام القاضی یخصہ": حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "فھو الذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ" اس حدیث میں جو رجال ہیں وہ پانچ ہیں۔

(۱) ابو الیمان حکم بن نافع ان کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

(۲) شعیب بن ابو حمزہ حمص یہ شام کے رہنے والے ہیں ان کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔

(۳) ابو الزناد ہیں۔ اور ان کی کنیت ابو الزناد ہے اور ان کا نام عبد اللہ بن ذکوان مدنی قرشی ہے یہ اپنی اس کنیت سے ناراض ہوتے تھے لیکن کیا کیا جائے کہ وہ اس کنیت سے مشہور ہو گئے اور یہ پہلے گزر چکا کہ شہرت کی بنیاد پر جب کہ

تعریف و پہچان کا مدار اسی پر ہو تو ایسے الفاظ کا ذکر کرنا یہ غیبت مذمومہ نہیں ہے بلکہ یہ عادت محدثین ہے کہ وہ بہت سی جگہ کے لیے ایسے کلمات لاتے ہے جو بظاہر غیبت کے زمرے میں آتے ہیں لیکن یہ غیبت سے مستثنیٰ ہیں۔ انکی دوسری کنیت "ابو عبد الرحمٰن" بھی ہے۔ انکی امامت وجلالت شان پر اتفاق ہے۔ اور سفیان ثوری ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے۔ اور ابو حاتم نے فرمایا کہ ثقہ ہیں اور صاحب سنت ہیں۔ اور یہ ان ائمہ محدثین میں سے ہیں جن سے حجت قائم ہوتی ہے اس لئے کہ ان سے ثقات محدثین نے حدیث روایت کی ہے۔ اور عبد اللہ بن جعفر کے ساتھ انہوں نے ایک جنازے میں شرکت کی لہٰذا اس طور پر یہ صغیر السن ثابت ہوئے۔ اور ان سے تابعین کی جماعتوں ومختلف گروہوں نے حدیث روایت کی ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز نے انہیں عراق کا خراج وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ اور احمد بن حنبل نے کہا کہ "ابو الزناد" کا پایہ فقہ میں "ربیعہ" سے زیادہ ہے۔ اور واقدی کی روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۱۳۰ھ میں اچانک آپ کے غسل خانے میں ہوا اور انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ اور امام بخاری نے افادہ فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو اسانید مروی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح سند "ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرہ" ہے۔ اور ان سے تمام ائمہ محدثین نے روایت کیا ہے۔

(۴) "اعرج" ہیں۔ انکی کنیت ابو داؤد ہے اور انکا نام عبد الرحمٰن بن ہرمز ہے۔ اور یہ تابعی ہیں مدنی قریشی ہیں اور ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اس لئے یہ قریش کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ انہوں نے ابو سلمہ اور عبد الرحمٰن بن القاری سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ان سے زہری یحییٰ انصاری، یحییٰ ابن ابی کثیر ودیگر محدثین نے حدیث روایت کی ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ضابط، عادل، ثقہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۱۷ھ میں اسکندریہ میں ہوا۔ اور ان کی حدیث تمام ائمہ محدثین اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے۔

ایک نکتہ جو دفع التباس کے لیے بہت ضروری ہے وہ یہ کہ امام عینی نے افادہ

فرمایا کہ امام بخاری کی اس سند میں جو "ابوالزناد" عبدالرحمٰن بن ہرمز واقع ہوتے ہیں امام مالک نے ان سے براہ راست اس حدیث کی روایت نہیں کی بلکہ امام مالک اور عبدالرحمٰن بن "ہرمز" کے درمیان ایک واسطہ ہے اور ایک دوسرے "ابن ہرمز" ہیں جن کا نام "عبداللہ" ہے ان سے امام مالک نے بلاواسطہ روایت کی ہے اور ان سے فقہ بھی حاصل کیا ہے یہ علمائے مدینہ میں سے ایک بڑے عالم ہیں باوجود اس کے "عبداللہ بن یزید بن ہرمز قلیل الروایت ہیں۔ ان کا انتقال ۱۷۷ھ میں ہوا لہذا امام مالک جب کہیں "ابن ہرمز" تو اس سے انکی مراد "عبداللہ بن یزید بن ہرمز" ہیں جو مشہور فقیہ ہیں اس لئے کہ "عبدالرحمٰن بن ہرمز" سے انہیں کے واسطے امام مالک روایت کرتے ہیں اور انکی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ اور یہ ابن ہرمز یہاں بھی ہے وہاں بھی تھا تو مقام اشتباہ تھا اس لے امام عینی نے اس کو ذکر کردیا تا کہ اشتباہ دور ہوجائے۔

(۵) ابوہریرہ ہیں جن کا ذکر گزر چکا ہے

لطائف اسناد کا بیان: ہاں پر "تحدیث، عنعنہ واخبار" تینوں ہیں امام بخاری کے نزدیک سب کا مفاد ایک ہے، اور یہ اسناد "شامی، حمص، مدنی" رواۃ پر مشتمل ہے اور لطائف اسناد میں یہ بھی ہے کہ امام دارقطنی کی کتاب "غرائب مالک" میں یہ سند اس طور پر مشتمل ہے" **حدثنا ابو الیمان اخبر نا شعیب قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی سلمة ابن عبدالرحمن عن ابی هریرة**"۔ یعنی غرائب مالک میں انہوں نے "اعرج" کے بعد اعرج و ابوہریرۃ کے درمیان ایک شخص کا اضافہ کیا ہے جو ابوسلمہ بن عبدالرحمن ہیں تو غرائب مالک میں اس حدیث کی سند میں چھ راوی ہیں اور یہاں پر پانچ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ "ابوالزناد" نے یہ حدیث دو طور پر روایت کی ہے ایک میں "اعرج عن ابی هریرة" براہ راست ہے اور ایک میں "اعرج عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی هریرة" ہیں۔ اور یہ زیادتی شاذ ہے ثابت نہیں ہے۔ اور اسماعیل نے اس حدیث کو اس زیادتی کے بغیر

روایت کیا ہے۔

تعدد مقامات کا بیان :امام نسائی نے اپنی سنن میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح کے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے امام بخاری نے اس باب کے تحت دو حدیثیں ذکر کیں ایک بروایت ''اعرج'' حضرت ابوہریرہ سے روایت کی جسکے الفاظ گزر چکے اب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہاں پر دوسری حدیث ذکر کر رہے ہیں فرق یہ ہے کہ اس حدیث میں الفاظ زیادہ ہیں۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک کی حدیث یہ ہے''لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین''،تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے باپ، اس کے بیٹے اور دنیا جہان کے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ حدیث سابق کی تفسیر ہے اور جو ہم نے بیان کیا تھا کہ حضور ﷺ نے والد وولد جو ذکر فرمایا تھا وہ کسی خصوصیت کے لیے نہیں ہے اور قید احترازی کے طور پر نہیں ہے بلکہ باپ اور بیٹے کا ذکر اس لیے ہے کہ آدمی کو وہ دونوں بہت زیادہ عزیز ہوتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنا باپ اور اپنا بیٹا اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے تو مقصد یہ ہے کہ جب سب سے افضل باعتبار محبت اس کا ذکر کر دیا گیا تو باقی لوگوں کا ذکر خود بخود ہو گیا۔ اور حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مومن کامل اسی وقت ہوگا جب آدمی حضور ﷺ کو اپنے باپ بیٹے اور دنیا جہان کے سارے لوگوں سے زیادہ چاہے اور ان سے محبت رکھے تو اس حدیث میں جو عموم وہاں پر مراد لیا گیا تھا اس کی تصریح نہیں کی اس عموم کی اس حدیث میں تصریح ہوگئی۔ اور یہ حدیث گویا کہ اسی حدیث کی تفسیر ہے۔ اور یہاں سے ایک بات یہ ثابت ہوگئی کہ والد، ولد اور ناس کی تصریح تو ہوگئی اب اس میں آدمی کی جان اس عموم کے اندر داخل ہے کہ نہیں؟ جواب صاف ہے کہ جب ''والناس اجمعین'' فرمادیا کہ سارے لوگوں سے زیادہ وہ مجھے چاہے تو اس کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔ اور اس پر ہم نے حدیث سابق کی تشریح میں جو حضرت عمر کا واقعہ ذکر کیا تھا وہ اس بات کی تصریح ہے کہ اس عموم میں آدمی کی جان بھی

داخل ہے۔اوراس پر ایک مومن کے لیے قرآن کی شہادت کی کافی ہے کہ قرآن نے فرمایا ''النبی اولی بالمومنین من انفسھم'' نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے زیادہ حقدار ہیں یعنی آدمی کو اپنی جان کے اوپر ایک قسم کی ولایت واختیار حاصل ہوتا ہے آیت کریمہ یہ بتا رہی ہے کہ محبت کے اور ولایت کے اعتبار سے اور قرب کے لحاظ سے نبی کو مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ حق حاصل ہے ان کی جانوں پر۔اسی لئے حضرت سیف بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ آدمی کو ایمان کی چاشنی حاصل نہیں ہوگی یہاں تک کہ حضور ﷺ کی ولایت کا اختیار وہ تمام احوال میں اپنے نفس پر مسلم مانے اور اس اختیار کو اپنے نفس پر تسلیم کرے اور یہ معنی متعدد آیات سے مئوید ہے۔رب کریم قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے:۔فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔یعنی تیرے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک تم کو اپنا حاکم نہ مان لیں ان معاملات میں جو ان کے درمیان رونما ہوئے اور جس کی بنا پر ان میں جھگڑا ہے اور پھر جب تم فیصلہ فرماؤ اس فیصلے کے بارے میں کوئی حرج وتنگی نہ پائیں اور اپنے آپکو بالکلیہ تمہارے سپرد کردیں اپنی جان ومال اور اپنا سب کچھ وہ تمہارے سپرد کردیں جب یہ ایسا کریں گے تو یہ مومن کامل ہوں گے۔آیت مذکورہ میں تسلیم کے دو معنی ہیں (۱) مان لینا (۲) بالکل سپرد کردینا دونوں معنی پر یہ آیت کریمہ نص ہے کہ سرکار کے حکم کو بے چون چرا مانو بلکہ ان کی ولایت واختیار ایسا تسلیم کرو کہ اپنی جان اور سب کچھ ان کے سپرد کردو یہی تو ہے جس کو اعلی حضرت عظیم البرکت نے یوں ادا کیا ع:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب ومحب میں نہیں میرا تیرا

یہاں دونوں حدیثوں کو ملانے سے صاف واضح ہے کہ ایک ہی حدیث کبھی اس لفظ سے روایت ہوتی ہے اور کبھی دوسرے الفاظ سے روایت ہوتی ہے اور ایک

ہی حدیث میں راویان حدیث کا مختلف طور پر تصرف ہوتا ہے یہاں تو کم فرق ہے مگر یہی حدیث اس طور پر بھی روایت ہوتی ہے''۔لا یومن الرجل حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین'' یہاں پر''احدکم'' کی جگہ الرجل کہا کہ آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔اور ایک روایت میں ایسا آیا ہے کہ''ابن خزیمہ'' نے شیخ بخاری یعقوب بن ابراھیم کی روایت سے روایت کیا اور وہی سند جو اس بخاری میں ہے یعنی عبد العزیز بن صہیب سے آخر سند تک اسی طریقہ پر روایت کیا اس میں یہ ہے کہ:

''لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من اھلہ وولدہ ومالہ والناس اجمعین''

اب یہ مختلف الفاظ سے حدیث مروی ہوئی اور یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضور ﷺ نے چند بار میں یہ حدیث ارشاد فرمائی ہو۔ابوہریرہ نے اس طور پر سنی تو انہوں نے یوں روایت کی۔انس بن مالک نے اس طور پر سنی تو یوں بیان کی پھر امام مالک سے کسی اور طور پہ روایت ہوئی یہ متعدد احوال واوقات پر محمول ہے یا یہ کہ جن صاحب کو جو لفظ یاد رہ گیا انہوں نے ویسے ہی روایت کر دیا یا الفاظ یاد نہیں رہے تو بالمعنیٰ روایت کر دیا اور یہ حدیث میں تصرف ہے جو ہوتا چلا آیا ہے اور ایک ہی حدیث کئی طریقوں سے مروی ہوتی ہے۔

امام عینی نے بیان کیا کہ امام بخاری نے یہاں پر دو سند ذکر کی ہیں۔

(۱)''حدثنا یعقوب بن ابراھیم قال حدثنا ابن علیۃ عن عبد العزیز بن صھیب عن بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔''

(۲)''حدثنا آدم قال حدثنا شعبۃ حدثنا قتادۃ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین''

حدیث کے الفاظ بیان کرنے سے پہلے امام بخاری نے دوسری سند بھی ذکر کر دی اس کے بعد متن حدیث بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سندوں سے

مروی حدیث کے الفاظ ایک ہی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تو سوال پیدا ہوا کہ امام بخاری نے پھر ایسا کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کریمہ ہے کہ اصل معنیٰ پر نظر رکھتے ہوئے وہ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں کہ سندیں دوذ کر دیتے ہیں اور متن جو ایک سند کا ہے اس کو ذکر کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ امام بخاری نے ''قتادہ'' کے الفاظ ذکر کیے عبدالعزیز بن صہیب کے ذکر نہیں کیے حالانکہ وہ بھی ان کے مثل ہیں۔ ایسا کیوں؟ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث جو کثرت کے ساتھ گزر چکی ہے ''قتادہ'' کے الفاظ اس روایت کے بالکل مطابق وموافق ہیں تھوڑی سی اس میں زیادتی ہے اس لئے امام بخاری نے ''قتادہ'' کے الفاظ کو ترجیح دی۔

یہاں پر ایک اعتراض یہ ہے کہ قتادہ ''مدلس'' ہیں یعنی بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے اوپر راوی سے حدیث بیان کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس سے یہ حدیث سنی اس کی صراحت نہیں کرتے۔ راوی کے اندر تدلیس ایک قسم کی جرح ہے جو کہ عیب ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت شعبہ بن حجاج کو التزام ہے کہ وہ قتادہ سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے اوپر راوی سے سنی ہو اور یہ پہلے گذر چکا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے ''عن قتادة قال حدثنا ابو هريره''

احوال رواۃ کا بیان :اس حدیث کے سات رجال ہیں:

(۱) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن کثیر بن زید بن افلح دورقی عبدی، یہ احمد بن ابراہیم کے بھائی ہیں اور یہ ان سے بڑے تھے اور صاحب مسند ہیں۔ ان کی تصنیف علم حدیث میں ہے جس کا نام ہے ''مسند یعقوب بن ابراہیم'' یہ ثقہ تھے حافظ احادیث تھے اور ضابط تھے لیث بن سعد سے ان کی ملاقات ہے اور سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سارے لوگوں سے انہوں نے حدیث سنی

ہے اوران سے ان کے بھائی احمد بن ابراھیم' ابوزرعہ' ابوحاتم اوراصحاب کتب ستہ روایت کرتے ہیں ۲۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲) ابن علیہ، ان کا نام اسماعیل ہے اور علیہ ان کی ماں ہیں اوران کے باپ ابراہیم بن سہیل بن مقسم بصری اسدی ہیں اور یہ "اسد خزامہ" کے آزاد کردہ غلام ہونے کی وجہ سے اسی کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اصل میں یہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ یہ رئیس المحدثین ہیں، انہوں نے عبدالعزیز بن صہیب اور ابوایوب سختیانی سے حدیث سنی ہے اور محمد بن منکدر سے بھی چار احادیث سنی ہیں۔ اور احمد بن حنبل نے کہا کہ تثبت حدیث وروایت حدیث کے ثقہ ہونے میں بصرہ کے محدثین میں مرجع ہیں انکے ثقہ ہونے میں ائمہ محدثین کا اتفاق ہے۔ اور خلافت ہارونی کے آخری زمانے میں صدقات وحقوق میں منصب قضا پر والی ہوئے۔ بغداد میں انکی وفات ہوئی اور عبداللہ کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ ان کے بیٹے نے ۱۹۴ھ میں ان پر نماز جنازہ پڑھی، ان کی ماں "علیہ" صاحب شرافت وعقل تھیں صالح مزاج اوراعیان اہل بصرہ ان کے پاس آتے تھے تو یہ ان سے بات کرتی تھیں اوران سے مسائل پوچھتی تھیں ان سے تمام اصحاب کتب ستہ نے حدیث روایت کی ہے۔

(۳) عبدالعزیز نہانی، یہ تابعی ہیں انہوں نے انس بن مالک سے حدیث سنی، اوران سے شعبہ بن حجاج روایت کرتے ہیں۔ اور شعبہ یہ کہتے ہیں کہ "عبدالعزیز عن انس" یہ سند میرے نزدیک "قتادۃ عن انس" سے زیادہ افضل ہے اور انکی توثیق پر محدثین کا اتفاق ہے، اصحاب کتب ستہ نے ان کی حدیث روایت کی ہے ابن قتیبہ نے کہا کہ یہ اور انکے باپ دونوں غلام تھے، ایاس بن معاویہ نے انکی تنہا گواہی کو قبول کیا۔

(۴) "آدم بن ابی ایاس" انکا ذکر پہلے ہو چکا۔

(۵) "شعبہ بن حجاج" انکا بھی ذکر ہو چکا۔

(۶) ''قتادہ بن دعامہ'' انکا بھی ذکر گزر چکا۔

(۷) ''انس بن مالک'' انکا حال بھی ماقبل میں مذکور ہو چکا۔

❑❑❑

باب حلاوۃ الایمان

حدثنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا عبد الوھاب الثقفی قال حدثنا ایوب عن ابی قلابۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرأ لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی محمد بن مثنی نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی "عبدالوہاب ثقفی" نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی ایوب نے وہ روایت کرتے ہیں "ابوقلابہ" سے وہ روایت کرتے ہیں انس بن مالک سے وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے کہ آپ نے ارشاد فرمایا" تین باتیں جس شخص کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی پائے گا یہ کہ اللہ ورسول اس کو ساری مخلوق سے زیادہ پیارے ہوں اور یہ کہ وہ آدمی اگر کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کی محبت کہ وجہ سے اور یہ کہ وہ کافر ہونا ایسے ناپسند رکھے جیسے اس بات کو ناپسند رکھتا ہے کہ اس کو آگ میں ڈالا جائے۔

یہ ترکیب میں مبتدا محذوف کی خبر واقع ہے یعنی "ھذا باب حلاوۃ الایمان" یہ باب ایمان کی حلاوت وچاشنی کے بیان میں ہے۔اس باب کی مناسبت گزشتہ باب سے یہ ہے کہ پہلے باب میں امام بخاری نے وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہیکہ ایمان اس وقت کامل ہوگا کہ جب مجھے آدمی اپنے باپ بیٹے تمام مخلوق سے زیادہ چاہے اور محبوب رکھے یہ سرکار کا ارشاد ہوا اور یہاں پر یہ باب اس بات کو بتانے

کے لئے باندھا ہے کہ اس قسم کی محبت اگر دل میں ہوگی تو اس وقت ایمان کی چاشنی نصیب ہوگی۔ گزشتہ حدیث میں اس محبت کو کمال ایمان بتایا اور یہاں پر اسکی چاشنی کا ذکر کیا ان دونوں کا آپس میں لازم وملزوم کا رشتہ ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی محبت حلاوت ایمان کے قبیل سے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں سب سے اہم بات ذکر کی گئی اور اس باب کی حدیث میں تین باتیں ذکر کریں گے۔ لہٰذا اس باب میں تین باتوں کا مجموعہ ہے اور اس باب کی حدیث کا ایک جزء جو اصل ایمان اور مدار ایمان ہے اہم جزء ورکن ہے اس کو گزشتہ حدیث میں ذکر کر دیا۔ لہٰذا پہلی حدیث میں جزء کا بیان ہے اور دوسری حدیث میں مجموعہ کا کا بیان ہے۔ یہ بھی ایک قوی تر وجہ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اصول اسلام کی ایک اصل عظیم ہے اور امام عینی فرماتے ہیں کہ یہ اصل عظیم کیوں نہ ہو حالانکہ اسکے اندر اللہ ورسول کی محبت کی ترغیب اور اسکا حکم دیا گیا ہے جو اصل ایمان وعین ایمان ہے۔ لہٰذا حقیقت میں اللہ ورسول کی محبت کا دعویٰ اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وہ دوسری محبت پر اللہ ورسول کی محبت کو ترجیح دے اور کفر کو ناپسند کرے اور یہ بات اسی کے حق میں ہوسکتی ہے جس کے دل میں ایمان خوب راسخ ہو جائے ایسی محبت اس کے خون وگوشت میں بس جائے اسی کی یہ حالت ہوگی جب اللہ ورسول کو چاہے گا تو دوسروں کے لیے اللہ ورسول کی محبت کو معیار بنائے گا اور اسی سے محبت کرے گا جسکی نسبت اللہ ورسول سے ہو اور جو اللہ ورسول کا محبوب ہو اور جسکی نسبت اللہ ورسول سے نہ ہو اس سے نفرت کرے گا اور وہ کفر کو اسی طریقہ پر ناپسند کرے گا جیسا کی وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے یہی وہ شخص ہے کہ جس کو حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے۔ ابن بطال نے کہا: کہ بندہ جو اپنے خالق سے محبت کرتا ہے اس کے معنی ہیں ''التزام طاعۃ'' اسکی اطاعت کا التزام کرے اور جس چیز سے اسنے منع فرمایا ہے اس سے باز رہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تعصی الالہ وانت تظہر حبہ

ان المحب لمن یحب یطیع

اللہ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ اس کی محبت کا دعوٰی رکھتا ہے اس کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اور جو جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کا کہنا مانتا ہے۔ لہٰذا جس طریقہ سے اللہ سے محبت کا یہ معنی ہے کہ اس کی اطاعت کا التزام کرے اور جو ممنوعات ہیں ان سے اجتناب کرے ایسے ہی محبت رسول کا معنی یہ ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ کی شریعت کا التزام کرے اور انکو شارع وحاکم اور اللہ کا نائب جانے اور بندے کو ایسی محبت ہوجاتی ہے تو وہ مرتبہ شہود میں ایسا ہوجاتا ہے گویا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور وہ اس کے احوال وحرکات پر خطرات پر مطلع ہے اور ضرور اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھ رہا ہے اور پھر اسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے رسول کو ایسا سمجھتا ہے کہ میرا رسول ہر وقت میرے سامنے ہے دل کے حرکات وسکنات وخطرات پر نظر رکھے ہوئے ہے حاضر وناظر ہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ اللہ تعالی نے رسول کو اس منصب پر مقرر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا، وَّ دَاعِیًا اِلَی اللہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا"

اے محبوب ہم نے تم کو گواہ خوشخبری دینے والا ڈرسناتا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

وہابی کہتا ہے رسول حاضر وناظر نہیں ہیں مگر گواہ مانتا ہے تو یہ اس کا صرف الفاظ کا انکار نہیں بلکہ معنی کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو شاہد مطلق بنا کر بھیجا ہے اس میں کسی وقت وموقع وحالت ومکان کی تخصیص نہیں ہے اور شاہد وہی ہوتا ہے جو مواقع کا مشاہدہ کرے اور مشاہدہ وہی کرتا ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ آنکھ عطا فرماتا ہے، تو مشاہد کے لئے عقل وبلوغ وبصر یہ سب دنیاوی شروط ہیں اور یہ شرط ہے کہ جس چیز کی وہ شہادت دے رہا ہے اس کا وہ معائنہ کرے۔ اس تناظر

میں شاھداً کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہاری آنکھ سب سے افضل ہے تم وہ دیکھتے ہو جو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے، آپ وہ سنتے ہیں جو لوگ نہیں سنتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھوں کا معاملہ یہ ہے کہ مدینہ سے آنکھ اٹھا کر کے دیکھو تو آسمانوں کی سرحد پار ہو جائے اور عرش اعظم کا نظارہ ہو جائے اور نیچے دیکھو تو تحت الثریٰ نظر آئے اور ہم نے تم کو ایسا گواہ بنا کر کے بھیجا ہے جو ایسا گواہ ہوگا کہ ضرور بالضرور حاضر و ناظر ہوگا اسی لئے شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ علماء امت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائم و باقی و زندہ ہیں اور ان کی حیات حقیقی ہے اس میں تاویل کا شائبہ نہیں ہے اور اعمال امت پر وہ حاضر و ناظر ہیں اور طالبان حقیقت کے لئے فیض رساں ہیں اور ان کی تربیت فرمانے والے ہیں یہ اہل شہود و علمائے عارفین کا عقیدہ ہے۔ وہابیوں کا چاہے جو عقیدہ ہو۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب انسان مومن کامل ہو جاتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ میرا خدا میرے احوال پر مطلع ہے اور میرے رسول حاضر و ناظر ہیں اور میرے حرکات و سکنات سے واقف ہیں۔ لہٰذا رسول کی محبت اسی وقت کامل ہوگی جب ان کی شریعت کا التزام کرے اور ان کی سنت کی پیروی کرے۔ اور ان کو اس طور پر سمجھے کہ ہر حال ہر وقت میں وہ میرے سامنے ہیں اور میرے نصب العین ہیں۔ اور فقہاء فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ اس کا دل اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق ہو جائے جو اللہ و رسول کو پسند ہے وہی اس کو طبیعۃً پسند ہو جبراً نہیں اور جو ناپسند ہو اس سے وہ ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ اسی کو قاضی عیاض نے فرمایا کہ حب اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی اطاعت میں آدمی کا قدم استقامت پر ہو اور ہر معاملہ میں اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے۔ یہاں پر اللہ کا ذکر احترازی نہیں ہے بلکہ رسول کی محبت کا بھی یہی معاملہ ہے اس لئے اللہ و رسول کی اطاعت الگ الگ نہیں ہے بلکہ معاملہ یہ ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی معصیت کی اس نے اللہ کی معصیت کی۔

یہاں پر اللہ پاک کی محبت سے مراد اس کے ثمرات ہیں اس لیے کہ اصل محبت وہ میلان قلب کا نام ہے اور رب تبارک وتعالیٰ میل قلب سے منزہ ہے اور اس کی بارگاہ بھی اس سے منزہ ہے کہ کوئی وہاں تک جھک کر کے پہنچ جائے۔ ہاں رسول کے حق میں میل قلب کا معنیٰ بن سکتا ہے اس لیے کہ انسان کا دل کسی کی طرف جھکتا ہے اس کے کچھ عوامل ہوتے ہیں۔ جیسے کسی چیز کو انسان دیکھ کر پسند کرتا ہے جیسے کہ اچھی صورت کہ اس کو دیکھ کر محبت پیدا ہوگی۔ نیز انسان انہی امور سے محبت کرتا ہے جن امور کو عقل پسند کرتی ہے اور جن سے خوش ہوتی ہے۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ آدمی کسی کے احسان کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے جیسے کسی نے ہم کو ایک روٹی کھلائی ایک گلاس پانی پلایا تو آدمی اگر ناشکرا نہیں ہے، احسان فراموش نہیں ہے تو آدمی کی فطرت اس طرف مجبور کرتی ہے کہ جو اس پر احسان کرے گا اس سے وہ محبت اور جو اس سے بدسلوکی سے پیش آئے گا اس سے وہ بغض کرے گا۔ یہ تینوں باتیں حضور ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ حسن صورت حسن سیرت اور اخلاق حسنہ اور ان کا احسان ایسا ہے کہ سب ان کے احسان کے زیر نگیں ہیں اور ان کے ممنون کرم ہیں۔

آسماں خوان زمین خوان زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

یہ ان کی شان ہے۔

حدیث میں مذکور دوسری محبت اسی جز واعظم کا ثمرہ ہے اور اسی سے ناشی ہے "ان یحب المرء لاخیه لا یحبه الا لله" یعنی آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے دنیاوی رشتہ سے نہیں خون کے رشتہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت اور اس کی محبت کی وجہ سے کرے اور اس وجہ سے کرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مومنوں سے محبت کا حکم دیا ہے چاہے ان سے کوئی خون یا خاندان کا رشتہ نہ ہو، اگر اہل اسلام سے ہے تو اس سے محبت کرنا مومن کی شان ہے اور یہ محبت اللہ ورسول کی محبت سے

ناشی ہے۔

جب محبت کا معاملہ یہ ہے کہ کرے تو اللہ ورسول سے تو اس کی ضد بھی ثابت ہے کہ محبت کرے تو اللہ ورسول کے لئے اور اگر بغض کرے تو دنیاوی معاملہ کے لئے نہیں بلکہ اللہ ورسول جس کو مبغوض رکھیں اس کو یہ بھی مبغوض رکھے اور اس سے دور ہو جائے چاہے وہ انسان ہو یا حیوان و جماد وغیرہ۔ اور یہ بھی ہے کہ وہ کفر میں جانا ایسے ہی ناپسند کرے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ بھی اسی جزو اعظم کا ثمرہ ہے اور اسی سے ناشی ہے۔ لہٰذا جس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت بس جائے گی تو جو چیز اللہ ورسول کو پسند ہوگی وہ اس کو پسند ہوگی اور جو اللہ ورسول کو ناپسند ہے وہ اس کو ناپسند ہے۔ اور اللہ ورسول کو سب سے زیادہ کفر مبغوض ہے تو وہ بھی کفر ایسے ناپسند کرے کہ اگر اس کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے، سولی پر چڑھا دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تب بھی کافر ہونا گوارا نہ کرے۔

احوال رواۃ :اس حدیث کی سند میں پانچ راوی ہیں:

(۱) محمد ابن مثنی ابن عبید بن قیس بن دینار، ان کی کنیت ابو موسیٰ اور قبیلہ عنزی ہے اور یہ بصری ہیں۔ ان کا عرف زمن ہے، انہوں نے ابن عیینہ، وکیع بن جراح، اسماعیل بن علیہ اور قطان وغیرہ سے حدیث سنی، ان سے کبار محدثین، ابوزرعہ، ابو حاتم، محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے اور خطیب نے کہا کہ یہ ثقہ، حافظ، ضابط تھے۔ بغداد میں آئے اور ایک عرصے تک حدیث بیان کی، پھر بصرہ واپس جا کر ۲۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے تمام اصحاب کتب ستہ نے حدیث روایت کی ہے۔ ترمذی نے ان سے بالواسطہ حدیث روایت کی ہے، ترمذی اور ان کے درمیان ایک کوئی اور شخص ہے اس کے واسطے سے ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کے بارے میں ترمذی نے کہا ہے: "لا باس فیہ"۔

(۲) عبد الوہاب بن عبد المجید بن صلت بن ابی عبید بن حاکم ثقفی بصری، اور یہ بنو ثقیف میں سے ہیں، ان کا وطن بصری ہے، انہوں نے یحییٰ انصاری، ایوب سختیانی

اور بہت سارے محدثین سے حدیث سنی اور اِن سے امام شافعی امام احمد ابن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی نے حدیث روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن سعد نے کہا ہے: یہ ثقہ تھے اور ان میں کچھ ضعف بھی تھا، ان کی ولادت ۱۰۸ھ میں اور وصال ۱۹۴ھ میں ہوا۔ ابن سعد نے جو یہ بیان کیا کہ یہ ثقہ تھے اور ان میں کچھ ضعف بھی تھا اس کی تفسیر بعد میں امام عینی نے یہ ذکر کی ہے کہ خلیفۃ بن خیاط نے کہا کہ ان کے انتقال سے تین یا چار سال پہلے ان کی حدیث صحیح و ضعیف سب غیر متمیز و مختلط ہو گئی تھیں اس وجہ سے ابن سعد نے توثیق کے باوجود ان میں ضعف کا قول کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اختلاط سے پہلے جو اِن کی روایت ہے وہ صحیح ہے اور اختلاط کے بعد کی روایت کی اگر محدثین سے توثیق ہو جائے تو صحیح ہے ورنہ ضعیف ہے۔ ان کی حدیث تمام اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہے۔

(۳) ایوب بن ابی تمیمہ اور ابو تمیمہ کا نام کیسان ہے اور یہ سختیانی و بصری ہیں اور یہ عزہ کے مولیٰ ہیں اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ قبیلۂ جہینہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے انس ابن مالک صحابی کو دیکھا اور عمر بن سلمہ جرمی، ابو عثمان نہدی، حسن بصری، محمد بن سیرین، ابو قلابہ، عبد اللہ ابن زید، ابن عباس کے شاگرد مجاہد اور دیگر بہت سارے محدثین سے حدیث سنی ہے۔ محمد بن سیرین، قتادہ جیسے جلیل القدر تابعی نے اور اعمش و امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید و حماد بن سلمہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور ان سے امام اعظم ابو حنیفہ نے بھی حدیث روایت کی ہے۔ ابن مدینی نے کہا کہ ان کی مرویات تقریباً ۸۰۰، احادیث ہیں اور نسائی نے کہا کہ یہ ثقہ و ضابط ہیں۔ اسماعیل بن علیۃ کے مطابق ان کی ولادت ۶۶ھ میں ہوئی اور بخاری نے علی بن مدینی سے حکایت کی کہ ان کا انتقال ۱۳۱ھ میں بصرہ میں ہوا اور بخاری کے علاوہ دوسرے لوگوں نے یہ بتایا کہ ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔ تمام اصحاب کتب ستہ نے حدیث روایت کی ہے۔

(۴) ابو قلابہ، ان کا نام عبد اللہ ابن زید ہے اور بعض لوگوں نے ان کا نام عامر

ابن نائل بتایا ہے، ان کا قبیلہ جرمی ہے اور وطن ان کا بصرہ ہے، انہوں نے ثابت بن قیس بن ضحاک انصاری، انس ابن مالک اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے حدیث سنی ہے اور یہ ایوب سختیانی، قتادہ بن دعامہ، یحییٰ ابن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں ان کی امامت وجلالت شان پر محدثین کرام کا اتفاق ہے ان کا انتقال ۱۰۴ھ میں ملک شام میں ہوا اور تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۵) انس بن مالک اور ان کا ذکر ماسبق میں گزر چکا۔

لطائف اسناد : سند کے رجال، انس بن مالک تک سب بصری ہیں اور سب کے سب ائمہ جلیل الشان اور کبار محدثین میں سے ہیں اور اس میں تین جگہ تحدیث اور دو جگہ عنعنہ ہے۔

تعدد مقامات کا بیان : امام مسلم نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیح میں اسی سند سے روایت کیا ہے۔

☐☐☐

باب علامة الایمان حب الانصار

حدثنا ابو الولید قال حدثنا شعبة قال اخبرنی عبداللہ بن عبد اللہ بن جبر قال سمعت انساً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال آیة الایمان حب الانصار وآیة النفاق بغض الانصار.

(ترجمہ) امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالولید نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے وہ کہتے ہیں مجھے خبر دی عبداللہ بن عبداللہ بن جبر نے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خادم رسول اللہ حضرت انس بن مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نے فرمایا ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض ہے۔

امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وہ حدیث ذکر کی جو گزر گئی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”تین باتیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی وحلاوت کو پائے گا (۱) اللہ ورسول اس کو ماسوا سے پیارے ہوں (۲) آدمی کسی سے محبت کرے تو اسکی محبت کسی اور وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ ورسول کے لئے ہی ان سے محبت ہو (۳) کفر میں لوٹنے کو ایسا ناپسند سمجھے جیسا آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔

اس باب کے تحت ایمان کے لوازم میں سے حضور ﷺ کی محبت سے جو چیز ناشی ہوتی ہے اس کا ذکر کر رہے ہیں۔ پہلی حدیث میں یہ بتایا کہ اللہ ورسول کی محبت عین ایمان ہے اسی سے متصل یہ بتایا کہ اللہ ورسول کے علاوہ کی محبت اگر انہیں کی محبت سے ناشی ہو تو وہ بھی لوازم ایمان سے ہے۔ یہاں ایمان کی ایک نشانی کو ذکر کر رہے ہیں جو کہ اللہ ورسول کی محبت سے ناشی ہوتی ہے۔

امام بخاری رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے فرمایا ''آیۃ الایمان حب الانصار و آیۃ النفاق بغض الانصار'' ایمان کی نشانی انصار کرام سے محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار کرام سے بغض وعداوت ہے حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب سے بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ امام بخاری نے باب باندھا ''باب علامۃ الایمان حب الانصار''۔

یہاں پر اعراب وہی ہے جو دوسرے ابواب میں بتایا گیا ''ھٰذا باب'' کہ باب خبر ہے ھٰذا ابتدائے محذوف کی یا ''باب علامۃ الایمان حب الانصار'' مضاف پڑھنے کی صورت میں پورا جملہ خبر ہوگا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ باب کو مبنی علی السکون پڑھا جائے تو اب باب کے لئے کوئی محل اعراب نہیں ہوگا اس لئے کہ اعراب اس وقت ہوتا ہے جب کلمہ پر کوئی عامل داخل ہوتا ہے جو اس میں رفع وغیرہ کی حرکات کو چاہتا ہو اور اس میں کوئی عامل نہیں جیسے اسمائے اعداد وغیرہ۔

اب یہاں پر یہ بات ہے کہ حضور ﷺ ہی کی محبت سے (جس کا ذکر پچھلی حدیث میں کیا گیا) اور اللہ و رسول ہی کی محبت سے ان کی محبت ہے اس میں ان کی کیا تخصیص ہے؟ اور مسلمانوں کی محبت بھی اللہ و رسول کی محبت کی بنا پر ہے۔ جواب دیتے ہے کہ تخصیص کی وجہ یہ ہے کی کہ انصار کرام کی بارگاہ رسالت میں قدر ومنزلت بتانا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں سب کے مراتب برابر نہیں ہیں کچھ کو کسی وجہ سے کوئی امتیازی خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر انصار کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی خصوصیت کا اظہار بھی مقصود ہے اور منافقین جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے ان کو پریشان کرنا بھی مقصود ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو منافقین سے ہوشیار رہنے کی تلقین بھی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے منافقوں کو ہوشیار رکھنے کے لئے اور منافقوں سے عام مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کے لئے ایک علامت مقرر فرمادی کہ یہ انصار ہیں میرے محرم راز ہیں اور یہ میرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کیلئے اس کا پیٹ تو ان کی محبت میری محبت ہے اور میری

محبت وہ عین ایمان ہے تو ان کی محبت ایمان کی علامت ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ جیسے سرکار کے زمانے میں حضور نے انصار کرام کی محبت کو صحیح العقیدہ مسلمانوں کی پہچان اور ایمان کا نشان بتایا ہے ایسے ہی ہر زمانے میں یہ دستور رہا ہے کہ کوئی جماعت مسلمانوں کی نمائندہ، مسلمانوں کی پہچان، اہل محبت، اہل ایمان کی پہچان ہو۔ رب کائنات نے بھی قرآن کریم میں جابجا مقبولان بارگاہ کو اپنے دین و اہل حق اور اللہ والوں کا نشان بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ''اھدنا الصراط المستقیم'' اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ سیدھا راستہ کیا ہے متصلا اس کی تفسیر آئی ''صراط الذین انعمت علیھم'' ان کا راستہ جن پر تو نے اپنا احسان فرمایا اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اینٹ پتھر کا نہیں بلکہ کچھ چنندہ بندوں کا راستہ ہے جن میں سرفہرست محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ قرآن میں ارشاد فرمایا ''یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین'' اے ایمان والوں اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ایمان والوں سے خطاب ہے بے ایمانوں سے نہیں۔ حالانکہ یہ بات مقرر ہے کہ جس طریقہ سے کافر ایمان لانے کا مکلف ہے کہ رسول پر ایمان لائے ویسے ہی کافر اس بات کا مکلف ہے کہ رسول جو کچھ لے کر آئیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ان سب باتوں کو مانے اور عمل کرے۔ یہ تخصیص خطاب بھی ایمان والوں سے اس وجہ سے اور یہ بتانے کے لئے ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ''محمد ﷺ کا کلمہ پڑھا تمہارے کلمہ پڑھنے کا تقاضہ یہ ہے کہ رسول جو اللہ کی طرف سے احکام لائے ہیں ان پر عمل کرو اللہ کے احکام و اوامر کی تعمیل کرو فرائض و واجبات کی نگہداشت کرو۔ ذکر تقویٰ کے بعد ''کونوا مع الصادقین'' کی حاجت نہیں لیکن یہ فرمانا اس لئے ہے کہ اگر تم خود نہیں پہچان سکتے کہ ایمان صحیح کیا ہے اور سچی شریعت کیا ہے؟ تو سرکار دوعالم جو نشان ہیں انکے ساتھ ہو جاؤ تمہارا ایمان بھی محفوظ رہے گا اور تم تقویٰ والے ہو جاؤ گے یہاں پر آیت کریمہ یہ بتا رہی ہے کہ ''حب الصادقین آیۃ الایمان'' وہاں

سرکار نے فرمایا ''آیۃ الایمان حب الانصار'' اور یہاں پر آیت کریمہ بتا رہی ہے ''حب الصادقین آیۃ الایمان''۔

احوال رواۃ: اس حدیث کی سند میں چار رجال ہیں۔

(۱) ابوالولید یہ طیالسی ہیں اور ان کا نام ہشام بن عبدالملک ہے یہ بصری ہیں اور ''باہلہ'' کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے امام مالک، حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ اور دوسرے کبار محدثین سے حدیث سنی۔ اور ان سے ''ابوحاتم، ابوزرعہ، اسحٰق بن راھویہ وغیرہ نے حدیث روایت کی۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ حافظ، متقن، ضابط ہیں۔ اور ابوزرعہ کہتے ہیں کہ ''ابولید'' نے آدھے اسلام کا زمانہ پایا۔ اپنے زمانے میں امام تھے اور لوگوں کی نظروں میں جلیل القدر تھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا یہ حدیث میں ثقہ ہیں اور چونکہ اس زمانہ کی عورتیں بھی علم وفضل والی تھیں تو حضرت ابوالولید ۷۰ عورتوں سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد طیالسی کے بعد علم حدیث میں مرجع ائمہ حدیث تھے۔ اور محدثین کرام ان کے پاس حدیث سننے کے لیے آتے تھے۔ ان کی ولادت ۱۳۶ھ میں اور وصال ۲۲۷ھ میں ہوا۔ بخاری وابوداؤد نے ان سے بلاواسطہ حدیث روایت کی اور باقی یعنی ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے ان سے بالواسطہ روایت کی ہے۔

(۲) شعبہ ابن حجاج ان کا ذکر گزر چکا ہے۔

(۳) عبداللہ بن عبداللہ بن جبر۔ یہ مدنی ہیں اور انصاری ہیں اور اہل مدینہ ان کا نام یوں لیتے ہیں ''عبداللہ بن عبداللہ بن جابر۔ انہوں نے انس بن مالک، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی اور مالک ومسعر اور شعبہ نے ان سے روایت کیا۔ اور ان سے بخاری ومسلم، ترمذی ونسائی نے حدیث روایت کی ہے۔

(۴) انس بن مالک ان کا ذکر بھی گزر چکا۔

یہ حدیث رباعیات بخاری سے ہے یعنی امام بخاری اور سرکار کے درمیان چار واسطے ہیں ابوالولید، شعبہ، عبداللہ، انس۔ اور امام مسلم کے نزدیک یہ حدیث خماسیات

سے ہے۔ نیز اس حدیث میں ''تحدیث'' و''اخبار'' و''سماع'' بھی ہے۔ ایک لطیف بات اس میں یہ ہے کہ ایک راوی اس میں ایسے ہیں کہ ان کے باپ کا نام اور ان کے باپ کا نام ایک ہے۔ وہ عبداللہ بن عبداللہ بن جبر ہیں۔

امام عینی نے فرمایا کہ ''آیۃ الایمان حب الانصار'' اس میں مبتدا خبر کے اندر منحصر ہے یعنی ایمان کی علامت حب انصار ہی ہے اور خبر مبتدا میں منحصر ہے یعنی حب انصاری ہی ایمان کی نشانی ہے۔ اس مفہوم کی تائید امام مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا۔ ''آیۃ المومن حب الانصار و حب الانصار آیۃ الایمان'' اس میں مبتدا خبر میں اور خبر مبتدا میں منحصر ہے۔

حدیث مذکور میں سرکار دو عالم ﷺ نے انصار کرام کی شان کا اہتمام کرتے ہوئے خاص انکے بارے میں فرمایا کہ ایمان کی علامت انصار کرام کی محبت اور نفاق کی علامت انصار کرام سے عداوت ہے اور ایمان کے بارے میں گذشتہ حدیثوں میں یہ گذر چکا ہے کہ ایمان حضور ﷺ سے محبت کا نام ہے اور انکی محبت عین ایمان ہے اور آپ کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ اور مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ و رسول کے علاوہ جس سے محبت کرے تو اس وجہ سے محبت کرے کہ یہ اللہ و رسول کے محبوب ہیں اللہ و رسول کے لئے ان سے محبت کرے تو اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ انصار کرام کو سرکار کی بارگاہ میں اور ان کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے۔ اسی مقبولیت کی بنا پر حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ ان کی محبت ایمان کی علامت ہے اور اس کی ضد یہ ہیکہ جو ان سے محبت نہ کرے تو ان کی عداوت بے ایمان نہ ہونے کی علامت ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہوتا ہے کہ جب ایمان کی علامت انصار کی محبت ہے تو اس محبت کی ضد یعنی بُغض '' یہ کفر کی علامت ہونی چاہیے اور یہ فرمانا چاہیے ''آیۃ الکفر بغض الانصار'' ، یہ نہ فرما کر ''نفاق'' فرمایا اسلئے کہ نفاق کفر کی بدترین صورت ہے کیوں کہ کافر اصلی تو وہ ہے جس نے سرکار کا کلمہ پڑھا ہی نہیں ہے تو اسکی نشانی بتانے

کی ضرورت نہیں ہے۔نشانی بتانے کی ضرورت ان کی ہے جنہوں نے سرکار کا کلمہ پڑھا اور کلمہ پڑھکر کافر ہو گئے۔ان کی دو جہتیں ہیں ''ظاہری ایمان'' اور حقیقت میں دل کے اعتبار سے وہ کافر ہیں جس کو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

زبان پہ کلمہ دل میں گستاخی

یعنی ان کے لب پر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اور دل میں سرکار کی گستاخی ہے۔ان کے دلوں میں ایمان ہی نہ تھا تو سرکار نے مسلمان کی پہچان کے لئے ایک نشانی مقرر فرمادی کہ جو یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے وہ اپنے آپ کو انصار کرام کی محبت میں جانچے اگر ان کی محبت انکے دل میں ہے تو وہ سچا پکا مسلمان ہے اور اگر ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ ظاہری طور پر ایمان رکھتا ہے۔وہ حقیقت میں مومن نہیں ہے بلکہ منافق ہے۔

سرکار کے زمانے میں تین قسم کے لوگ تھے ایک کافر اصلی ایک حقیقی مسلمان اور ایک ظاہری مسلمان اور باطنی کافر۔یہ ایک زمانہ تک ظاہری کلمہ گوئی کی بنا پر مسلمان جیسے کام کرتے تھے سرکار کے پیچھے نماز پڑھتے تھے سرکار کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تھے اور مسلمان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔پھر جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے منافقوں پر کھول دیا اور کھرا کھوٹا الگ ہو گیا۔اور حضور سرور عالم ﷺ نے جمعہ کے دن برسر ممبر ان کو یہ کہکر نکالا ''اخرج یا فلان فانک منافق'' اے فلاں تو نکل جا تو منافق ہے۔اس طرح سرکار نے ۳۶۲ منافقین کو نکالا۔اس نکتہ کی بنا پر ''بغض الانصار آیۃ الکفر'' کی جگہ ''آیۃ النفاق'' فرمایا۔

آج منافقین کے احکام تو باقی نہ رہے لیکن منافقین تو آج بھی ہیں۔اگر چہ اب انکو منافق نہیں کہا جاتا بلکہ تین گروہ ہیں ۱۔کھلا کافر ۲۔مرتد ۳۔مسلم حقیقی یہ وہی گروہ ہے جو صحابہ وانصار کی روش پر، اللہ ورسول کا کلمہ دل سے بھی پڑھتا ہے اور زبان سے بھی پڑھتا ہے اور کوئی ایسی بات جو منافی ایمان واسلام ہے وہ اس سے سرزد نہیں ہوتی ہے یہ مسلم حقیقی ہے۔اور مرتد وہ ہے جو منافقوں کی اگلی سیرت پر آج بھی قائم

ہے۔ وہ یہ ہے کہ کلمہ تو پڑھتا ہے، لیکن اللہ ورسول کو جھوٹا جانتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہمسری کہ ہم جیسے ہیں کا دعوی کرتا ہے۔ ان کے اختیار ومعجزات وتصرفات اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہے۔ اور جو محمد رسول اللہ کے کسی امر ضروری کا انکار کرے تو وہ منافق وکافر ہے اگر چہ ظاہر میں کلمہ گو ہو وہ کافر اصلی کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کافر اصلی سے معاملات تو جائز ہیں اور مرتد جیسے وہابی، دیوبندی، رافضی، قادیانی وغیرہ ان سے معاملات بھی جائز نہیں ہیں۔ تو ان سے امتیاز کے لئے حضور سرور عالم ﷺ نے یہ فرمایا: ''آیۃ النفاق بغض الانصار'' تو ثابت ہوا کہ جب سرکار کے زمانے میں کھرے کھوٹے کو پہچان کرنے کے لئے امتیاز کی ضرورت تھی اور کون ظاہری مسلمان ہے اور کون حقیقی مسلمان ہے اس کو پہچاننے کی ضرورت تھی اور سرکار نے اس کی پہچان کے لئے کچھ لوگوں کی ذات کو حقیقی ایمان کی پہچان اور علامت قرار دیا اور کچھ کو کافروں کی پہچان بتایا۔ تو سرکار کے بعد یہ ہر زمانے میں ضرورت وقت کا تقاضا ہے اور ہوتا چلا آیا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی نشان ہو اور مسلمانوں کے دین کی کوئی پہچان ہو کہ جب اس کا نام لیا جائے تو عشق ومحبت کا نعرہ لگے مرور زمانہ کے ساتھ اہل سنت وجماعت کو پہچاننے کے لئے امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو الحسن اشعری یہ دو نام ہیں اہلسنت ان کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں جب ان کا نام آتا ہے تو معتزلہ، خارجی، ہر قسم کے بدمذہب الگ ہو جاتے ہیں۔ آج اس زمانے میں اہلسنت وجماعت ملکر کے بلکہ اللہ ورسول نے یہ پہچان مقرر فرمادی ہے کہ جن کے دلوں میں اللہ ورسول نے اپنی محبت رکھی ہے ان کے دل یہ پکارتے اور فیصلہ کرتے ہیں کہ اعلی حضرت اس زمانے میں عشق ومحبت کی پہچان ہیں اور ان کا مسلک اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی پہچان ہے اور ان کا مسلک کوئی نیا مسلک نہیں بلکہ وہی مسلک اہلسنت وجماعت ہے۔ لہٰذا اس حدیث پاک سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ موجودہ زمانے میں مسلک اعلی حضرت کے سلسلے میں کچھ لوگوں کا معاملہ یہ ہو گیا ہے کہنے لگے کہ مسلک

اعلیٰ حضرت صرف عقائد کا نام ہے۔ لہٰذا عقائد کے ماسوا میں ان سے اختلاف ہوسکتا ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت صرف عقائد کا نام نہیں ہے بلکہ اعلیٰ حضرت جس طرح سے عقائد اہلسنت کے ترجمان ہیں اسی طرح سے معمولات اہلسنت کی پہچان ہیں کہ جب مسلک اعلیٰ حضرت پکارا جائے گا تو وہ لوگ سمجھے جائینگے جو قیام، فاتحہ و نیاز والے ہیں اور بزرگان دین کے نام لیوا ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کو یہ انفرادی شان عطا فرمائی ہے کہ وہ جس طرح عقائد اہلسنت کے ترجمان اور معمولات اہلسنت کے نمائندہ ہیں ویسے ہی تمام فتاوی مقلدین کے نمائندے ہیں انہوں نے اپنی کتابوں سے، فتاویٰ سے تقلید ائمہ کرام کو ثابت کیا اور لوگ جو باطل نظریہ پیش کر رہے تھے کہ تقلید ائمہ شرک ہے ناجائز و حرام ہے اعلیٰ حضرت نے رد کر کے یہ ثابت کیا کہ تقلید ائمہ شرک نہیں بلکہ مسلمانان اہل سنت و جماعت کی سچی پہچان ہے۔ اعلیٰ حضرت پر حنفیت ایسی غالب ہے کہ آپ کو فقہ حنفی میں وہ نمایاں مقام عطا فرمایا گیا کہ علمائے کرام نے بیک زبان یہ کہا کہ اگر ان کی تحقیقات امام اعظم ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو اپنے خاص شاگرد،، امام ابو یوسف کی صف میں بٹھاتے۔ عصر حاضر میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو سنی وہابی کو ایک کرنے کی تحریک چلاتے ہیں تو ان کے مسلک پر اعلیٰ حضرت کے عمل سے ایک ضرب پڑتی ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت نہ کہا جائے۔ لہٰذا کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو کھلم کھلا مخالف ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام تو لیتے ہیں لیکن پس پردہ عمل سے مخالف ہیں جیسے کہ طاہر القادری خود کہتا ہے کہ میرے اور اعلیٰ حضرت کے مسلک میں کوئی فرق نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ وہابی، دیوبندی، شیعہ وغیرہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے صرف تاویلی اختلاف ہے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہابیوں، دیوبندیوں، کا رد لکھکر صاف صاف بتایا کہ یہ صرف اہل باطل ہیں اور اہل حق وہی ہیں جو اہل سنت و جماعت ہیں اور ہر باطل سے جدا ہیں۔

طاہر القادری کے سوا کچھ دوسرے لوگ بھی ایسے ہیں جو کردار و عمل، تقریر کے ذریعے سارے وہابیوں و دیوبندیوں اور سنیوں کو ملانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ نظام کائنات تہہ و بالا ہو سکتا ہے اور ہو کر رہیگا لیکن حق و باطل کا اتحاد نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ جو اسکا اتحاد کرنا چاہیگا وہ اپنی زمین خود کھودیگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مسلک اعلیٰ حضرت اہل سنت کا سچا ترجمان تھا اور رہیگا۔ ایک صاحب تو ایسے بھی ہیں جو مرید تو مفتی اعظم کے ہیں جو نام تو لیتے ہیں مسلک اعلیٰ حضرت کا لیکن روش مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہوتی ہے، ان کو پہچاننا ہے اور ان سے دور رہنا ہے۔ جو کھلے مسلک اعلیٰ حضرت کے مخالف ہیں۔ ان کے دل میں مسلک اعلیٰ حضرت سے نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کا، رسول کریم ﷺ کا اور اہل سنت و الجماعت کا جو دین ہے ان کے دل میں اس سے عداوت ہے۔ جو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام لیتے ہیں اور سنی، وہابی کو ایک کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں چاہے وہ طاہر القادری ہو یا کوئی اور صاحب ہوں وہ سب کے سب مسلک اعلیٰ حضرت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو قائل ہیں اس بات کے کہ مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ تو جو لوگ مسائل میں اختلاف والی بات کرتے ہیں ان سے ایک ہی گزارش ہے کہ مسائل میں اختلاف کی بات وہ لوگ کریں جن کے اندر اس بات کی کافی شناخت ہو کہ وہ باہم غیر منقح مسائل میں تنقیح کر سکیں۔ اس کے بعد ایک بات یہ ہے کہ ہم مقلد ہیں اور ہم نے اجماع مسلمین سے ایک مذہب معین کا التزام کیا ہے اور یہ التزام اس طور پر کیا ہے کہ علماء کے ساتھ ہم نے ایک عہد و پیمان باندھا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام کا جو مذہب ہوگا میں اسی پر عمل کروں گا اور میرے امام کے مذہب میں جس قول کو علماء نے راجح قرار دیا ہوگا اسی پر عمل کروں گا اور یہ ہمارا مذہب بتاتا ہے کہ جو قول راجح ہے وہی امام کا قول ہے۔ اور جس قول کو علماء نے یہ کہہ دیا ہے کہ مرجوح ہے ضعیف ہے وہ امام کا قول نہیں ہے علماء فرماتے ہیں کہ مرجوح قول پر عمل کرنا یہ غیر مقلدیت ہے اور امام کی تقلید سے باہر آنا ہے اس پر نہ عمل کرنا جائز ہے

اور نہ ہی اس پر کسی کو فتویٰ دینا جائز ہے اور نہ خود اس پر بے ضرورت عمل کرنا جائز ہے۔ تو اعلیٰ حضرت کا معاملہ یہ ہے کہ انہوں نے اگلے مصنفین سے اختلاف تو کیا ہے لیکن ان کے اختلاف کو کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اس اختلاف میں تقلید ائمہ سے قدم باہر نکالا ہو یا انہوں نے کسی قول غیر مرجوح کو اختیار کیا ہو بلکہ ان کا معاملہ تو یہ تھا کہ بظاہر جن اقوال کو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ امام اعظم کا قول نہیں ہے ان اقوال کو بھی امام اعظم کا قول ثابت کر کے دکھایا ہے اور انہوں نے یہ بتایا کہ امام اعظم کے دو قسم کے قول ہیں: ایک قول صدوری اور دوسرے قول ضروری، کہ اگر امام اعظم اس زمانے میں ہوتے تو یہی قول فرماتے۔ اعلیٰ حضرت کی شان یہ ہے کہ انہوں نے مختلف اقوال میں جہاں جہاں کوئی اختلاف نظر آیا ان کو امام اعظم کے مذہب پر تولا اور جو قول ان کو امام اعظم کا معلوم ہوا اسی کو انہوں نے اختیار کیا۔ اور مذہب مہذب کے التزام نے یہ بتایا کہ تقلید بھی آدمی کے اوپر ضروری ہے کہ جب اس نے ایک امام کی تقلید کی ہے تو وہ اتباع نفس کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ لہٰذا جب رسول اکرم ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ عقائد میں اپنی خواہش نفس پر نہیں بلکہ حضور جو لیکر کے آئے ہماری خواہش اس کے تابع ہے اور معمولات میں بھی ہم اپنی خواہش پر نہیں بلکہ تمام مسلمانوں نے جس کو اچھا جانا وہ ہمارے نزدیک اچھا ہے اور اس میں بھی حضور کے ارشاد و اذن کے پابند ہیں۔

اسی طرح سے تقلید ائمہ میں بھی حضور سرور عالم ﷺ کی محبت اس طور پر جلوہ نما ہونا چاہئے کہ ہم رخصت پر اسی وقت عمل کریں گے جب ہماری شریعت اجازت دیگی۔ اور جب اجازت نہ دیگی اور ہمارے ائمہ نے یہ فرمایا کہ یہ قول مرجوح ہے تو ہمارے لیے اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ اعلیٰ حضرت اسی لیے امام اہل سنت و جماعت ہیں، حنفی ہیں۔

اب یہاں پر یہ ہیکہ حضور نے فرمایا ”حب الانصار“، انصار کی محبت ایمان کی علامت اسی لیے ہے کہ انہوں نے اسلام کی تائید کی اور حضور کے غلاموں کو رضائے

الٰہی کے لیے سر پر بٹھایا اور ان کو پناہ دی اور اسلام کے علم کو انہوں نے بلند کیا یہ معنٰی جس میں پایا جائے اس کی محبت ایمان کی نشانی ہوگی چنانچہ اس میں انصار کی تخصیص نہیں بلکہ سارے صحابہ کی محبت اسی طور پر ہے اور عداوت بھی اسی طور پر ہے کہ ان کی محبت مومن کامل کی علامت ہے اور ان کی عداوت منافقت کی علامت ہے، اور یہ معنٰی حدیث میں مرفوعاً مروی ہوا، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو اختیار کیا اور میرے لیے کچھ اصحاب کو اور انصار و سسرالی رشتہ والوں کو میرے لیے اختیار کیا تو جس نے ان سے محبت کی تو اس نے میری وجہ سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض کیا تو اس وجہ سے کیا کہ وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ لہٰذا اصحابہ کرام کی محبت میں بھی ہم حضور کی محبت کے تابع ہیں۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم صحابہ میں سے کسی کو گھٹائیں بڑھائیں۔ بلکہ اس سب میں ہم حضور کے ارشاد و محبت و حکم کے تابع ہیں۔ حضور کی محبت جو ہم سے تقاضا کرے گی اسی طور سے ہم صحابہ سے محبت کریں گے اور حضو نے ان میں جس کو سب سے افضل فرمایا وہ ہمارے نزدیک سب سے افضل ہے اور آپ نے جس کا جو درجہ فرمایا ہم اسی درجہ پر اس کو مانیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ علی کی محبت میں ابوبکر کی شان میں توہین کریں۔ یا ابوبکر کی محبت میں ہم دوسرے صحابہ کی شان میں توہین کریں، یہ علی و ابوبکر کا گرفتار ہونا ہے اور ہم گرفتار علی و ابوبکر نہیں بلکہ گرفتار نبی ہیں۔ نبی نے جس کو جس درجہ پر رکھا ہے ہم اس کو اسی درجہ پر مانیں گے۔ اور ان صحابہ کی محبت میں بھی تلازم ہے تو جو انصار سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت اس کو گھیر کر لاتی ہے کہ مہاجرین سے بھی محبت کرے۔ اور جو علی سے محبت کرے گا وہ باقی تین کا بھی جان نثار ہوگا اور جو ابوبکر سے محبت کرے گا وہ بھی باقی تین کا جاں نثار ہوگا۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حوض کوثر کے چار رکن ہیں ایک رکن پر ابوبکر کھڑے ہوں گے دوسرے پر عمر تیسرے پر عثمان اور چوتھے پر علی کھڑے ہوں گے جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے گا وہ ان چاروں کے پاس جائے گا وہ کہہ دیں گے

میرے پاس آیا ہے دنیا میں نفرت کرتا تھا پانی نہیں ملے گا سب کے پاس جائے گا منع کر دیا جائے گا اس لیے کہ ان کی محبت میں تلازم ہے۔ لہذا محبت اس طور پر ہو کہ ''لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ'' کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہش اس کے تابع نہ کر دے جو میں لے کر آیا۔

□□□

باب

حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی ابوادریس عائذ اللہ ابن عبداللہ ان عبادۃ ابن صامت رضی اللہ عنہ و کان شھد بدرا وھو احد النقباء لیلۃ العقبۃ قال ان رسول اللہ ﷺ قال و حولہ عصابۃ من اصحابہ "بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئا و لا تسرقوا و لا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم و ارجلکم و لا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئا فعوقب فی الدنیا فھو کفارۃ لہ و من اصاب من ذلک شیئا ثم سترہ اللہ فھو الی اللہ ان شاء عفا عنہ و ان شاء عاقبہ فبایعناہ علیٰ ذلک.

(ترجمہ) ہم سے حدیث روایت کی ابوالیمان نے وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی شعیب نے وہ روایت کرتے ہیں زہری سے زہری کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ نے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور عبادہ بن صامت کے بارے میں بخاری میں یہ حدیث مندرج ہے کہ کسی راوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہ بدری صحابی ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے تھے اوران نقباء میں سے ایک ہیں جو لیلہ العقبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور انہوں نے منیٰ میں بیعت کی، کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اور حضور ﷺ کے اردگرد ان کے اصحاب کی ایک جماعت تھی "اے لوگوں ہم سے بیعت کرو کہ

اللہ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اللہ کو ایک مانو اور مجھے اللہ کا
رسول مانو اور چوری نہ کرو گے زنا نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ
کرو گے اور کوئی ایسا کھلا بہتان نہیں لاؤ گے جسے تم اپنے ہاتھ
پیروں کے درمیان گڑھو یعنی کسی ولد الزنا کو اپنا بیٹا قرار نہ
دو گے تو جو اس بیعت پر پورا اترے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ
کرم پر ہے اس پر کچھ واجب نہیں اور ایمان لانے کے بعد اگر
کسی سے معصیت سرزد ہو کفر کے علاوہ پھر دنیا میں اس پر حد
قائم ہو تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور اگر اس نے وہ کام کیا اور
قاضی وقت کو معلوم نہ ہوا اور معلوم ہونے سے پہلے دنیا سے گزر
گیا تو یہ اللہ کی مشیت پر ہے چاہے تو اسے بے عقاب معاف
فرمادے چاہے تو اس سے معاقبہ فرمائے تو ہم نے ان باتوں پر
حضور ﷺ سے بیعت کی۔

اس باب کے تحت امام بخاری جلیل القدر صحابی ''عبادہ بن صامت'' سے روایت نقل کررہے ہیں چونکہ اس حدیث کو پچھلی حدیث سے ایک قسم کا تعلق ہے اور اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کو انصار کیوں کہا گیا؟ اور سرکار دوعالم کے دست حق پرست پر بیعت کرنے میں کن لوگوں نے ابتداء کی اور کون ان سے بیعت ہوئے؟ اور جو مہاجرین ہجرت کر کے سرکار دوعالم ﷺ کے پاس آئے انہوں نے ان سے محبت کی اور اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوئے۔ تو انہوں نے حضور سرور عالم ﷺ کی پیروی اور اتباع میں سبقت کی۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ان کو انصار کہا گیا اور ان کو حضور ﷺ نے یہ جزا عطا فرمائی کہ ان کی محبت کو ایمان کا نشان بتایا اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ''اعلائے کلمۃ اللہ'' اور ''حب مہاجرین'' میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اور اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم''

اے محبوب تم فرمادو کہ اے لوگوں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے۔ تو انصار کرام نے اس اتباع و بیعت میں جو سبقت کی اس کے حکم سے وہ اللہ کے محبوب ہوئے اور جو اللہ کا محبوب ہے وہ رسول کا محبوب ہے اور مومن کے لیے اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو اللہ اور رسول کا محبوب ہے اس سے وہ محبت کرے اسی لیے سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی محبت کو ایمان کی نشانی بتایا۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ سب ان کی نصرت کی وجہ سے ہے اور ان میں انصار کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ان کی محبت کا معاملہ اس طور پر ہے کہ انہوں نے مہاجرین سے محبت کی اور ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے تو ان کی سچی محبت یہی ہے کہ آدمی تمام صحابہ سے محبت رکھے اور سب صحابہ ایسے ہیں کہ حضور سے انہیں رشتۂ محبت ہے بلکہ ہر مومن قیامت تک ایسا ہی ہے کہ اس کو حضور سے محبت کا رشتہ ہے۔ اور ان کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مہاجرین و صحابہ سے آدمی محبت کرے اور ان کے درجات و مراتب میں حضور سرور دو عالم ﷺ کے ارشاد اور ان کی مرضی کو مقدم رکھے اور اپنی خواہش کو ان کی مرضی کے تابع کرے اور ان کے درمیان جو مشاجرات و منازعات ہوئے اس میں ہم لوگوں کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ اور جب ان کا ذکر آئے تو اپنی زبانوں کو روکیں، اپنے دلوں کو سنبھالیں اور ان کے بارے میں بے اذن شرع کچھ بولنے سے پرہیز کریں۔ اور گستاخی کی اجازت کیا ہوگی؟ ان کے مراتب کون کس سے افضل ہے؟ بے اذن شرع ہم کو اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں بلکہ شریعت نے جس کو جس درجہ پر رکھا ہے ہم اس کو اسی درجہ پر مانیں۔

چونکہ اس آنے والی حدیث کو پچھلی حدیث سے ایک قسم کا تعلق تھا اس لیے بعض نسخوں میں یہ حدیث عبادہ بن صامت کی روایت سے باب کے ذکر کی بنا ہے اور بعض نسخوں میں باب آیا ہے اور باب کا کوئی نام مقرر نہیں کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ حدیث کسی مستقل باب کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ اسی گزشتہ حدیث سے متعلق تھی اس حدیث کو اس سے مناسبت تھی اس لیے یہاں پر ''باب'' فرمایا اور اس باب کا

کوئی نام مقرر نہیں کیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض مصنفین بعض دفعہ کوئی فصل یا باب ذکر کرتے ہیں اور جو اس کے بعد ذکر کرتے ہیں اس کو ماقبل سے مناسبت ہوتی ہے اسی لئے وہاں کوئی الگ سے سرخی نہیں لگاتے ہیں بلکہ اس کے نام کے بغیر ذکر کردیتے ہیں۔ چونکہ اس حدیث اور ماقبل کی حدیث کا مفہوم ایک ہے اس میں بتانا یہ مقصود ہے کہ انصار کو انصار کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لئے یہاں پر اس کو مستقل باب کے تحت ذکر نہیں کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ اس لفظ ''باب'' کا اعراب کیا ہوگا تو کہتے ہیں اعراب فرع ہے ترکیب کی جب ترکیب میں کلمہ مبتدا یا خبر واقع ہوگا تب اس صورت میں اعراب ہوگا کہ وہ مرفوع ہے یا کچھ اور؟، جب یہاں پر ترکیب ہی نہیں ہے تو یہ اسامی کے طور پر ہے اور باب ''مبنی علی السکون'' ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے سب سے پہلے حاضر ہو کر بیعت کیا اور اس عہد کو انہوں نے پورا کیا اور مہاجرین سے محبت و ہمدردی کی اس وجہ سے یہ انصار کہلائے اور انکی محبت ایمان کی علامت قرار پائی۔

احوال رواۃ: اس سند میں پانچ راوی ہیں:

(۱) ابو یمان حکم بن نافع' ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) شعیب بن ابی حمزہ قرشی انکا ذکر بھی پیچھے گذر چکا۔

(۳) زہری انکا بیان بھی گزر چکا۔

(۴) ابو ادریس عائذ اللہ بن عبد اللہ بن عمر خولانی دمشقی یہ قاضی دمشق رہ چکے ہیں اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود معاذ بن جبل سے حدیث روایت کی ہے اور عبادہ بن صامت اور ابو درداء وغیرہ سے بھی حدیث سنی ہے۔ انکی ولادت جنگ حنین کے دن ہوئی۔ اور عبد الملک بن مروان نے انکو دمشق کا قاضی مقرر کیا۔ یہ روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں اور حضور ﷺ کو انہوں دیکھا اس اعتبار سے صحابی ہیں۔ اور یہاں پر روایت میں ایک لطیفہ یہ ہے کہ عبادہ بن صامت نے بھی حضور ﷺ کو دیکھا تو

ایک دیکھنے والا دوسرے دیکھنے والے سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں قاضی ہیں تو ایک قاضی روایت کرتا ہے دوسرے قاضی سے۔

(۵) عبادہ بن صامت بن قیس بن احرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم انصاری قبیلہ کے ہیں۔ اور یہ سارے مشاہد میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان مین حاضر تھے اور ساتھ ہی عقبہ اولیٰ میں بھی شریک تھے اور ان سے ایک سو اکاسی احادیث مروی ہیں جن میں سے چھ پر اتفاق ہے اور دو حدیثوں میں بخاری منفرد ہیں۔ اور دو میں مسلم منفرد ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو شام بھیجا وہاں کے لوگوں کا معلم واستاذ بنا کر۔ سنہ ۳۴ھ میں فلسطین مین انکا وصال ہوا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے آپکی قبر شریف وہاں معروف ہے اور یہ عبادہ بن صامت نام کے صحابہ میں ایک ہی ہیں اور" عبادہ" بغیر ابن صامت کے صحابہ میں بارہ اشخاص ہیں۔

لطائف اسناد: یہ پوری کی پوری اسناد شامیوں کی ہے اور اسمیں قاضی کی روایت قاضی سے ہے اور اس حدیث میں عنعنہ واخبار ہے۔

معانی الفاظ: امام عینی نے فرمایا،، وکان شھد بدرا،، یہ جملہ عبادہ کی صفت ہے اور جملہ میں واو زائد ہے موصوف کے ساتھ اتصال صفت کی تاکید کے لیے اس جملہ پر داخل کیا گیا ہے اس تقدیر پر ''وکان شھد بدرا، محل جر میں ہے اور یہ جملہ مفرد کی تاویل میں ہے یعنی،، کان شھد بدرا، کا معنی ہوا، کائن شھد بدرا، اسمیں جو تکلف ہے وہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ، وکان شھد بدرا، یہ جملہ معترضہ ہے اور واو استیناف کے لئے ہے اور حدیث میں یہ جملہ مندرج ہے اور یہ جملہ کس نے داخل کیا اسمیں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ یہ ابو ادریس کا کلام ہے اس تقدیر پر یہ متصل ہے دوسرا احتمال یہ کہ یہ زہری کا کلام ہے اس تقدیر پر یہ منقطع ہے اور آگے آنے والا جملہ اسی قیاس پر ہے اسمیں بھی دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ ابو ادریس سے متصل ہے اور زہری کا کلام ہونے کی صورت میں وہ منقطع ہے،، واحد النقباء، اسکا معنی یہ ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس جماعت کے فرد ہیں جو متابعت کے لیے انصار میں سے سب سے

آگے بڑھے اور وہ بارہ لوگ ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ (۲) عوف بن حارث (۳) معاذ بن حارث (۴) ذکوان بن عبد قیس) (۵) رافع بن مالک زرقیان (۶) عبادہ بن صامت (۷) عباس بن عبادہ بن نضلہ (۸) یزید بن ثعلبہ (۹) عقبہ بن عامر (۱۰) قطبہ بن عامر۔ یہ دس خزرجی تھے (۱۱) ابوھثیم بن تیہان (۱۲) عویم بن ساعہ۔ یہ دونوں قبیلۂ اوس سے ہیں۔

حضور ﷺ ہر سال موسم حج میں قبائل عرب کے سامنے حاضر ہوتے تو ایک مرتبہ اس دوران کہ حضور ﷺ منیٰ کی گھاٹی کے پاس تھے حضور ﷺ کو قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ ملے جو دس سے کم تھے سرکار نے فرمایا کیا تم لوگ بیٹھتے نہیں؟ کہ میں تم سے بات کروں وہ بولے کیوں نہیں؟ تو وہ لوگ بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے انہیں ایک خدا کی طرف بلایا اور ان پر دین اسلام پیش کیا اور انہیں قرآن سنایا اور انہوں نے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ آپہنچا تو ان میں سے ایک دوسرے سے بولا خدا کی قسم یہ وہی ہیں اور ان پر ایمان لانے میں یہودی تم پر سبقت نہ لے جائیں یہ سوچ کر انہوں نے حضور ﷺ کی دعوت کو قبول کرلیا۔ پھر جب یہ لوگ اپنے وطن واپس گئے اور حضور ﷺ کی خبر ان لوگوں میں پھیل گئی تو دوسرے سال موسم حج میں جماعت انصار میں سے بارہ لوگ آئے ان میں سے ایک عبادہ بن صامت تھے حضور ﷺ سے یہ لوگ ملے اور بیعت کی یہ مقام عقبہ میں بیعت اولیٰ ہوئی ان لوگوں نے حضور ﷺ سے انہی باتوں پر بیعت کی جن باتوں پر عورتوں نے کی اور اس کا ذکر قرآن میں ہوا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

اے نبی جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا شریک کچھ نہ ٹھہرائیں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جو اپنے ہاتھوں پیروں کے درمیان (موضع ولادت) میں اٹھائیں۔اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے انکی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر دوسرے سال جماعت انصار سے ۷۰ آدمی حج کے لیے نکلے حضور ﷺ نے ان کے لیے ایام تشریق کی درمیانی تاریخ مقرر فرمائی۔کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب وہ رات آئی جو حضور ﷺ نے ملاقات کے لیے مقرر فرمائی تھی سر شام سے ہم اپنی قوم کے ساتھ رہے پھر جب لوگوں کو گہری نیند آئی ہم لوگ اپنے بستروں سے سرک گئے ہم مقام عقبہ میں اکٹھا ہوئے۔اس وقت حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور اس وقت ان کے ساتھ صرف ان کے چچا حضرت عباس تھے تو حضرت عباس بولے اے لوگو! اے گروہ خزرج! محمد ﷺ کی قدر و منزلت ہم لوگوں میں جیسی ہے تم جانتے ہو۔اور وہ اپنی قوم اور خاندان کی نصرت و حمایت میں ہیں اور انہیں یہی منظور ہے کہ سب سے جدا ہو کر تم تک پہونچیں تو اگر تم لوگ اس عہد کو پورا کرو جو تم نے ان سے کیا تو تم وہ ذمہ سنبھالو جو تم نے اٹھایا ورنہ ان کو ان کی قوم میں رہنے دو۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے، اسلام کی طرف رغبت دلاتے، قرآن پڑھتے ہوئے کلام فرمایا تو ہم لوگوں نے ایمان لا کر دعوت کو قبول کیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے تم اپنے بیٹوں کی حفاظت کرتے ہو ہم نے عرض کی حضور اپنا دست اقدس بڑھائیں ہم حضور سے اس

پر بیعت کرتے ہیں تو حضور نے فرمایا میرے لیے اپنی جماعت سے بارہ نقیب نکالو تو ہم نے ہر گروہ سے ایک نقیب نکالا اور عبادہ بنوعوف کے نقیب ہوئے اور حضور ﷺ سے انہوں نے بیعت کی یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔

سرکار دو عالم ﷺ سے ایک اور تیسری بیعت مشہورہ ہے یہ وہ بیعت ہے جو حدیبیہ میں درخت کے نیچے واقع ہوئی جب حضور ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اسکا نام بیعت رضوان ہے اور پہلی دو بیعتوں کے برخلاف یہ بیعت ہجرت کے بعد واقع ہوئی اور حضرت عبادہ اس بیعت میں بھی حاضر تھے تو وہ تینوں موقعوں پر بیعت کرنے والوں میں شامل ہیں۔

سرکار نے حدیث میں لاتشرکوا باللہ شیئاً فرمایا اس میں شیأ نکرہ ہے جو نفی میں وارد ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ نکرہ جب حیز نفی میں آئے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے تو حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ یعنی مخلوقات و کائنات میں کوئی شئی اللہ کے شریک نہیں ہوسکتی یہ ظاہر ہے کہ شرکت سے مراد یہاں پر کفر ہے اور ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے تو یہاں پر معلوم یہ ہوا کہ مطلقاً شرک سے ممانعت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا نہ شریک دل سے جانو نہ زبان سے کوئی کلمہ کفر کہو اور اسی طرح سے کوئی ایسا فعل جو خاص علامت شرک ہو اس حدیث کے مقتضی سے وہ بھی منع ہے۔ تو "لاتشرکوا کا اعتقاد" زبان و فعل ساری جہات کو عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک کسی طور پر مت ٹھہراؤ۔ نیز فرمایا: لاتسرقوا، اسکا مفعول محذوف ہے اور یہ بھی افادۂ عموم کے لئے ہے ہر گز کوئی بھی چیز چھوٹی سے چھوٹی بڑی سے بڑی اس کے چرانے سے بچو اور مفعول عموم پر دلالت کرنے کے سبب محذوف ہے۔ سرکار نے عہد و پیمان پر یہ معطوف فرمایا: فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ؛ تم میں سے جو اسکو پورا کرے تو اسکا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں مگر وہ جو اس نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا۔ ایسا نہیں جیسا کے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر اصلح للعباد واجب ہے، کہ فرماں بردار کو ثواب دے اور نافرمانوں کو

عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ پر یہ کچھ واجب نہیں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے جو اس نے اپنے اوپر ذمہ لے لیا، اس نے وعدہ فرمالیا کہ مومنوں واطاعت گزاروں کو ثواب دے گا تو یہ وعدہ مختلف نہیں ہوسکتا ہے کہ اس کا جھوٹ بولنا محال ہے۔ اور اس نے یہ فرمایا کہ کفر؛ اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا ہے یہ خبر ہے اور خبر میں تخلف نہیں ہوتا ہے جو کفر کریگا ضرور اسکی سزا پائے گا اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اسکی مشیت کی طرف مفوض ہے چاہے تو معاف فرمادے چاہے تو عذاب دے۔ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء کفر سے کم جو گناہ ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف فرمادے اور چاہے تو اس پر عذاب فرمائے۔ اور آگے فرمایا تم میں سے جو اس ذمہ کو پورا کرے گا اس کا ثواب اللہ کی بارگاہ میں اس کو ملے گا اور جو مذکورہ افعال ہیں اگر کوئی ان میں سے کسی فعل کا مرتکب ہو، کوئی گناہ کرے اور دنیا میں اس پر عقاب ہو تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے۔

حدیث شریف میں جس طرح سے ''لاتسرقوا،، کا مفعول محذوف ہے اسی طرح فعوقب میں بھی حذف ہے یعنی فعوقب بہ۔ یعنی اگر کوئی ایسا کام کیا اور اس پر سزا ہوئی اس گناہ کی وجہ سے۔ تو وہ کفارہ ہے جو بیان اس روایت میں محذوف ہے وہ امام احمد کی روایت میں مذکور ہے۔ ''فھو کفارۃ لہ'' یہاں پر ''ھو'' ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ تو اس کے، متعلق فرمایا گیا کہ یہ ضمیر لوٹ رہی ''عوقب،، فعل مجہول جس مصدر کو متضمن ہے اس کی طرف جیسے ''اعدلوا ھوا قرب'' میں ضمیر لوٹ رہی ہے۔ اور امام احمد کی روایت میں ایسا ہی ہے۔ اور امام بخاری نے کتاب التوحید کے باب المشیۃ میں یہ حدیث ذکر کی ہے تو وہاں پر اسی محذوف کو مذکور کیا ہے اور وہاں پر طہور کا اضافہ ہے۔

امام عینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ اگر دنیا میں ذنوب سرزد ہوں اور ان پر دنیا میں حد قائم کی گئی ہو تو آخرت میں ان پر کوئی مواخذہ قائم رہے گا یا نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ اس میں اکثر علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حد قائم ہو جانا ہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہے یہاں تک کہ اگر قاتل پر حد قائم ہوئی اور اس کو

قصاصاً قتل کیا گیا تو اب مقتول کا مطالبہ آخرت میں اس پر قائم رہے گا یا نہیں؟ بعض لوگ اس طرف گئے کہ مقتول کا مطالبہ اس کے کرم سے ساقط ہو جائیگا اور بعض لوگوں نے اس پر توقف کیا ہے۔

حدیث پاک میں مذکور ''ذٰلک کا مشار الیہ کیا ہے؟ ''فمن'' جو یہاں پر عام ہے تو یہاں پر یہ عموم اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے یا یہ عموم مخصوص ہے؟ تو بیان کرتے ہیں کہ یہ عموم مخصوص ہے اس لئے کہ آیت کریمہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک، کفر کو معاف نہیں فرماتا لہٰذا ''ذٰلک'' سے اشارہ ان معاصی کی طرف ہے جو شرک کے علاوہ ہیں اور ''فمن'' کا مصداق وہ مسلمان ہے جو دنیا میں کفر کے علاوہ کوئی گناہ کرے تو اب اس پر اگر حد قائم ہوگئی تو اس کے لئے وہ کفارہ ہے۔

نیز فرمایا اگر سلطان کے پاس حد قائم نہ ہوئی اور وہ بغیر حد کے مر گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو دنیا میں چھپالیا اب چاہے تو اس کو عذاب دے کر کے جنّت میں داخل کرے چاہے تو بنا عذاب کے داخل کرے۔

''ستر ہ'' کا لفظ بھی اس بات پر قرینہ ہے کہ ''فمن'' سے مراد مسلمان ہے مشرک نہیں ہے کیوں کہ ستر ہ یہ ان افعال میں جاری ہو سکتا ہے جو ظاہر بھی ہو سکتے ہوں اور چھپائے بھی جا سکتے ہوں بخلاف شرک کے کہ یہ ایک امر باطنی ہے چونکہ یہ کفر ہے اور کفر ایمان کی ضد ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہے تو اس کی ضد بھی امر باطنی ہے۔ لہٰذا ''ھو'' کا مصداق وہی گناہ ہے جو شرک کا غیر ہے اللہ نے جب اس کے گناہ چھپالئے اور لوگوں پر ظاہر نہ کئے اور اس پر حد قائم نہ ہوئی تو وہ اللہ کی مشیت پر ہے۔ امام طبری نے یہاں پر ایک قرینہ ظاہر کیا کہ حضور نے فرمایا ''فمن وفی منکم'' کہ تم میں سے جو اس عہد پر قائم رہا اس نے شریک نہ ٹھہرایا اللہ و رسول پر ایمان لایا۔ تو یہاں پر اس کا مصداق وہی ہے جو باعتبار مآل مؤمن ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ مومن نہ تھا۔

اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوا کہ جس طرح سے کسی شخص نے کسی کو ناحق قتل کر

دیااور یہ معاملہ سلطان اسلام تک پہنچااور مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی نہیں تو قصاص میں سلطان اسلام نے اس کو قتل کرادیااس پر دنیامیں حد جاری ہوگئی اس کے بارے میں سرکار نے فرمایا یہ اس کے لئے کفارہ ہے۔تو کیا مرتد جس کی سزا قتل ہے وہ سلطان اسلام کے قبضہ میں ہے اگر توبہ نہ کرے اور سلطان اسے قتل کرادے تو یہ قتل اس کے حق میں کفارہ ہوگا؟ فرمایا گیا نہیں اس لئے کہ مرتد وہ ہے جو کلمہ پڑھ کر کے ایمان لانے کے باوجود کافر ہو گیااور کفر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ کفر معاف نہ ہوگااور اس سے کم جو گناہ ہے وہ اللہ کی مشیت پر ہے۔

آگے امام عینی ''قلت'' کہکر کلام فرمارہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان کا کلام ہے۔حالانکہ آگے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا کلام نہیں کسی کا نقل کیا ہوا ہے ۔اس میں امام عینی نے یہ بتایا کہ اس حدیث کا عموم آیت سے یا اجماع امت سے مخصوص ہے۔نیز اس حدیث کے بھی کچھ الفاظ ایسے ہیں جو خود حدیث کی تخصیص پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ''من اصاب من ذلک'' کا مصداق عام نہیں ہے کہ مسلمان و کافر دونوں کو شامل ہو بلکہ اس کا مصداق مومن ہے اور جب یہی ہے تو باہری مخصص کی ضرورت نہیں ہے خود حدیث کے اندر تخصیص موجود ہے، رہا یہ کہ حدیث میں قرینہ کیا ہے تو انہوں نے بیان کیا کہ ''ذلک'' اسم اشارہ یہ مجموعہ مذکورات کی طرف اشارہ ہے تو سوال یہ ہوا کہ ''ذلک'' کا مشارالیہ پورا مجموعہ ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے تو فرماتے ہیں کہ ''ذلک'' کا مشارالیہ غیر شرک ہے اس پر خارجی تخصیص یہ ہے کہ آیت کریمہ اور اجماع اس بات پر دال ہیں کہ کفر معاف نہ ہوگا اور نفس حدیث میں اس پر قرینہ یہ ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا ''فمن سترہ'' جس پر اللہ نے پردہ ڈال دیا اور وہ کفر کے علاوہ چوری زنا وغیرہ کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے چاہے معاف فرمائے چاہے عذاب دے تو ''ستر'' اس بات پر قرینہ ہے کہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ مراد ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قرینہ ضرور ہے اس بات کا کہ ''ذلک'' کا مشارالیہ غیر شرک

ہے لیکن اس توجیہ میں ایک طرح کا غموض و پوشیدگی ہے وہ یہ ہے کہ ستر بندۂ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دنیا میں اس کی تکریم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کو فضیحت ورسوائی سے بچایا ہے۔ لہٰذا اس ستر کی علت کرم الٰہی ہے اور یہ علت مسلمانوں کے لیے ہے اور اہل کفر کی کوئی علت نہیں ہے تو یہ ستر اس بات پر خود قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو رسوائی سے بچائے تو اس کا مصداق مومن ہی ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا اس پر خود ایک قرینہ صدر حدیث میں یہ ہے کہ "فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ" کہ تم میں سے جو اس عہد کو پورا کرے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں ہے یہ خود اس بات پر قرینہ ہے کہ گفتگو ان لوگوں سے ہو رہی ہے جنہوں نے سرکار ﷺ کی بیعت کی اور سرکار کی دعوت کو قبول کیا اور وہ مسلمان ہو گئے تو خطاب مسلمانوں سے ہے اب تقدیری عبارت یہ ہوئی "فمن وفی منکم ایھا المومنون" اے مسلمانوں! تم میں سے جو ان باتوں کو پورا کرے تو اس کا ثواب یہ ہے اور جو تم میں سے ان باتوں کو پورا نہ کرے تو اگر دنیا میں اس پر حد قائم ہو جائے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور یہ کفارہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ معاف بھی وہی چیز ہوتی ہے جو معاف ہونے کے قابل ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شرک سے کم گناہ معاف ہونے کے قابل ہے اور شرک معاف ہونے کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا خود کفارہ بھی اس بات کی دلیل ہوا بعض لوگوں نے اس استدلال کو ضعیف کہا حالانکہ یہ دلیل ضعیف نہیں بہت قوی ہے صدر جملہ کا ظاہری مفاد وہی کہ سرکار ﷺ مسلمانوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔

یہاں پر ایک بات جو سب لوگوں نے فروگزاشت کر دی ہے وہ یہ ہے کہ خود صدر حدیث میں تو یہ فرمایا اور کفارہ کا لفظ بھی اس بات پر قرینہ ہے کہ گناہوں سے مراد غیر شرک ہے اور ذلک کا مشار الیہ وہ تمام امور ہیں جو شرک سے کم ہیں۔ اس پر ایک دلیل حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا میں جس کے گناہ چھپے رہیں اور اس پر حد قائم نہ ہوئی تو وہ اللہ کی مشیت پر ہے چاہے تو اس کو معاف کرے چاہے تو عذاب دے یہ

مضمون بعینہ کلام پاک کا مضمون ہے۔ جو حدیث ادا کر رہی ہے اس پر نظر کرتے ہوئے بات صاف ہو جاتی ہے کہ ''من'' اپنے عموم پر باقی ہے اور اس کا مصداق تمام مسلمان ہیں کافر نہیں ہے۔ ان تمام قرائن مقالیہ پر نظر کرتے ہوئے ''من'' کا مصداق صرف مسلمان ہیں اور اس میں عموم ہے ہی نہیں کہ دعویٰ خصوص کا کیا جائے۔ یہاں پر کچھ لوگوں نے طیبی کی اس توجیہ کو ضعیف کہا اور اپنی طرف سے ایک توجیہ انہوں نے پیش کی کہ ''ذلک'' کا مشار الیہ وہ پورا مجموعہ ہے تو اب یہاں پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ جب پورا مجموعہ اس کا مشار الیہ ہے تو اس میں شرک بھی شامل ہو گیا اور شرک معاف ہونے والا نہیں ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں اس سے مراد یہاں پر شرک نہیں ہے بلکہ ''ریا'' شرک خفی مراد ہے اس کو امام عینی نے یہ کہہ کر رد کیا کہ یہ توجیہ خود ضعیف ہے اس کے اندر نظر ہے اس لیے کہ شرک جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو منافی توحید ہے یعنی اس سے کفر ہی مراد ہوتا ہے اور اس سے ریا مراد نہیں ہوتی خصوصا یہ حدیث ابتدائے اسلام میں واقع ہوئی اور ابتدائے اسلام میں جو سب سے پہلی بات حضور ﷺ نے لوگوں کو بتائی وہ اللہ کی وحدانیت ہے۔

شرح حدیث میں بھی شارحین نے یہ بحث اٹھائی اور اس حدیث کے پیش نظر اس سے اخذ کیا ہے کہ حدود کفارہ ہیں اگر دنیا میں اس پر حد قائم ہو گی تو آخرت میں اس سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا اور کوئی سزا نہ ہوگی کیونکہ تلوار کا مسلمان کے اوپر چلنا اور اس کی جان کا جانا یہ سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ تو ان شارحین نے حدیث کے ظاہر سے یہ سمجھا کہ حدیث میں گفتگو حدود کے بارے میں ہے لیکن اگر حدیث کے الفاظ میں تامل کیا جائے، تو گفتگو حدود میں بھی ہے اور غیر حدود میں بھی ہے اس لئے کہ ''سرقہ'' اور ''زنا'' ایسے افعال ہیں جنکی حد مقرر ہے لیکن اولاد کو قتل کرنا کسی کو اسکی حد معلوم نہیں ایسے ہی زنا کرنا اور زنا سے جو بچہ پیدا ہو یہ جھوٹ ہے اس کی بھی کوئی حد مقرر نہیں یونہی سرور عالم ﷺ کی نیک کاموں میں معصیت یہ بہت بڑا

گناہ ہے لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اپنے مفہوم سے حدود و تعزیرات دونوں کو شامل ہے اور دونوں کے بارے میں فرمایا کہ جس پر حد قائم ہوگئی یا دنیا میں تعزیر قائم ہوگئی تو اس کے لیے وہ کفارہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کی پردہ پوشی فرمائی اور قاضی اسلام اور حاکم شرع کے حضور اس کا معاملہ نہیں آیا کہ اس پر حد یا تعزیر قائم ہوتی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے چاہے تو اس کو معاف فرمادے چاہے تو عذاب دے۔

یہ موضوع بھی زیر بحث رہا کہ جس پر حد قائم ہو جاتی ہے تو اس کے لیے کفارہ ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کر دیا اب قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا یہ حد اس کیلیے کفارہ ہوگی مگر کیا اس مقتول کے لیے آخرت میں مطالبہ کا حق رہے گا یا نہیں؟ بعض لوگوں نے کہا کہ آخرت میں اس کی تشفی کے لیے حق مطالبہ باقی رہے گا اور بعض لوگوں نے کہا کہ جب قاتل کو قتل کر دیا گیا تو مقتول کا حق اس کو مل گیا اب اس کا کوئی مطالبہ باقی نہیں رہے گا۔

علما نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ حدود سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اکثر علما نے اس حدیث کے پیش نظر یہ بتایا کہ حدود کفارہ ہیں جس پر حد قائم ہوگئی تو اس کے گناہ مٹ گئے اس پر آخرت میں کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ اور بعض لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے پیش نظر اس میں توقف کیا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدود کے بارے میں سوال ہوا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ تو حضور نے فرمایا ”ما ادری الحدود کفارات لا ھل ام لا“ میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔

جو لوگ حدیث عبادہ سے استدلال کرتے ہوئے حدود کو کفارہ مانتے ہیں وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پہلے فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے جب تک آپ کو نہیں بتایا کہ حدود کفارہ ہیں تب تک آپ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حدود کفارہ ہیں اور حدود سے گناہ مٹ جائیں گے تو حضور نے وہی مضمون فرمایا جو کہ حدیث عبادہ میں ہے کہ جس پر حد قائم ہوگی تو وہ اس کے

لیے کفارہ ہے۔

اس پر علامہ عینی وغیرہ نے بہت سارا کلام کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث اور اسناد میں کلام ہے اور حدیث عبادہ یہ سنداً و متناً قوی ہے اور صحیح ہے اور بعض لوگوں نے تطبیق کی یہ صورت نکالی کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا مفاد حدود کے کفارہ ہونے یا نا ہونے میں شک ہے جب کہ عبادہ کی حدیث کا مطلب حدود کا کفارہ ہونا ہے لہذا تطبیق یہ ہوگی کہ حضور کو اب کی طرف سے جب تک بتلایا نہ گیا تو آپ نے شک کے طور پر فرمایا اور جب بتلادیا گیا تو حدود کو یقینا کفارہ قرار دیا جیسا کہ عبادہ کی حدیث میں صراحت ہے۔

شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حدود کفارہ ہیں لیکن بعض لوگوں نے یہ کہا کہ حدود کفارہ ہیں یہ نہیں اس میں توقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل کی سزا بتائی کہ ان سے قصاص لیا جائے اگر کوئی ناحق کسی کو قتل کرے اس آیت کریمہ کے پیش نظر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم**" دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اس کے پیش نظر انہوں نے توقف فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہوا کہ کون سا مضمون راجح ہے یا مرجوح اور نہ یہ ثابت ہوا کہ دونوں دلائل میں وجہ موافقت کیا ہے۔

حدیث مذکور میں فرمایا جو ان باتوں میں سے کوئی بات کرے پھر دنیا میں اس پر عقوبت ہو تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے تو اس کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفہوم غیر مشروط ہے اس میں کوئی شرط نہیں اور حدیث ابوہریرہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضور ﷺ نے ان لوگوں کے حق میں ارشاد فرمائی کہ جو توبہ کر کے دنیا سے گئے ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کی طرف مفوض ہے چاہے تو حدود کو ان کے لیے کفارہ بنادے اور ان پر آخرت میں کوئی عقاب نہ ہو اور چاہے تو یہ ان کے لیے کفارہ نہ ہوں اور حدود قائم ہونے کے بعد بھی ان سے آخرت میں کوئی مطالبہ ہو۔ میری سمجھ

یں ان دونوں حدیثوں میں ایک وجہ موافقت آرہی ہے وہ یہ کہ حدیث عبادہ میں ایک شرط اور مشروط ہے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے اور (اس کی نظیریں پہلی حدیثوں میں بھی گزر چکی ہیں) کہ بظاہر حکم مطلق کا معلوم ہوتا ہے لیکن کسی معروف شرط کے ساتھ وہ حکم مشروط ہوتا ہے اور یہاں پر شرط معروف توبہ وندامت ہے اور جو توبہ کر لیتا ہے حدیث میں وارد ہوا وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں عام ازیں کہ وہ قاضی کے پاس پہونچا یا نہیں پہنچا اس سے گناہ سرزد ہوا اس نے توبہ صحیحہ، مقبولہ کر لی پھر اس کو مہلت نہ ملی اور مر گیا تو وہ حدیث کے حکم سے ایسا ہو گیا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اب انشاء اللہ بحکم حدیث آخرت میں ایسے شخص سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا چاہے اس پر حد قائم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور ایک قرینہ میں یہ پیش کرتا ہوں کہ حدیث میں جو یہ فرمایا ''جس کا پردہ اللہ نے رکھا اور اس پر حد قائم نہ ہو سکی پھر وہ مر گیا تو اب وہ اللہ کی مشیت پر چاہے تو اس کو سزا دے چاہے تو اس کو بے سزا معاف فرمادے تو یہ بھی مشروط ہے اور شرط وہی ہے کہ توبہ صحیحہ سے اگر وہ مر گیا، مثلاً توبہ کرنے کا موقع نہ ملا یا توبہ کی اس وقت جس وقت آدمی کی توبہ مقبول نہیں ہے یعنی حالت غرغرہ میں روح حلق میں اٹک گئی اور معائنۂ عذاب کا موقع آیا اب اس نے توبہ کی تو توبہ صحیح نہ ہوئی تو اب اس شرط پر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو توبہ کر کے مر گیا تو چاہے اس پر حد قائم ہوئی یا نہ ہوئی لیکن ''التائب من الذنب کمن لا ذنب له'' کے پیش نظر اگر چہ اس پر حد قائم نہ ہوئی لیکن یہی حد اس کے لئے کفارہ ہو جائے گی اور انشاء اللہ اس سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ اور یہی حکم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا اور اس پر حد قائم نہ ہوئی تو اس کا معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے مطلق نہیں ہے بلکہ مشروط ہے اور ایسے ہی جس پر حد قائم ہو گئی تو یہ حد اس کے لئے کفارہ ہے۔ تو یہ حکم بھی مطلق نہیں ہے، مشروط ہے، یعنی جسکو توبہ صحیح کا موقع مل گیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے توبہ کر لی تو انشاء اللہ یہ حدود بھی اس کے لیے مکفر ہوں گی یہ میرے نزدیک دونوں حدیثوں میں وجہ تطبیق ہے۔ حدیث ابو ہریرہ میں سرکار نے فرمایا ''لا

ادری‘‘ اس سے نفی علم نہیں ہے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کہ جو لوگ بغیر توبہ کے دنیا سے چلے گئے میں انکے بارے میں کوئی تفصیل و تعیین نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو انکی حدود کو کفارہ بنادے اور چاہے تو انکے ساتھ وہی معاملہ کرے جو آیت میں آیا ’’لهم في الدنيا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظيم‘‘ انکے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں انکے لئے بڑا عذاب ہے۔ اب ذیل میں اس سلسلے میں کہ حدود کفارہ ہیں چند احادیث پیش کرتے ہیں جنکو امام عینی نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ اگر حدود قائم ہو جائیں تو یہ اصحاب حدود کے لئے کفارہ ہیں اور انکے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں مقتول کو اس کا حق مل جاتا ہے اور قاتل پر کوئی مطالبہ باقی نہیں رہے گا اور ایک حدیث یہ ہے ’’ان السیف محا للخطایا‘‘ کہ تلوار تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ ’’جب قتل آجائے تو وہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اگر قتل کسی کو حداً کیا گیا تو یہ اس کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے‘‘ بہر حال اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ حدود اصحاب ذنوب کے لئے کفارہ ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے یہ بحث بھی ذکر کی کہ حضور ﷺ نے یہ بیعت جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے کب لی؟ کیا یہ الفاظ سرکار نے اسی لیلۃ العقبۃ (جو بیعت اولیٰ ہے) میں فرمائے یا یہ بیعت کے الفاظ فتح مکہ کے بعد جب آیت اتری جس میں سرکار سے فرمایا گیا کہ مومنات اگر تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے ان باتوں پر بیعت لو جو قرآن کریم میں ذکر ہوئیں تو اسی وقت حضرت عبادہ سے بھی فرمائے اس معاملہ میں اختلاف ہے ابن حجر عسقلانی اس بات کے قائل ہوئے کے یہ سارے الفاظ جو بیعت کے ہیں یہ متاخر ہیں اور لیلۃ العقبۃ میں حضور نے انصار کرام سے اس بات کی بیعت لی کہ حضور پر ایمان لائیں اور حضور کے دین کو قبول کریں اور یہ کہ حضور کی حفاظت فرمائیں اور یہ کہ جب وہ ان کی طرف ہجرت کر کے آئیں گے تو یہ مہاجرین کو پناہ دیں۔ اور باقی

الفاظ حضرت عبادہ بن صامت نے جب آیت اتری اس وقت سنے۔ اور حضرت امام عینی نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بیعت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقبہ اولیٰ میں لی تھی اور یہ الفاظ حضور نے ان سے اسی وقت فرمائے اور ان دلائل کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

استنباط احکام : پہلا حکم حدیث کا یہ ہیکہ حدیث کے آخری کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے نہ گنہگار پر حد قائم کرنا اور نہ سزا دینا واجب ہے اور نہ فرماں برداروں کو ثواب دینا واجب ہے سب اللہ کے کرم پر ہے اگر اس نے اپنے ذمۂ کرم پر یہ لے لیا اور وعدہ فرمایا کہ فرماں برداروں کو ثواب دونگا تو اسکا وعدہ متخلف نہیں ہوسکتا۔ اور عاصیوں کے لئے اللہ نے فرمایا کہ یہ میری مشیت پر ہے کفر کے علاوہ جو گنہ گار ہیں چاہوں تو انکو معاف کردوں چاہوں تو انکو عذاب دوں لہذا معلوم ہوا کے اللہ پر کچھ واجب نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا ''فھو الی اللہ'' اللہ نے جس کا پردہ رکھ لیا اور دنیا میں اس پر حد قائم نہ ہوئی تو اس کو اور جن کے بارے میں نص قطعی ہمارے پاس نہیں جو دنیا میں کوئی گناہ کرے اور دنیا میں اس کو سزا مل جائے اللہ تبارک وتعالیٰ بہت کریم ہے اس بات سے کہ وہ آخرت میں دو بارہ عقوبت کرے۔

معاملہ اللہ کی طرف ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو توبہ سے پہلے مرگیا اس کا حکم اللہ کی طرف مفوض ہے چاہے تو اس کو بے حساب معاف فرمادے اور جنت میں داخل کردے اور چاہے تو اس پر عقاب فرمائے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے، معتزلہ وخوارج نے اس پر مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا واجب ہے۔ لہٰذا یہ حدیث معتزلہ کے خلاف حجت ہے۔

اور مارزی نے کہا کہ آجکل کے وہابی بھی اس میں شامل ہیں خاص کر اسماعیل دہلوی ان کو اس نے شرک جلی کی حد میں رکھا اور مسلمانوں کو کافر بنایا تو اس میں ان کا کھلا رد ہے کہ اہل کبائر جو مومن ہوں اور شامت اعمال سے گناہوں کے مرتکب

ہوں وہ مسلمان ہیں ان کی تکفیر جائز نہیں۔

اس حدیث میں سرکار کے فرمان "فھو الی اللہ" سے اشارۃ النص کے طور پر یہ ثابت ہوا کہ کسی کے حق میں (تعلّی) یا شہادت دینا کہ گواہی دیتا ہوں کہ شخص جنتی ہے یا جہنمی ہے اس قسم کے یقینی حکم کو شہادت سے مؤکد کرنا جائز نہیں سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے بارے میں نص قطعی وارد ہوئی کہ یہ کافر ہیں۔ اور جن کے بارے میں نصوص قطعیہ سے ثابت ہوا کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ اہل جنت ہیں اور جن کے بارے میں نص قطعی ہمارے پاس نہیں ہے تو ان کو جنتی یا جہنمی کہنا یہ ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔

اور یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ جس شخص پر حدود قائم ہو جائیں اور توبہ صحیحہ کے ساتھ وہ مرجائے تو یہ حدود اس کے لئے معین ومددگار ہیں اور آخرت میں اس سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا اور اس پر بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جس کو امام عینی نے اس موقع پر ذکر کیا ہے۔ "من اصاب ذنبا فعوقب بہ فی الدنیا فاللہ اکرم من ان یثنی بالعقوبۃ علیٰ عبدہ فی الآخرۃ" اس حدیث کو بہت سارے محدثین نے روایت کیا اور ترمذی وحاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

دوسری حدیث ابو جہنی سے مروی ہے جو امام طبرانی نے روایت کی ہے اور خزیمہ کی حدیث کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے "من اصاب ذنبا اقیم الحد علی ذلک الذنب فھو کفارتہ" جو کوئی گناہ کرے اور اس پر دنیا میں اس پر حد قائم ہو جائے تو یہی حد اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

اور ابن عمر سے بھی اس مضمون کی حدیث مروی ہے اور اس کو طبرانی نے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا "ما عوقب رجل علیٰ ذنب الا جعلہ اللہ کفارۃ لما اصاب من ذلک" کوئی شخص جب اس کو دنیا میں کوئی عقاب قائم ہوتا ہے یا کوئی حد قائم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو کفارہ کر دیتا ہے اس گناہ کا جو اس نے دنیا میں کیا۔

سوالات و جوابات : سوال یہ ہے کہ یہاں پر حضور ﷺ نے انصار کرام سے بیعت لی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے فرمایا ”ولاتقتلو اولادکم“ تو اس میں خاص قتل ولد سے نہی وممانعت وارد ہوئی جس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ غیر ولد کا قتل جائز ہے۔اس کا جواب یہ دیا کہ یہ خاص مفہوم لقب سے احتجاج کے قبیل سے ہے اور اصول میں یہ مقرر ہو چکا ہے کہ کسی خاص چیز کا ذکر اس کے علاوہ دوسری چیز کی نفی کا فائدہ نہیں دیتا ہے اس کو مفہوم لقب کہتے ہیں کہ جب چیز کا ذکر کیا جائے اور اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس چیز کا ذکر ہو گیا تو دوسری چیز منفی ہے یہ استدلال مردود وغیر مقبول ہے تو یہاں پر یہ جو استدلال ہے اور جو وہم پیدا ہوا ہے وہ اس قبیل سے ہے کہ جب حدیث میں ولد کا ذکر ہو گا تو یہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ صرف قتل ولد منفی ہے اور دوسری جانوں کا قتل ناحق جائز ہے۔ اور اسکا ایک جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ شرعا جن مفاہیم مخالف کا اعتبار اگر ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ کسی شی کی تخصیص باعتبار غالب عادت نہ ہو، رواج سے کسی شی کی تخصیص نہ کی گئی ہو۔اور یہاں پر معاملہ یہ ہے کہ عربوں میں جو عادت ورواج غالب تھا اس کے اعتبار سے قتل ولد کی تخصیص کی گئی اس کے قباحت وشناعت کے خاص اہتمام کے لیے کہ فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے ہو یہ بہت بری عادت ہے اس سے تم لوگ باز آؤ۔میری بیعت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تم نے میرا کلمہ پڑھ لیا شرک، چوری، زنا، قتل ولد، یہ سب بڑے بڑے کبائر ہیں ان سے بچے رہو۔ یہ نہیں کہ کچھ خاص ممنوعات کا ذکر کر دیا گیا تو ان سے بچو وہ جائز نہیں باقی امور جائز ہیں۔ بلکہ ان خاص ممنوعات کا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ ان کی تخصیص خاص توجہ کی مقتضی تھی اس اعتبار سے ان کی تخصیص کی گئی ورنہ یہ نہیں ہے کہ انکے سوا اور دیگر امور جائز ہیں۔اور طرز کلام ومقام سے خود یہ مفہوم ہو رہا کہ جن چیزوں کی ممانعت لفظا مذکور ہے وہ تو منع ہیں ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ جب تم نے میری بیعت کر لی تو تمہارے او پر میری اتباع واجب ہے۔اور میں جس بات کا تم کو حکم دوں اس حکم کی تعمیل وفرماں

برداری تم پر لازم ہے اور میری مخالفت تمہارے اوپر قطعا حرام ہے۔ چنانچہ یہاں پر تخصیص کے بعد عموم کی طرف اشارہ کیا ''**ولا تعصوا فی معروف**'' یہاں پر مفعول بہ ضمیر متکلم کو محذوف کر دیا گیا ہے اور دوسری روایت میں ''**ولا تعصونی**'' ہے کہ میری معصیت کسی نیک کام میں نہیں کروگے۔ یہ جو ممانعت ہے سب کو عام ہے۔

اب مفہوم مخالف کے طور پر یہاں بھی ایک سوال اٹھتا ہے کہ نیک کام میں میری معصیت نہیں کروگے اس کا مطلب یہ ہوا کہ منکر کا حکم بھی حضور کی طرف سے ہو سکتا ہے؟ جواب یہی ہے کہ مفاہیم مخالف کا شرعا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں معروف سے کنایہ کیا گیا ہے اتباع سے۔ یعنی جن امور میں میری پیروی شرعا مطلوب ہے ان میں تم میری مخالفت نہیں کروگے اسکا مطلب یہ ہوا کہ یہ جملہ ''لاتعصوا'' انشاء ہے جو نہی پر مشتمل ہے اور اس میں ایک دلالت مقام ہے قرینہ مقام ایک خبر محذوف پر دلالت کر رہا ہے کہ نیکی میں تم میری مخالفت نہیں کروگے اور میں تم کو حکم نہیں دیتا مگر نیکی کا۔ اس خبر نے یہ بتایا اور نبی کی نبوت نے اس بات پر دلالت کی کہ نبی کا منصب یہ ہے کہ وہ تمام صغائر و کبائر سے معصوم ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنی امت کو کسی برائی کا حکم دے جو کچھ حکم دیگا وہ ایسا ہوگا جو سراسر نیکی ہوگا اس پر یہ محال ہے کہ وہ برائی کا حکم دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور انصار کرام کے دلوں کو تسلی بھی دے رہے ہیں اور رغبت بھی دلا رہے ہیں کہ میں جو حکم تم کو دے رہا ہوں تمہارا اس میں بھلا ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے اور اس میں تمہارے لئے میری معصیت روا نہیں اگر تم میری معصیت کروگے تو تم اپنا ہی بگاڑو گے اس لئے کہ میں تو خیر ہی کا حکم دیتا ہوں اور منکر کا حکم نہیں دیتا۔

حدیث میں مذکور: سرکار دوعالم ﷺ کے طرز خطاب سے اور یہاں پر جو خبر محذوف ہے اس سے حضور ﷺ کی عصمت معلوم ہوئی کہ خود تو منکر کے ارتکاب سے منزہ ہیں ہی دوسروں کو بھی محض منکر کے حکم سے منع کرتے ہیں جو حکم دیں گے وہ خیر ہی ہوگا۔ اور بالفرض اگر بغرض غلط میرا حکم اگر معصیت میں ہو تو تمہارے اوپر میری

اتباع واجب نہیں ہے اس لئے کہ "**لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" کیونکہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اتباع نہ کرے۔ بغرض غلط اگر معصیت کا حکم دیں تو تمھارے اوپر اسکی اتباع واجب نہیں لیکن یہ کلام فرضی ہے۔

قتل ولد کی تخصیص کی چند وجوہ تھیں ان میں سے ایک یہ کہ ان لوگوں میں زیادہ رواج قتل ولد کا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ قتل کے بھی کئی طریقے ہوتے ہیں جیسے گلا کاٹ دینا، گلا گھوٹ دینا، اس کے علاوہ بھی طریقے ہیں۔ عربوں میں جو قتل اولاد کی رسم تھی وہ بہت ہولناک، انسانیت سوز تھی، وہ زمین میں گڑھا کھود کر اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے یہ قتل کی بہت ہولناک صورت ہے اس وجہ سے بھی قتل ولد کی خاص توجہ دی۔ اور اگلی بات یہ کے قتل ولد، ایک گناہ نہیں ہے بلکہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ایک تو قتل ولد ہے اور دوسرا یہ کہ قطع رحم ہے، رشتہ داری، قرابت جسکو ملانے کا شرع نے حکم دیا، اہتمام فرمایا اس میں اس صلہ رحمی کا اہتمام نہیں ہے اور قتل ولد میں صرف یہی نہیں کہ ایک جان گئی بلکہ بیوی کے ساتھ بھی ظلم ہوا اور اسکے ساتھ جو دوسرے قرابت دار ہیں ان کا حق بھی متعلق تھا ان کا بھی کاٹنا لازم آیا۔ اس لئے قتل ولد کی تخصیص ہوئی۔

حدیث پاک میں **ولا تعصونی فی معروف:** کسی نیک بات میں میری نافرمانی نہ کرو۔ یہاں معروف کو نکرہ فرمایا اور اس سے مراد نیکی ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ معروف سے مراد اتباع ہے کہ محل اتباع میں جن چیزوں میں میری اتباع میرے حکم سے واجب ہے اس میں میری نافرمانی مت کرو۔ تو اس طرز سے واجبات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جو کچھ تمہارے اوپر واجبات ہیں ان کو ادا کرو اور ترک واجب یہ معصیت ہے تو واجب کو ترک کر کے محرمات کا ارتکاب کر کے معصیت کے مرتکب نہ بنو بلکہ جو کچھ میں تمہیں حکم دوں اس میں میری اتباع کرو تو اس طرز پر تمام محرمات بھی آگئے اور اس کے ضمن میں واجبات کا ذکر بھی ہو گیا۔

اب یہ بات کہ اس کی حکمت کہ محرمات کا ذکر خاص طور پر کیا گیا اور واجبات کا

ذکر ضمنی طور پر ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث پاک ذکر کی جاتی ہے جس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ شارع علیہ السلام کو منہیات سے پرہیز اور ان سے اجتناب میں کتنا اہتمام اور واجبات بھی لائق اہتمام ہیں شریعت نے ان کی تاکید فرمائی ہے اور واجبات کی تعمیل کا حکم بھی ہے لیکن حدیث میں یوں فرمایا جو کچھ میں تم کو حکم دوں تو اس میں جو تمہاری استطاعت میں ہے اس کو ضرور بجالاؤ "ماامرتکم بہ فاتوا منہ ما استطعتم" جو کچھ میں تمکو حکم دوں تو اس میں جس قدر کی تمہیں استطاعت ہے اس کو ضرور بجالاؤ اور جس سے میں تمہیں منع کروں اس سے باز رہو۔ واجبات میں استطاعت کی قید لگائی اور یہاں ممنوعات میں استطاعت کی قید نہیں لگائی اس سے معلوم ہوا کہ ممنوعات سے اجتناب کا شارع علیہ السلام کو بہت زیادہ اہتمام ہے اس لئے خاص طور پر ان کو ذکر کیا۔

یہاں پر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے یہ احکام صرف صحابہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ رہتی دنیا تک ساری امت کے لئے ہے اور حضور کی رسالت یہ عام ہیں تو حضور ﷺ کا حکم باقی ہے اور وہ اپنے اس دائمی حکم کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں، باقی ہیں، تو آپ کا حکم جب باقی ہے تو اس طرز نے یہاں پر یہ بتایا کہ حضور نے یہاں پر "لاتعصوا" فرمایا اور مفعول بہ کو ذکر نہیں فرمایا کیوں کہ اگر مفعول بہ کو ذکر کردیتے تو ایک طرح کی تعین ہو جاتی۔ یہاں پر مفعول بہ کو عموم کے لئے ذکر نہیں کیا کہ "امر منکر" میں کسی کی معصیت تمہیں جائز نہیں ہے کوئی تم کو بھلائی کا حکم دے تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم اس کے حکم کو مانو اور اس میں اس کی اتباع کرو کیونکہ اس کا حکم اگر چہ بظاہر اس کی زبان سے ادا ہوا ہو لیکن یہ قیامت تک میرا حکم ہے۔ لہٰذا تم کو کوئی بھی بھلائی کا حکم دے تو اس کو مانو۔ اور کسے باشد اگر تم کو منکر کا حکم دیتا ہے تو منکر کا حکم نہ میرا حکم ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور منکر میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے اس وجہ سے حضور نے "ولاتعصوا" میں مفعول بہ کو ذکر نہیں فرمایا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے آگے فرمایا "فمن وفی منکم فاجرہ علی اللہ" جو تم

میں سے ان باتوں کو پورا کر دے تو اسکا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اس میں ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر کچھ واجب نہیں اور یہاں پر اس طور پر بیان کیا گیا گویا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ثواب واجب ہے اور معتزلہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اصلح للعباد واجب ہے۔ حالانکہ اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ نہ اس پر کسی کو عقاب کرنا واجب ہے اور نہ کسی کو ثواب دینا واجب ہے۔ جو کچھ وہ ثواب دے وہ محض اسکی عطا ہے اس کا فضل ہے۔ پھر یہاں پر ''علی'' کیوں فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر اس کو لے لیا ہے اس اعتبار سے یہ فرمایا کہ اس کا اجر اللہ پر ہے اور یہ کہ اللہ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ فرماں بردار کو ثواب دیگا اور جو گنہ گار ہیں ان میں سے جس کو چاہے گا عذاب دیگا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متخلف نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالے تو اسکو ضرور ہونا ہی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ وجوب ہے لیکن معتزلہ جس وجوب کے قائل ہیں وہ سراسر گمراہی ہے۔ اور ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مختار ہے اور اس نے اپنی مشیت سے یہ چاہا کہ میں فلاں کو ثواب دوں گا اور فلاں کو میں عذاب دوں گا تو اب اسکی مشیت کے بعد اسکا ارادہ کسی فعل سے متعلق ہوا تو اب اس فعل کا معرض وجود میں آنا ضروری ہوگیا یہ وجوب سنی حنفی ہے اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت نے ''المعتمد المستند'' میں فرمائی ہے۔

مذکورہ حدیث میں جو وجوب سمجھ میں آیا یہ ''علی'' حرف جر سے آیا کہ وہ استعلا کے لیے آتا ہے اور ایجاب کے لیے بھی آتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے علاوہ دیگر معانی کے لیے بھی آتا ہے، کبھی مقاربت و''ان'' وغیرہ کے معنیٰ کے لیے بھی آتا ہے جیسے ''اکرم علی اللہ'' فلاں شخص اللہ پر زیادہ کرامت والا ہے۔ یعنی اللہ کے حضور میں اسکو زیادہ کرامت حاصل ہے تو اب جز وحدیث کا مطلب یہ ہوا ''فاجرہ علی اللہ'' یعنی ''اجرہ عنداللہ'' نیز یہاں اجر کہنے میں بھی مجاز ہے کہ حقیقت میں اجر اسکو کہتے ہیں جو عامل کا حق ہوتا ہے کہ مزدوری کے بعد مالک جو اسکو اجرت دیتا ہے یہ اجرت

مستحقہ ہوتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ پر اس طور پر کسی کا حق نہیں ہے یہاں پر مجازاً اس ثواب کو حق کہہ دیا گیا کہ وہ صورت میں اجر کے مشابہ ہے۔

حدیث مذکورہ کا یہ جزو " ولاتاتوا ببھتان تفترونہ بین ایدیکم وارجلکم " بھی وضاحت طلب ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں نے کہاں کہ بہتان کسی قسم کا ہو خلاف واقعہ بات کسی کی طرف منسوب کرنا، یا خلاف واقعہ بات بولنا" یہ مراد ہے۔ کہ جھوٹ نہیں بولو گے یا کسی پر بہتان نہیں باندھو گے۔ رہا یہ سوال کہ اس کی تطویل کیوں کی تو وہ بہتان کی شناعت وقباحت بیان کرنے کے لیے ہے۔ کہ بہتان جو خلاف واقعہ بات ہے اسکے تم مرتکب نہ ہو گے پھر "تفترونہ" کہہ کر اس کو مزید موکد کر دیا کہ بہتان لانا تو در کنار اس کا قصد بھی نہ کرو گے وہ بہتان تمہاری زبان سے ادا ہو یا تمہارا دل اس کا قصد کرے یا کسی طور پر تم اس بہتان میں مددگار ہو وہ حرام ہے۔ پھر "بین ایدیکم وارجلکم" فرمایا یہ عرب کا محاورہ ہے اور یہاں "یدورجل" سے آدمی کی ذات مراد ہے۔ اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی جنایت قولیہ کرتا ہے لیکن یہ کہا جاتا ہے "ھذامماقدمت یداک" یہ وہ جرم ہے کہ جو تیرے ہاتھوں نے کیا ہے تو مراد وہی ہوتی ہے کہ تو نے خود کیا ہے۔

لہٰذا اکثر "بین ایدیکم وارجلکم" سے کنایہ ذات سے ہوتا ہے۔ مزید اس میں "ارجلکم" کا اضافہ کر دیا اس افادہ کے لئے کہ نہ تم اس کا قصد کرو گے اور نہ اپنے ہاتھوں سے اسکو کرو گے یعنی اس بہتان کو گڑھنے کے لئے پیروں سے چل کر سعی بھی نہیں کرو گے تو یہاں پر ارتکاب بہتان کسی طور پر ہو اس سے منع فرمایا۔ محاورۂ عرب میں بین ایدیکم کا مطلب لوگوں کے سامنے" بھی ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ بہتان تو بہتان ہے ہی لوگوں کے سامنے دانستہ طور پر گڑھی ہوئی بات اٹھانا یہ بڑی بے حیائی ہے کہ آدمی لوگوں کے سامنے گڑھی ہوئی بات کہے اور اس طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے

آپ کو رسوا کرے۔ اس لئے یہاں بین ایدیکم فرمایا گیا۔ نیز یہ کلمات کریمہ ہیں جو قرآن کریم میں اصل میں بیعت نساء کے ذکر میں وارد ہوئے تو وہاں پر فرمایا گیا ''ولا یاتین بھتان یفترینہ ایدیھن وارجلھن'' یہ عورتیں کوئی ایسا بہتان نہ لائیں جس کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان اٹھائیں تو یہاں پر ہاتھ پیر سے مراد موضع ولادت ہے یعنی گناہ کے ذریعہ سے کوئی بچہ پیدا ہو یا عورتوں کو کوئی بچہ راستہ میں ملے اور وہ اس کو دوسرے مرد سے منسوب کردیں اور یہ کہدیں کہ یہ فلاں کا بچہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بچوں کو اپنی طرف منسوب کرنے میں جھوٹ سے کام نہ لو جو تمہاری اولاد ہے اس کو اپنا بچہ کہو اور جو تمہاری اولاد نہیں ہے عام ازیں کہ وہ ''ولد الزنا'' ہو یا وہ بچہ راستہ میں کہیں سے اٹھایا گیا ہو تو اس کو اپنا بچہ مت کہو یعنی عورتوں کے اس فعل کو مقرر مت رکھو۔

□□□

باب من الدین الفرار من الفتن

حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالك عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صَعْصَعَة عن ابیه عن ابی سعید الخدری انه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال و مواقع القطر یفر بدینه من الفتن"

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ بن مسلمہ نے، وہ روایت کرتے ہیں مالک سے، وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے، وہ حضرت ابوسعید خدری سے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمان شخص کا بہتر مال بکری ہوگا جس کو لیکر کے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جائے گا اور بارش کے مقامات کو تلاش کرے گا اور وہاں اپنی بکریوں کو لے جائے گا اپنے دین کو لیکر وہ فتنوں سے بھاگے گا۔

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ باب باندھا جس میں ذکر کیا جائے گا کہ دین و ایمان کے شعبوں میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کو لیکر کے فتنوں سے بھاگے۔ امام صاحب نے یہاں پر اس باب کے تحت مذکورہ حدیث سے جو معنی اخذ ہوتے ہیں اسی کو لیکر باب باندھ دیا اور اسی معنی کو باب کا عنوان قرار دیا کیونکہ یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ تعلیقاً نفس حدیث کو ذکر دیتے ہیں اور کبھی یہ کہ حدیث سے جو معنی ثابت ہوتا ہے اس کو اخذ کر کے باب باندھتے ہیں۔

بیان اعراب میں یہاں پر دو وجہیں جائز ہیں ایک تو یہ کہ ''باب'' کو ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور مبتدائے محذوف کی خبر بنایا جائے ''ھذا باب'' اور یہاں پر ایک صفت قرینہ مقام سے مقدر ہے یعنی ''ھذا باب یذکر فیہ من الدین الفرار من الفتن'' یہ باب وہ ہے جس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ دین کے امور سے یہ ہے کہ آدمی ایام فتنہ میں اپنے دین کو لیکر کے لوگوں سے جدا ہو اور کسی ایسی جگہ جائے جہاں پر اس کا دین وایمان محفوظ ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ''باب'' کو سکون کے ساتھ پڑھا جائے تو اب یہ مبنی علی السکون ہوگا۔ اب سوال یہاں پر یہ ہے کہ پہلے ''کتاب الایمان'' کے تحت جو ابواب لیکر آئے ان میں ''من الایمان'' کہا اور آگے بھی ایسے ابواب آئیں گے اور یہاں پر ''من الدین'' کہا آخر یہاں پر طرز کیوں بدلا؟ تو اسکی طرف اشارہ پہلے بھی گذر چکا تھا کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف ابواب میں مختلف اسالیب ہیں۔ کہیں جو حدیث ذکر کرتے ہیں بعینہ اس کا کوئی ٹکڑا لیکر تعلیقاً اسی کو ذکر کر دیتے ہیں پھر پوری حدیث اپنی سند سے ذکر کر دیتے ہیں جیسا کہ سابقہ ابواب کا طرز ہے۔ اور کہیں یہ طرز گذرا کہ حدیث سے جو معنیٰ ماخوذ ہوتا ہے اس معنیٰ کو عنوان باب بناتے ہیں تو چونکہ یہاں حدیث میں آیا ہے ''یفر بدینہ من الفتن'' کہ اپنے دین کو لیکر فتنوں سے بھاگے گا۔ لہٰذا ترجمۃ الباب میں بقدر امکان معنیٰ کو لیا اور کلمات حدیث سے تیمن وتبرک کے لئے بقدر امکان وہ لفظ لے لیا جو آخر میں وارد ہے۔ لہٰذا یہاں پر ''من الاسلام'' یا ''من الایمان'' نہ کہہ کر ''من الدین'' کہا اور ساتھ ہی اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ جس طرح سے اسلام وایمان مترادف ہیں یوں ہی دین کا اطلاق بھی دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ خود قرآن کریم میں ہے ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' دین اللہ کے یہاں اسلام ہی ہے۔ مذکورہ گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دین کو بچانے کے لئے فتنوں سے بھاگنا یہ بھی دین کا ایک شعبہ ہے اسلئے کہ دین کی حفاظت اس فرار پر موقوف ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ''ما لایتم الواجب الا بہ فھو واجب''۔ واجب جس کے بغیر متحقق نہ ہو تو وہ فعل بھی

واجب ہے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان جس طرح سے شرعا مطلوب ہے اور دین کی حفاظت شرعا مطلوب ہے اسی طرح دین کی صیانت کے جتنے مقدمات ووسائل ومبادی ہیں وہ بھی شرعا مطلوب ہیں، انہیں میں سے ایک ''الفرار من الفتن'' کہ آدمی ایام فتنہ میں اپنے دین کو لیکر کے کہیں چلا جائے اور اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر وہ کہیں ایسی جگہ جائے جہاں اس کا دین محفوظ رہے۔اس گفتگو سے امام نووی کے اس اعتراض کا جواب بھی حاصل ہو گیا جو انہوں نے کیا کہ امام بخاری نے اس حدیث سے جو باب کا عنوان قائم کیا ''الفرار من الفتن'' اس پر اس حدث سے استدلال درست نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ''نفس فرار'' یہ دین وایمان میں سے ہے اس کا قائل کوئی نہیں ہے اور فرار اگر صیانت دین کے لئے ہو تو وہ دین وایمان سے ہے۔کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو چیز جس چیز کا مقدمہ ہو اور وہ شئی اس پر موقوف ہو تو وہ وسیلہ اور مقدمہ اس شئی کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔یہاں پر فرار چونکہ دین کا مقدمہ اور وسیلہ ہے تو یہ بھی دین میں سے ہے۔خود سرکار کے فرمان سے یہ ثابت ہے کہ ''فرار من الفتن'' ایمان ودین میں سے ہے دین کی حفاظت کی خاطر۔لہٰذا آدمی اپنے وطن کو اپنے ایمان کی خاطر چھوڑ کر جائے یہ بھی دین کا حصہ ہے یا وہ اپنے وطن میں رہ کر ہی مشاہد خیر میں شریک ہو اور جب حاجت ہو لوگوں کے ساتھ بیٹھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے اور ان کے وہ افعال واقوال جو دین سے مناسبت نہیں رکھتے خلاف دین ہیں ان میں ان کی مشارکت نہ کرے تو اس کے لیے بھی دین کی حفاظت ضروری ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ایام فتنہ میں اگر ایسی حالت ہو جائے کہ آدمی اپنا ایمان نہیں بچا سکتا اور اس کو وہ فتنہ کی جگہ چھوڑنا ضروری ہو جائے تو اس کو فتنہ کی جگہ چھوڑنا ضروری ہے اور اس کا حکم ہے۔اب یہ حکم جیسے وہاں کے حالات ہونگے ویسے ہی وہاں مرتب ہوگا اگر اندیشہ قوی ہے کہ اگر یہ وہاں پر رہے گا تو اس کے دین وایمان پر ضرر پہونچے گا اور دین وایمان محفوظ نہیں رکھ سکے گا اگر ایسی یقینی حالت ہے تو اس صورت میں فرض ہے اور اگر یہ حالت یقینی

نہیں ہے بلکہ مظنون ہے تو اس پر وہاں سے چلا جانا واجب ہے اور یہ حالت اس درجہ نہیں ہے اور اتنا قوی اندیشہ بھی نہیں ہے تو اگر اب وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا یہاں سے جانا بہتر ہے تو یہ درجہ مستحب میں ہے جیسے کہ ائمہ کرام نے نکاح کے بارے میں یہ تفسیر کی ہے کہ جس کو یہ خوف ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائیگا تو اس کے حق میں نکاح فرض ہے۔ اور جس کو ظن غالب ہو اس کے حق میں واجب ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو اس کے حق میں نکاح مسنون ہے۔ اس طرح ''فرار بالدین'' میں تینوں صورتیں آتی ہیں۔

حدیث مذکورہ بالا سے پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ اگر آدمی قدرت رکھتا ہے تو ایام فتنہ میں لوگوں سے جدا رہے اور وہاں سے چلا جائے اس کے لئے جانا بہتر ہے جبکہ شبہ قویہ فتنہ میں پڑنے کا نہ ہو۔ اور اگر شبہ قویہ ہے تو واجب ہے یا فرض ہے جیسا کہ پہلے گزرا اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ شخص مستفید یا مفید نہ ہو اگر وہ استفادہ کی منزل میں ہے ابھی احکام ضروریہ دینیہ اس نے نہیں حاصل کیے ہیں تو اس صورت میں یہ فرض ہے کہ پہلی فرصت میں جس قدر ممکن ہو احکام ضروریہ دینیہ علماء سے حاصل کرے اور ان کے تعلم سے فرصت پائے اور پھر وہ اس جگہ سے الگ ہو جائے جو محل فتنہ ہے اور اگر وہ مفید ہے یعنی لوگوں کو اس سے فائدہ ہو سکتا ہے اور وہ مقتدا ہے لوگوں کا مرجع ہے اور اس سے لوگوں کا فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فتنے لوگوں کے اندر پھیلے ہوئے ہیں وہ ان کا ازالہ کر سکتا ہے ایسے شخص کے لیے جو اس پر قدرت رکھتا ہے اس کے لیے الگ ہونے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کو یہ حکم ہے کہ ان فتنوں سے جدا رہ کر اسی جگہ پر رہے اور لوگوں کو ان فتنوں سے بچانے کی کوشش کرے۔ اور الگ ہونے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو نہ مفید ہو اور نہ مستفید ہو۔

مذکورہ وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے احوال تین ہیں:

(۱) مفید۔ (۲) مستفید۔ (۳) غیر مفید و مستفید۔

جو مفید ہے اس کو لوگوں میں رہ کر لوگوں کو فائدہ پہونچانا ضروری ہے۔ جو مستفید

ہے اور اس کو تعلم کی حاجت ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس جگہ پر رہے جہاں پر وہ دین سیکھتا ہے اور اگر اس کو احکام دین سیکھنے کی حاجت اس طرف بلائے تو وہ اپنا وطن چھوڑے اور ایسی جگہ جائے جہاں وہ احکام دین سیکھے۔ یہ بھی ''فوار من الدین'' کی ایک صورت ہے۔ یہاں پر فتنہ یہ ہے کہ اگر جاہل رہ جائے گا اور دین کے احکام نہیں سیکھے گا تو ان پر عمل کیا کرے گا؟ اور وہ شخص جو نہ مفید ہے نہ مستفید ہے اس کے لئے خلوت ہی متعین ہے کہ وہ لوگوں سے دور رہے اور اپنے دین کی حفاظت کرے یعنی اس سے یہ مظنون نہیں ہے کہ لوگوں کو فتنہ سے بچا ئیگا اور جتنا علم فرض ہے وہ حاصل کر چکا ہے اب اس کو استفادہ کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا اس کے لئے یہی ضروری ہے کہ لوگوں سے الگ رہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تین چیزیں اپنے ملفوظ میں افادہ فرمائیں جو شخص کہ قدرت رکھتا ہے فتنوں کو ختم کرنے کی، تو اس کے حق میں فرض عین ہے اور اگر وہاں پر چند لوگ ہیں تو یہ دین کے حق میں یا تو فرض عین ہوگا یا یہ فرض کفایہ ہوگا کہ ان چند میں سے اگر ایک اس کام کو انجام دے دے تو سب کے سر سے گناہ اتر جائے گا اور اگر کوئی انجام نہ دے تو سب گنہ گار ہوں گے۔

یہ جو کچھ مذکور ہوا یہ اس وقت ہے جب کہ ایام فتنہ ہوں اور اگر ایام فتنہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں گوشہ نشینی افضل ہے یا لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا افضل ہے؟ اس میں علماء مختلف ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ بہت سارے فقہاے شافعیہ کا یہ مذہب ہے کہ ایسی حالت میں آدمی کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ملے کیونکہ اس میں استفادہ وافادہ دونوں کے مواقع ہیں لوگوں کو یا تو خیر پہنچائے گا یا لوگوں سے خیر حاصل کرے گا بھلائی کا حکم دے گا برائی سے روکے گا۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ ایام اعتدال میں کہ جن میں فتنہ غالب نہ ہو لوگوں کے لئے اجتماع اور محافل خیر میں شریک ہونا افضل ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک گوشہ نشینی افضل ہے اس لئے کہ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ آدمی اس حالت میں جب گوشہ نشیں رہے

گا تو اس کی سلامتی برائیوں سے متحقق ویقینی ہے اور اختلاط کی صورت میں یہ مظنون ہے کہ کہیں نہ کہیں وہ برائیوں میں ملوث ہو جائے گا۔ لہٰذا اس پر نظر رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ایام غیر فتنہ میں بھی آدمی کے لئے گوشہ نشینی افضل ہے۔ او رتفصیل اس میں وہی ہے کہ ہر شخص کے لئے ہر حالت میں جو کہ فتنہ کے ازالہ پر قادر ہو اور اپنے نفس پر جس کو قابو ہے اور لوگوں کو خیر پہنچا سکتا ہو یا ان سے خیر کا استفادہ کر سکتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کرے اور شرع کا قاعدہ یہ ہے کہ ''رفع المفاسد اھم من جلب المصالح'' کہ مصالح کو حاصل کرنے سے مفاسد کو دور کرنا زیادہ اہم ہے۔ اگر مصلحت اور مفسدہ ایک برابر کے ہیں اور وہ مفسدہ کو دور کر سکتا ہے تو اس کے لئے افضل وہی ہے کہ لوگوں سے ملے اور اگر مفسدہ کا پہلو زیادہ ہے تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرلے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جمعہ و جماعات وغیرہ جن میں لوگوں کو حاضر رہنے کا حکم ہے ان میں خلل واقع نہ ہو اور بقدر امکان ان تمام فرائض و واجبات کو ادا کرتے ہوئے وہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اور جو اس پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے گوشہ نشینی افضل ہے بشرطیکہ وہ وظائف عبودیت کی نگہداشت وقیام اچھے طور پر کر سکے تو اس کے لئے یہی حکم ہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرلے۔

اس سے سمجھ میں آیا کہ حدیث اس بات کی تاکید کر رہی ہے کہ آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو فتنوں سے بچائے۔ اسی لئے سلف صالحین نے ایام فتنہ میں ہجرت یعنی اپنے وطن کو چھوڑنا گوارا کیا۔ اور ایام عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب بلوائیوں نے مدینہ شریف میں فتنہ کھڑا کیا تھا تو حضرت سلمہ بن اکوع چونکہ اس فتنہ کو ختم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے تو وہ مقام ''ربزہ'' میں جا کر ٹھہر گئے۔

اس میں تیسرا حکم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ آدمی کا سب سے بہتر مال بکری ہوگا۔ تو اس میں عبارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ بکریوں کو پالنا یہ حضور ﷺ کی طرف سے بہت بہترین کام ہے اور اس میں

وظائف شرع کی نگہداشت، شریعت پر استقامت بھی ممکن ہے اور حضور ﷺ کی ایک سنت اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت کے بہت سارے احکام اچھے طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہیکہ بکری ایسا مال ہے جو حرام و شبہ حرام سے پاک ہے اس میں نہ تو سود کا شبہ ہے اور نہ کسی دوسرے حرام کا شبہ ہے اور شرعا یہ مطلوب ہے کہ آدمی جس طرح حرام سے بچے اسی طرح شبہات حرام سے بھی بچے۔

اور بہر حال اب یہ زمانہ ہے کہ امام ابن نجیم نے 'اشباہ' میں فرمایا "لیس زماننا زمان ارتفاع المشبھات بین الحلال والحرام" بازاروں میں مجتمع اشیاء جب عام ہو گئیں تو اب خرید و فروخت میں ان شبہات کے عام ہونے کی وجہ سے ان میں دقت آئی اور یہ طے ہے کہ "شبهة الشيء تقوم مقام نفسه" شیٔ کا شبہ وہ نفس شیٔ کے قائم مقام ہے تو علماء نے تیسیراً یہ حکم دیا کہ ہمارا زمانہ سلف کا زمانہ نہیں ہے کہ سلف جس طریقہ سے حرام سے بچتے تھے یوں ہی شبہ والی چیز سے بچا کرتے تھے ہمارا زمانہ مشبہات چیزوں سے بچنے کا نہیں ہے۔ جو حلال ہے بین ہے اور جس کا حرام ہونا ظاہر ہے وہ حرام ہے اور اس کے بعد "وبینھما امور مشبھۃ" ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشبہ ہیں کہ حلال بھی ہو سکتی ہیں اور حرام بھی کہ جن چیزوں کے بارے میں شبہ قائم ہو تو ان صورتوں میں تیسیراً بیعات میں علماء نے یہ اجازت دی کہ آدمی کو ان چیزوں کے بارے میں اختیار ہے کہ ان چیزوں میں اپنے معاملات جاری رکھے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ اب شبہ کا اعتبار ہی نہیں ہے بعض جگہوں پر شریعت آج بھی شبہ کا اعتبار کرتی ہے اور بہت سے معاملات میں شبہ کا اعتبار نہیں ہے۔ ازاں جملہ گوشت والا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اب لوگوں کو دیکھا جارہا ہے کہ گوشت خوری کے ہے اس قدر ان کی عادت ہے کہ ان کو گوشت کھانا ضروری ہے چاہے اس کا حلال ہونا مظنون بظن غالب نہ ہو۔ بلکہ اس بات پر شبہ قویہ قائم ہو کہ گوشت حلال نہیں ہے گوشت کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر ضروری ہے کہ حلال جانور کا گوشت مسلمان کے لیے اس صورت میں حلال ہے جب کہ اس کو ذابح مسلم نے

ذبح شرعی کیا ہو اور ذبح ہونے کے بعد اس کے بننے تک اور بازاروں میں فروخت ہونے تک ہر جگہ وہ گوشت سنی صحیح العقیدہ مسلمان کی نگرانی میں ہو اور کہیں اس کی نگرانی سے باہر نہ ہوا ایسا ہی گوشت سنیوں کو حلال ہے۔اور اگر کسی مرحلہ میں یہ شبہ ہے کہ یہ گوشت سنی صحیح العقیدہ مسلمان کی نگرانی میں نہ تھا تو اس صورت میں شبہ قائم ہے اور مسلمان کے لیے یہ گوشت حلال نہیں ہے۔اس سلسلے میں اگرچہ یہ کہا جاتا ہے اور فتویٰ دیا جاتا ہے کہ مسلمان کی نظر سے اوجھل نہ ہو وہ اس کے حلال ہونے کے لیے شرط ہے لیکن اس کا صریح جزئیہ نہیں ملتا لیکن بعض ایسے جزئیات ہیں کہ جن سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، علمانے شکار کے بارے میں جو صورتیں ذکر کی ہیں ان میں یہ ہے کہ مسلمان اپنا سدھایا ہوا کتا شکار پر بھیجے وہ کتا اس جانور کا شکار کرے پھر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ مار کر اپنے مالک کے لیے چھوڑ دے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے اگر اس میں سے اس نے کچھ کھا لیا یا شبہ قائم ہو گیا کہ اس نے کھایا ہے تو وہ جانور مردار ہے حلال نہیں ہے۔اور ایسے ہی جس طرح ذبح کے لیے شرط ہے کہ مسلم سنی صحیح العقیدہ ہو یا کتابی ہو اور اللہ کے نام پر وہ ذبح کرے تو اب اگر دو آدمی ایک جانور کے ذبح میں شریک ہوں تو ان میں بھی یہ ضروری ہے کہ دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لے کر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر اس کو ذبح کریں تو جانور حلال ہوگا ان میں سے اگر ایک نے "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا اور دوسرے نے "بسم المسیح" کہا تو جانور حلال نہیں ہے۔اور اگر کتابی اور مسلم دونوں ذبح کر رہے ہیں تو ضروری یہ ہے کہ کتابی کی زبان سے مسلم تسبیح سنے یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان نے تو "بسم اللہ اللہ اکبر" کہا اور وہ خاموش رہا کیوں کہ اگر خاموش رہا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے زبان سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا تو جس طرح سے اس صورت میں جانور حرام ہے اسی طرح اس صورت میں بھی حرام ہوگا۔

یہ بحث اس مقام پر اٹھائی کہ شبہ کا اعتبار فی الجملہ ہے یہاں پر کتابی کے حق میں شبہ قائم ہوا کہ جب اس نے زبان سے زور سے "بسم اللہ" نہیں بولی تو

ہوسکتا ہے کہ اس نے آہستہ سے ''بسم المسیح'' کہہ دیا ہو تو اس وجہ سے کہ مسلمان کو متحقق نہ ہوا کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہے، لہٰذا وہ حرام رہے گا۔ اسی طرح سے معاملہ شکار کے جانور کا ہے کہ مسلمان سنی صحیح العقیدہ اپنا جانور بھیجے اور اس جانور کے شکار میں کسی اور کا جانور شریک نہ ہو مثلاً کتابی نے جانور چھوڑا اور یہ متحقق نہیں ہے کہ اس نے اسکو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہے۔ یا رافضی ہندو، مرتد، دیوبندی کا جانور شریک ہوا تو اس صورت میں جس طریقہ سے ذبح میں اگر مسلم وغیر مسلم شریک ہے تو جانور حرام ہو جائے گا اس طریقہ سے یہاں پر بھی وہ شکار حرام ہو جائے گا۔ یہ بھی قیام شبہ کی ایک صورت ہے کہ یہاں پر شبہ کو شئی کے قائم مقام مانا ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی مسلم نے جنگل میں کوئی دھار دار چیز گاڑ دی اور اس میں جانور اگر پھنسا اور پھر بھاگا تو وہاں پر بھی اس کے حلال ہونے میں یہ شرط ہے کہ شکاری اگر تاک میں رہا اور اس کی طرف سے وہ غافل نہ ہوا تو اس صورت میں وہ جانور اگر چہ اس کو ایک دو دن میں ملے اور یہ ظن غالب ہو کہ اس کو کسی جنگلی جانور نے نہیں پھاڑا ہے میں نے جو ہتھیار مقرر کیا تھا اسی سے یہ زخمی ہوا ہے تو اس کے حق میں یہ جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔

ان مذکورہ بالا جزئیات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ جب جانور کے بارے میں یہ معاملہ ہے کہ اگر کتابی کا کتا شریک ہو جائے تو اس سے جانور حرام ہو جاتا ہے تو کافر و مرتد تو جانور سے زیادہ بدتر ہے، جب جانور کے سلسلے میں اعتماد نہیں ہے تو دینی معاملات میں اور خاص طور سے یہ جو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام جس پر لیا ہو اسی کو تم کھاؤ اس معاملہ میں کفار پر اعتماد کرنا یا ان کی خبر پر اعتماد کرنا یا شبہ قائم ہو تو اس صورت میں وہ جانور ہرگز حلال نہیں ہوگا۔ یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر اس لیے ذکر کی گئی کہ شبہات کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی لوگ کہتے ہیں ٹھیک ہے شبہ ہے تو ایسا کہنے سے وہ جائز ہے۔ ایسا نہیں ہے۔

بعض مقامات پر شریعت نے شبہات کا اعتبار کیا ہے اور بعض مقامات پر لوگوں پر آسانی کے لیے شبہات کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ اب یہاں پر وہابیوں، دیوبندیوں اور

حضور ﷺ کے علم غیب کے بارے میں بحث کرنے والوں کا کھلا رد ہے یہ بحث کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو علم غیب دیا گیا کہ نہیں دیا گیا؟ اس بحث کا فیصلہ یہ ہے کہ حضور کو علم غیب بھی دیا گیا ہے اور خاص طور سے وہ علوم بتائے گئے جو علوم خمسہ کے قبیل سے ہیں جن کے بارے میں مشہور بحث ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علوم خمسہ کسی کو نہیں دیے، وہ مفاتیح الغیب ہیں۔ حدیث بتا رہی ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین اور قیامت تک کیا ہونے والا ہے سب کا علم دے دیا جس میں یہ علوم خمسہ بھی ہیں یہ انہیں بعض کی خبر ہے۔ علوم خمسہ میں آیا۔ "وما تدری نفس ماذا تکسب غدا" ۔ کل کیا ہوگا کوئی جان کل کیا کریگی کوئی نہیں جانتا۔ حضور اپنے مقام سے بتا نہیں رہے ہیں بلکہ دیکھ رہے ہیں کہ کل قیامت کے قریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ دینی فتنہ وفساد میں ہوں گے۔ جنگیں ہوں گی اور لوگوں کو ایمان بچانا مشکل ہوگا آدمی اپنا دین بچانے کے لئے فلاں فلاں جگہ جائیگا تو گویا کہ وہیں سے اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو یہ حضور کے اعلام نبوت میں سے کھلی دلیل ہے کہ غیب بتانا درجہ امکان میں نہیں بلکہ واقع ہے۔

اس باب کی گزشتہ باب سے مناسبت کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ گزشتہ باب میں نقباء انصار کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے اپنی جان و مال حضور کی محبت میں قربان کیے اور اپنے رشتہ داروں کو چہیتوں کو چھوڑا اور اس باب کی حدیث صاف بتا رہی ہے کہ انصار کرام کی سنت بلکہ خود حضور و مہاجرین کی سنت یہ ہیکہ اگر وقت آئے تو اپنا وطن چھوڑ و اور اپنے دین کو بچاؤ صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ میں رہنا یہ دین نے سکھایا ہے اگر دین اس صورت میں محفوظ نہیں رہتا تو اب لوگوں کو چھوڑا جائے گا خاندان کو، رشتہ داروں کو چھوڑا جائے گا اور اپنے دین کی حفاظت کی جائے گی اور جہاں حفاظت ہو سکے آدمی کو وہاں جانا فرض ہے۔

شرح حدیث کرتے ہوئے چند فوائد ذکر کیے جاتے ہیں جو ربط کا فائدہ دیں گے، چنانچہ ماسبق میں مذکور ہوا کہ فتنہ وفساد کے ایام میں آدمی کے لئے اپنے دین کی

حفاظت کرنے کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کرنا۔ حدیث میں اس کی فضیلت اور اچھائی بیان کی گئی ہے اور یہ جو شخص فتنہ کے ازالہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس کے حق میں ہے۔ دوسری بات یہ کہ فتنہ سے احتراز آدمی کے لئے بہر حال ضروری ہے تو اگر محل فتنہ سے بھاگنا ہو، اپنے وطن میں قرار ہو، ہر صورت میں آدمی پر یہ لازم ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے انہی لوگوں سے نشست و برخاست رکھے جو اس کے دین و ایمان اور استقامت علی الدین میں مددگار ہوں اور جو اہل فساد ہیں اُن سے کسی بھی حالت میں ملنا جلنا جائز نہیں ہے۔ آج کے دور میں خصوصاً جو بد مذہب ہیں اُن سے احتراز اور دوری ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کی مجالس و محافل سے پرہیز کرے اور حدیث میں آیا ہے کہ "من کثر سواد قوم فھو منھم" جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہی میں سے ہے۔

لہٰذا اہل حق، اہلسنت و جماعت کے مجالس و محافل میں شریک ہو کر ان کا مجمع بڑھائے تا کہ کل بروز حشر ان کے ساتھ اُٹھایا جائے اور ان کے صدقے میں حضور سرورِ عالم کی رفاقت اور حوض کوثر میں اُن کا دیدار اور جنت میں معیت کا مستحق ہو۔

حدیث پاک سے یہ بھی فائدہ مفہوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کو پسند کیا اور اس کو بہترین مال بتایا۔ اسی کے حکم میں ہر وہ مال ہوگا جو شبہات سے پاک ہو اور جس میں خرچ اور مصروفیت کم ہو فکر معاش کے ساتھ ساتھ دین و ایمان کی حفاظت بھی ہو۔ جو مال ان صفات کا حامل ہوگا اور آدمی کے دین و ایمان کی حفاظت جس میں آسانی سے ہو سکتی ہو وہی اس خیر مال کے تحت داخل ہے۔ ساتھ یہ بھی مفہوم ہوا کہ غنم یعنی بکریاں پالنا، یہ سنت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے اور بالخصوص سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے اور بکریوں کے اندر ایک صفت عاجزی و انکساری کی ہوتی ہے اور ان کا مالک بھی عام طور پر اسی تواضع و انکساری کی صفات پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جو آدمی اقامت سنت کی غرض سے بکریوں کا پیشہ کرے اور اُن سے اپنا کسب معاش کرے تو سنت بھی قائم ہوگی اور وہ ثواب کی زیادتی کے ساتھ

دین وایمان پر استقامت سے عافیت کے ساتھ کسب معاش کر سکے گا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔" عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے"۔ یہ فرمان حضور کے اعلام نبوت سے ہے اور یہ نبوت کی زندہ و جاوید نشانی ہے اور یہ خبر اُن امور میں سے ہے جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ علوم خمسہ میں سے ہیں جن میں سے قیامت کب قائم ہوگی، بارش کب ہوگی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے کل کوئی کیا کریگا، اور کون کہاں مریگا؟ ان علوم خمسہ میں سے ایک علم کی سرکار نے خبر دی کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ آدمی اپنا دین وایمان لیکر پہاڑوں کا رخ کریگا اور جہاں بارش ہوتی ہے وہاں کا رخ کریگا اور اسکا سب سے بہترین مال بکری ہوگا۔

احوال رواۃ: امام عینی فرماتے ہیں کہ اس سند کے پانچ رجال ہیں۔

(۱) عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب ہیں انکی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ اور قبیلہ حارثی ہے اور مسکن بصرہ ہے لہٰذا یہ بصری ہیں۔ یہ مستجاب الدعوات تھے انکی دعا قبول ہوتی تھی۔ یہ روایت کرتے ہیں امام مالک، لیث بن سعد سے یہ امام اعظم کے شاگرد ہیں تو ان شیوخ بخاری کے واسطے سے امام بخاری بھی ہمارے امام اعظم کے شاگرد ہوئے۔ اور شعبہ بن حجاج سے انہوں نے ایک حدیث سنی، انکی امامت و جلالت شان اور انکے حجت ہونے پر تمام ائمہ محدثین کا اتفاق ہے یہ ضابط ہیں اور بلند پایہ صالح مرد ہیں، اور امام مالک کو خبر دی گئی کہ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب آئے ہیں جو آپ کے شاگرد ہیں تو آپ نے فرمایا اس کی طرف اٹھو جو دنیا میں سب سے بہتر ہے انکی طرف چلو، اور بخاری و مسلم نے ان سے روایت کی ہے اور ترمذی اور نسائی نے بالواسطہ روایت کی ہے اور امام مسلم نے امام بخاری کے مثل سند عالی سے اور ایک حدیث ''باب الاطعمہ'' میں سند نازل سے روایت کی ہے اس میں ''عبد بن حمیر'' واسطہ ہیں ان کا انتقال ۲۲۱ھ کو مکہ میں ہوا۔

(۲) مالک بن انس۔ امام دار الھجرۃ یعنی مدینہ میں بڑے عالم و مجتہد ہیں۔

(۳) عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ ہیں انکا نام عمر ہے۔ یہ

انصاری، مدنی، خزرجی ہیں ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ان کا انتقال ۱۳۹ھ میں ہوا انکی حدیث بخاری، ابن ماجہ ونسائی نے روایت کی ہے۔ انکے نام میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ نے ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ بتایا ہے۔ اور خطیب نے کہا ہے درست یہ ہے کہ ان کا نام "عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ" ہے۔ اور ابن مدینی کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ کو ان کے نام میں وہم ہوا ہے کہ انہوں نے انکا نام "عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصہ بتایا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ امام مالک نے یہاں پر بخاری کی سند میں جو نام آیا ہے وہ امام مالک نے انکو یوں ذکر کیا ہے "عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصہ" تو کہتے ہیں کہ امام مالک سے کسی نے ان کے نام کے بارے میں اختلاف نہیں کیا ہے مگر امام عینی کو اس سے اتفاق نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ کتاب الثقات میں ابن عباس نے یوں کہا ہے کہ عام نسابین ومحدثین سے امام مالک نے ان کے نام میں اختلاف کیا تو انہوں نے یوں کہا "عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ"۔

(۴) عبداللہ بن عبدالرحمٰن الانصاری۔ نسائی وابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں،۔ انکی حدیث بخاری وابوداؤد نے روایت کی ہے ان کے دادا جنگ احد میں شہید ہوئے اور یہ جنگ "یمامہ" میں حضرت خالد بن ولید کی فوج میں شریک ہو کر شہید ہوئے ان کے باپ کا انتقال زمانہ جاہلیت میں ہوا۔ بردع بن زید بن عامر بن سواد بن ظفر نے انکو قتل کیا۔ بعد میں "بردع" مسلمان ہو گئے اور جنگ احد میں شرکت کی۔

(۵) ابو سعید، ان کی کنیت ابو سعید ہے نام "سعد بن مالک بن سنان بن عبید ہے اور ان کا نام "عمرو بن ثعلبہ بن عبید الجراح بھی بتایا گیا ہے اور بعض لوگوں نے ان کا نام یوں بیان کیا ہے سنان بن مالک بن سنان اور صحیح وہ ہے جو امام عینی نے بیان کیا ہے۔ ان کے اجداد میں ایک شخص تھا جس کا خدرہ تھا۔ ابحر کا نام بھی خدرہ

ہے" خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج، یہ خزرجی ہیں انصاری ہیں، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ" خدرہ" یہ "ابجر کی والدہ تھیں اور حضرت ابوسعید خدری جنگ احد کے موقع پر کمسن تھے، صف میں آئے اور آپ کو کمسن قرار دیا گیا اور واپس کر دیا گیا جنگ میں شریک نہ ہوئے بعد میں حضور ﷺ کے ساتھ بارہ جنگوں میں شریک ہوئے۔ ان سے ۱۱۷۰ حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے چھیالیس حدیثیں متفق علیہ ہیں، ۱۶، حدیثیں صرف بخاری نے اور ۵۲، حدیثیں امام مسلم نے روایت کی ہیں۔ یہ صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں ان میں خلفائے راشدین بھی ہیں اور اپنے والد مالک اور ایک اخیافی بھائی "قتادہ بن نعمان" سے بھی روایت کی ہے اور ان سے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں ان کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ تمام اصحاب کتب ستہ نے ان سے حدیث روایت کی اور صحابہ میں سعد بن مالک ایک اور ہیں، ان کی کنیت "ابی وقاص ہے اور ایک سعد بن مالک عذری ہیں جو "عذرہ" کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے۔

لطائف اسناد: یہ پوری سند مدنی راویوں کی ہے۔ نیز ایک مقام پر تحدیث ہے اور باقی مقامات پر "عنعنہ" ہے اور اس کے ایک راوی صحابی بن صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

□□□

باب قول النبی

"انا اعلمکم باللہ وان المعرفۃ فعل القلب"

لقول اللہ تعالیٰ :"وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ"

اس باب کے تحت امام بخاری نے دو باتیں ذکر کی ہیں۔اور باب کے تحت امام بخاری جو حدیث ذکر کریں گے اس کے جزء کو امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق ترجمۃ الباب بنا دیا۔

وجہ مناسبت:

اس باب کے ماقبل کے باب سے مناسبت یہ ہے کہ پیچھے امام بخاری نے یہ باب باندھا کہ فتنوں سے دین کو بچانے کے لیے فرار ہونا یہ دین کا حصہ ہے اور یہ باب اس بیان میں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں یہ عنوان امام بخاری نے باب کے تحت مذکور حدیث سے لیا،اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ "وان المعرفۃ فعل القلب" کہ معرفت یہ فعل قلب یعنی باب اس بات کے بیان میں بھی ہے کہ معرفت فعل قلب ہے اس کے لیے امام بخاری نے آیت کریمہ کا ایک جزو بھی تلاوت کیا۔"وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ"، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگوں اللہ تعالیٰ تم سے گناہ پر مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دلوں نے کمایا۔یہاں پر اس آیت سے اس دعویٰ پر استدلال ہے کہ معرفت فعل قلب ہے۔آیت مذکورہ میں "کسب" کا لفظ فرمایا اور کسب ایک فعل ہے جس کی اضافت "قلوب" کی طرف کی۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ زبان وغیرہ سے جو ناجائز باتیں ادا ہوتی ہیں جس طرح سے وہ ناجائز ہیں اسی طرح سے ان باتوں کا پختہ ارادہ بھی ناجائز ہے اور ان پر بھی مواخذہ ہوگا اور عزم یہ فعل قلب ہے۔باب کے تحت مذکورہ آیت کریمہ قسم کے سلسلہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم کے معاملہ میں جو تمہارے دلوں نے ارادہ کیا اور دانستہ جس بات پر قسم کھائی اگر وہ مستقبل کے قبیل

سے ہے توقسم توڑنے کی صورت میں تم سے اس پر مواخذہ ہوگا۔ یعنی ''یمین شرعی'' یہ ہے کہ آدمی اللہ یا اس کی صفات کو ذکر کرکے کسی کام پر یہ قسم کھالے کہ مستقبل میں اس کام کو کرے گا یا نہیں کرے گا۔ تو اس قسم کو پورا کرنا ضروری ہے جبکہ کسی ناجائز بات کی قسم نہ کھائی ہو اور اگر ناجائز بات کی قسم کھائی ہے تو اس قسم کو توڑنا ضروری ہے اور کفارہ ضروری ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ بظاہر ''ایمان'' کے بارے میں ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے لہٰذا جس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ قسم پر اس سے مواخذہ ہوگا جو کہ دیدہ و دانستہ کھائی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ جس بات پر آدمی عزم کر لے تو وہ بھی قابل مواخذہ ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے لہٰذا جو بات آدمی کے دل میں ٹھہر جائے، راسخ ہو جائے اس کا اعتبار ہے اگر کوئی بات منافی دین و اسلام آئی اور گزر گئی دل میں نہیں جمی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر ٹھہر گئی تو فعل قلب ہے اور اس پر مواخذہ ہوگا۔ یہ بات سرکار دوعالم ﷺ کی ایک حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے: ''ان اللہ تجاوز عن امتی ما حدثت به انفسهم ما لم یتکلموا او یعملوا''۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں کو معاف فرما دیا جو باتیں وہ اپنے دل میں سوچتے ہیں جب تک کہ ان باتوں کو زبان سے ادا یا ان پر عمل نہ کرلیں۔ یہاں عمل سے مراد فعل قلب ہے کہ اگر وہ بات دل میں راسخ ہوگئی تو آدمی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اگر وہ بات خلاف ایمان واسلام ہے۔

یہاں سے امام بخاری کی فقہی صلاحیت اور اجتہادی شان ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے ایک دعویٰ کیا اور اس کو آیت کریمہ کے ایک مفہوم سے اس طور پر ثابت کیا کہ اگرچہ یہ آیت کریمہ قسم کے بارے میں ہے لیکن اس آیت کریمہ سے ایمان کا بھی ایک مسئلہ ثابت ہوگیا۔ وہ یہ ہے کہ معرفت فعل قلب ہے اور وہ مدار ایمان ہے اور ایمان مدار عمل ہے۔

اس بات کی مناسبت گزشتہ باب سے یہ ہے کہ گزشتہ باب میں ''فرار من الدین'' کا ذکر ہے اور یہ وہی کرسکتا ہے جو دین میں قوت رکھتا ہو کیونکہ یہ دین میں

قوت کو مستلزم ہے۔ اور دین کی اساس معرفت ہے اور رسول کریم ایمان کی جان ہیں لہٰذا ان کی معرفت سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ لہٰذا مناسبت یہ ہوئی کہ دونوں جگہوں پر جو ایک چیز دوسری چیز کو مستلزم ہے اس لیے "فرار من الدین" کے بعد یہ باب لیکر کے آئے اور باب باندھا: "انا اعلمکم باللہ" کہ معرفت میں سب سے بڑا درجہ محمد رسول اللہ کا ہے۔

یہ باب کی ماقبل کے باب سے مناسبت قریبہ ہے۔ اور ایک مناسبت بعیدہ بھی ہے کہ امام بخاری نے کتاب الایمان کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ "الایمان قول و فعل و یزید و ینقص" تو اس باب کی مناسبت بایں طور ظاہر ہوئی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کا عرفان و علم تم سب سے زیادہ ہے اور یہی علم ایمان ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان میں بیشی بھی ہوتی ہے اور کمی بھی ہوتی ہے، اور حضور کا ایمان سب سے افضل اور سب کی اساس ہے۔ اس کا مزید بیان آگے آئے گا۔

بابُ تَفَاضُلِ أَهْلِ الْإِيْمَانِ فِي الْأَعْمَالِ

"حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابیه عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنه عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: یدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار" ثم یقول اللہ تعالی اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فیخرجون منها قد اسودوا فیلقون فی نهر الحیاء۔ او الحیاة، شک مالک فینبتون کما تنبت الحبة فی جانب السیل الم تر انها تخرج صفراء ملتویة"

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی اسماعیل نے وہ کہتے ہیں مجھ سے حدیث بیان کی مالک نے وہ روایت کرتے ہیں عمرو بن

یحیٰ مازنی سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے وہ روایت کرتے ہیں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے آپ نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اسکو دوزخ سے نکالو۔ پھر وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اس حال میں کہ ان کے جسم کالے ہو چکے ہوں گے تو ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا یہاں پر مالک کو شک ہوا۔ پھر ان کے جسم ترو تازہ اگیں گے جیسا سیلاب کے کنارے گھاس کا دانہ اگتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ پیلا پیلا اگتا ہے۔

اس باب سے پہلے امام بخاری نے حدیث ذکر کی جس میں کمال ایمان کا ذکر ہے اس میں یہ ہوا کہ جس میں تین چیزیں ہوں گی ایمان کی حلاوت کو پائے گا۔ وہ یہ کہ اللہ ورسول آدمی کو اس کے ماسوا سے پیارے ہوں دوسرے یہ کہ اللہ ورسول کے علاوہ جس کو چاہے اللہ ورسول کی خوشنودی کے لیے چاہے۔ اور دین سے پھرنے کو ایسے ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ اور اس سے پہلے باب ”حلاوت ایمان“ میں یہ پہلے بتایا جا چکا کہ جس خوش نصیب کے پاس یہ باتیں ہوں کامل مومن ہے۔ حدیث پاک نے کمال ایمان پر دلالت کی اور کمال نے اپنے مفہوم تقابل سے نقصان پر دلالت کی اور ان دونوں میں اکمل وانقص پر بھی دلالت موجود ہے اس لیے کہ جو کمال میں زیادہ ہے وہ اکمل ہے اور جو نقصان میں زیادہ ہے وہ انقص ہے۔

مفہوم حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان میں کمال یا نقصان اعمال کے اعتبار سے آتا ہے اور اہل ایمان اپنے اعمال کے سبب متفاصل ہیں اور ان میں تفاوت ہے

اس لیے امام بخاری ذیل میں ایک حدیث ذکر کررہے ہیں۔

شرح حدیث: اس حدیث میں راوی نے بیان کیا کہ امام مالک کو شک ہوا کہ "نهر الحياءٔ" یا "نهر الحياة" بعینہ حدیث کے الفاظ کیا ہیں۔ پھر اس میں ڈال کر ان کے بدن اچانک اچھے ہوجائیں گے اسکی تشبیہ سرکار نے یہ دی کہ اس نہر میں ڈالنے کے بعد ان کے جسم ایسے اگیں گے جیسے سیلاب کے کنارے گھاس اگتی ہے۔ گھاس کا دانہ کھردرا ہوتا ہے اور سیلاب میں پیلا پیلا اگتا ہے پھر سیلاب اس کو تباہ کردیتا ہے پھر وہ اگتا ہے۔ اس طریقہ سے بہت تیزی سے اس کا نشوونما ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دن ایک رات میں وہ اگ جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں اس تشبیہ کی وجہ شبہ سرعت لیاقت اور سرعت نشوونما ہے۔

حدیث مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ اعمال میں تفاضل ہوتا ہے اور تفاضل اعمال کے اعتبار سے ہوتا ہے تو یہاں حدیث پاک میں "خردل من ایمان" سے مراد توحید کے علاوہ جو چیزیں توحید اور ایمان میں قوت بخشتی ہیں وہ ہیں۔ ان میں تفاضل ہوسکتا ہے۔ یہ امام بخاری نے خود قول کیا تھا کہ ایمان قول اور فعل دونوں کا نام ہے اور اس میں کمی وزیادتی ہوتی ہے۔ یہاں پر یہ اعمال کے اعتبار سے ہے۔ نیز حدیث کے ظاہر سے پتہ لگتا ہے کہ جسکی کوئی نیکی نہیں ہے اور اس کا ایمان بہت کمزور درجہ کا ہے وہ بھی جنت میں جائے گا اور ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔

جو سنی ہے وہی مومن ہے اس لیے کہ مومن وہی ہے جو حضور ﷺ کے دین کی تمام ضروریات پر ایمان رکھتا ہو کسی امر ضروری دینی کا منکر نہ ہو کیونکہ جو کسی ایک ضروری بات کا انکار کرے وہ مومن نہیں ہے۔ تعریف مذکور کا مصداق صرف سنی ہی ہیں اور سنی کے لیے ہی بشارت ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہے وہ اپنے کیے کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا اور اس کے تقابل سے یہی پتہ لگا کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کرم سے حضور ﷺ کی پیروی اور سچی اتباع سے بے حساب جنت میں جائیں گے۔ ان سے کوئی

حساب نہ ہوگا، کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی مشیت کے سپرد ہیں کہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا لیکن جب وہ اہل ایمان ہیں اگرچہ ان کا ایمان ان مقربین کے مقابلے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو؟ وہ بھی جنت میں جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال میں تفاضل ہوتا ہے۔ اور ایمان کی کیفیت اگرچہ یہ مقدار کے قبیل سے نہیں لیکن قوت وضعف اور تفاضل وتفاوت اس میں بھی ہوتا ہے۔ کہ جو اولیا وصلحا ہیں ان کا ایمان مرتبہ قوت پر ہوتا ہے اور اس میں بھی ان کے الگ الگ مراتب ہیں کہ کسی کا ایمان کامل تر ہوتا ہے کسی کا اس سے بھی اکمل اور کسی کا ایمان اس مرتبہ قوت پر ہے کہ کوئی اس کے مساوی وہمسر نہیں ہے۔ جیسے سرکار کا ایمان اور ان کی معرفت۔ یہ انہیں کا حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین میں معرفت کا جو حصہ حضور کو عطا کیا وہ کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ یہی ترتیب ایمان میں ضعف کی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔ نیز اس حدیث پاک میں مذکور لفظ "مثقال" سے مراد کوئی وزن معلوم نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کتنا ہی کم ایمان کیوں نہ ہو؟ اور ایک حدیث میں "مایزن برة" آیا ہے کہ ایک گندم کے دانہ کے برابر ہو۔ یہاں پر کوئی مقدار معین مراد نہیں ہے بلکہ اس کا ضعف بتانا ہے کہ کیسا ہی قلیل ہو وہ جنت میں جائے گا۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اس میں مرجئہ کا کھلا رد ہے، یہ گمراہ فرقہ تھا، صحابہ کے زمانے میں تابعین میں جو گمراہیاں پھیلی ان میں سے ایک فرقہ مرجئہ تھا جس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت یا گناہ نقصان نہیں پہونچاتا ہے حدیث میں اس کا کھلا رد ہے، حدیث میں صاف بتایا کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اور یہ قرآن میں بھی ہے : }اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ{ (سورۂ نساء — ۴۸) اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا ہے اور اس سے کمتر جو گناہ ہے اسے معاف فرماتا ہے جس کو چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہے گا بے حساب کتاب جنت

میں داخل فرمائے گا جیسا کہ اس پر حدیث کی دلالت ہے۔اور جس کو معاف نہیں فرمائے گا وہ عذاب پائے گا جیسا کہ اس پر حدیث کی دلالت ہے کہ کچھ لوگ جہنم میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا ان کو جہنم سے نکالو جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکالے جائیں گے۔یہاں پر اس حدیث میں مرجئہ کا کھلا رد ہے اور ساتھ ہی معتزلہ وخوارج کا بھی رد ہے ان دونوں کا مذہب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور یہ کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے اللہ پر واجب ہے کہ سزا دے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کو فاعل مختار نہیں مانتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فاعل بالایجاب ہونے کے قائل ہیں کہ اس پر یہ واجب ہے کہ فعل کرے۔ایسے ہی معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ جو اطاعت گزار ہے اس کو ثواب دے اور جو نافرمان ہے اس کو عذاب دے۔تو اس میں معتزلہ کا بھی رد ہے اور معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ بندہ کے لیے وہی کام کرے جو اس کے لیے ''اصلح'' ہے یعنی جس میں مصلحت ہے وہ کام کرے۔اور حدیث پاک میں صاف دلالت ہے کہ اللہ تعالی کچھ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گا کچھ مسلمانوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالی پر یہ واجب نہیں کہ ہمیشہ وہ کسی کو عذاب دے اور کسی کو اصلا عذاب دینا یہ بھی واجب نہیں بلکہ کچھ کو اللہ تعالی عذاب نہیں دے گا۔اور کچھ کو ایک مدت تک جہنم میں رکھنے کے بعد ان کو نکالے گا تو معتزلہ کی دونوں باتوں کا رد ہو گیا۔اور اس بات کا بھی رد ہو گیا کہ اللہ تعالی پر ''اصلح للعباد'' واجب ہے۔کیونکہ اللہ فاعل مختار ہے۔﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (سورۂ انبیاء۔۲۳) جو کچھ وہ کرے اس کے بارے میں اس سے سوال نہ ہوگا اور بندوں سے سوال ہوگا۔اور مرتکب کبیرہ کو مثل کافر مانتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا تو خوارج کا رد بھی ہو گیا۔

اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اہل ایمان اپنے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے سے متفاضل ہیں کچھ کو اللہ تعالیٰ بے حساب جنت میں داخل

فرمائے گا اور کچھ لوگوں کو اپنی مشیت کے مطابق ایک مدت تک جہنم میں رکھنے کے بعد جنت میں داخل فرمائے گا۔

امام ابن حجر عسقلانی نے یہ فرمایا کہ ایمان وہ اعمال کے قبیل سے ہے اس پر امام عینی نے یہ کہا کہ اس حدیث میں ایمان یہ اعمال کے قبیل سے ہے اس پر دلالت تو نہیں ہے لیکن یہ معاملہ بطور محدثین ہے ان کا مذہب ہے کہ ایمان قول وفعل ہے اور وہ تصدیق قلبی کا اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ اس میں کوئی نزاع نہیں ہے یہ متفق علیہ ہے البتہ سلف کا مذہب معتزلہ وخوارج سے الگ ہے۔ ہمارے اور سلف کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہے البتہ اعمال سے ایمان میں قوت ونکھار اور اس کے اندر تازگی آتی ہے۔ اور عمل نہ کرنے سے یہ ہے کہ اصل ایمان باقی رہتا ہے اگر چہ وہ اس قوت کا نہیں ہوتا۔

قولہ نہر الحیاء: حدیث میں آیا کہ ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا یہاں پر "حیاء" مد کے ساتھ "خجل" کے معنی میں آتا ہے امام عینی نے کہا کہ اس معنی کی یہاں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور "حیا" ایک الف مقصورہ کے ساتھ "بارش" کے معنی میں مستعمل ہے تو امام عینی نے فرمایا کہ "حیا" یا "حیاۃ" تائے مدورہ کے ساتھ یہ صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی آب حیات کی نہر کہ جو اس میں ڈالا جائے وہ زندہ ہو جائے لہٰذا نہر حیات سے وہ نہر مراد ہے۔

احوال رواۃ: اس حدیث کے راوی پانچ ہیں:

(۱) اسماعیل بن عبد اللہ ابی اویس بن عبد اللہ۔ امام بخاری کے شیخ ہیں اور ان کے بارے میں امام عینی کے حوالے سے مختلف اقوال پیچھے گزر گئے۔ لیکن مزید فوائد کے ساتھ کچھ اور بیان کیا جارہا ہے۔ حضرت اسماعیل بن عبد اللہ کی جرح وتعدیل میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کی تعدیل وتوثیق بھی ائمہ معتمدین سے منقول ہے۔ روایت حدیث کی پہلی شرط یعنی صدق وعدالت ان میں پائی جاتی ہے۔ جس کا افادہ "محلہ صدق" سے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی اس کی گواہی دی جن میں حضرت یحیی بن

معین بھی ہیں اس کا مقتضی یہ بھی ہے کہ کذب ان سے منتفی ہے۔ یحیٰی بن معین سے امام عینی نے متعارض اقوال ذکر کئے ہیں۔

ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ وہ ضعیف العقل ہیں جیسا کہ اقوال میں اسکی توثیق ہوتی ہے۔ حضرت ''معقل'' کا مفاد بھی یہی ہے اور یہ کہ باعتبار حدیث وہ مختلف ہیں یعنی ان کی صحیح وضعیف ہر طرح کی روایت ہیں اور سب کا مفاد ایک ہے، وہ یہ کہ ان کی روایت میں ضعف ہے اور یہ کہ ان سے قصد کذب منتفی ہے۔ ''مختلط'' کے بعد ''یکذب'' کہنا صاف ظاہر ہے جو اس پر مستزاد ہے۔

اس تقریر سے اسماعیل اور ان کے والد عبداللہ کے بارے میں یحیٰی بن معین سے جو قول امام عینی نے نقل کیا کہ یہ دونوں احادیث چراتے ہیں یہ خود ان کے قول سابق ولاحق سے مندفع اور اسماعیل بن عبداللہ کی تعدیل ثابت ہے۔ اور شک نہیں کہ محدث جو روایت حدیث کے لیے مقتضی ہو کہ وہ تحدیث وادائے حدیث کے لیے آگے بڑھے اس کا ظاہر حال کم سے کم صدق وعدالت ہے اور وہی دعویٰ مقبول ومسموع ہوگا جس کی تصدیق ظاہر حال کرتا ہو۔ لہذا یحیٰی بن معین کے متعارض اقوال میں نظر اس بات کی متقاضی ہے کہ عندالتساوی یہ سب اقوال ساقط ہوں۔ ہاں کسی امر خارجی کی بنا پر کسی قول کو ترجیح حاصل ہو تو وہی راجح ٹھہرے گا۔

یہاں معاملہ یہی ہے کہ ظاہر حال انہیں اقوال کی تصدیق کرتا ہے جو یحیٰی بن معین سے اسماعیل بن عبداللہ کی تعدیل کا افادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یحیٰی بن معین کے ان اقوال کو جن سے اسماعیل بن عبداللہ کی تعدیل وتوثیق کا افادہ ہوتا ہے دوسرے اقوال پر ترجیح ہے اس لیے کہ دوسرے ائمہ مجتہدین کی تعدیل قولی، بخاری ومسلم ودیگر حفاظ حدیث کی توثیق فعلی کے موافق ہے۔ ابن سلمہ کا اسماعیل بن عبداللہ کو کذاب کہنا مقبول نہیں امام عینی نے خود ایک امام عظیم الشان سے نقل کیا کہ انہوں نے ان کی جرح کو رد کیا اور ان پر یوں تعریض کی۔ ''غمزہ من یحتاج الیہ فی تعدیل نفسہ اعنی ابن السلمۃ فانہ قال کذاب'' یعنی اسماعیل بن عبداللہ کو اس

نے عیب لگایا جسے خود اپنی تعدیل کے کفیل درکار ہیں۔ اس پر امام عینی نے یوں تبصرہ کیا: ''قد غمزہ من لا یحتاج الی کفیل و من قولہ حجۃ مقبولۃ'' یعنی اسماعیل کو اس نے مجروح کہا جسے تعدیل نفس کے لیے کفیل درکار نہیں اور اس کا قول حجت مقبولہ ہے۔

اقول: مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس امام معتمد کا (جس کا قول حجت مقبولہ ہے) قول فی نفسہ ثابت ہو جس سے دوسرے کی توثیق منتفی ہو جائے اور یہاں یہ معاملہ نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ بالآخر توثیق اسماعیل پر نہایت کلام کا استقرار ہے۔ اسی لیے علامہ عینی نے خود امام ابن حجر عسقلانی کا یہ قول نقل کیا اور مقرر رکھا۔ ''قد وافق اسماعیل علی ھٰذہ الروایۃ ابن زید و معن بن عیسیٰ عن مالک'' یعنی اسماعیل کے ساتھ اس روایت میں عبد اللہ بن زید و معن بن عیسیٰ نے موافقت کی۔ یہ جس طرح حدیث کی تصریح ہے اس طرح اسماعیل بن عبد اللہ کی توثیق ہے۔ بالجملہ حاصل کلام یہ ہوا کہ اسماعیل بن عبد اللہ کی توثیق ثابت ہے بلکہ بخاری و مسلم کے نزدیک تعدیل ثابت ہے اور جرح ثابت نہیں۔ اور یحییٰ بن معین سے منقول بعض جرح خود مبہم و غیر مفسر ہے بات یہ ہیکہ اسماعیل بن عبد اللہ امام مالک سے غرائب میں اسانید لاتے ہیں جس میں ان کا کوئی متابع نہیں یہ ان کی تعدیل کے منافی نہیں ہے اور نہ حجت حدیث کا نافی ہے۔ بسا اوقات محدثین یعنی ترمذی وغیرہ ائمہ حدیث کی سند کو غریب بتاتے ہیں پھر اس کو صحیح لکھتے ہیں اور کبھی یوں لکھتے ہیں ''لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ'' یعنی ہم حدیث کو اسی طریقہ سے جانتے ہیں۔ اور دار قطنی نے بھی اس حدیث کے بارے میں فرمایا ''غریب صحیح'' یہ قول بھی فی الجملہ توثیق اسماعیل پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) مالک بن انس اور ان کا ذکر گزر چکا۔

(۳) عمرو بن یحییٰ بن عمارہ۔ ایک قول ان کے والد کے نام میں یہ ہے کہ ''یحییٰ بن عمرو'' ان کو ذھبی نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ عمرو بن یحییٰ نے اپنے والد اور

دوسرے تابعین سے حدیث روایت کی ہے۔ اوران سے یحیٰ بن سعید انصاری اور دوسرے تابعین نے حدیث روایت کی ہے۔ ابوحاتم اورنسائی نے ان کی توثیق کی ہے اورایک سو چالیس ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴) ابویحییٰ عثمان بن ابی حسن انصاری، انہوں نے ابوسعید، عبداللہ بن زید، سے حدیث سنی ہے اوران سے ان کے بیٹے اورزہری وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔

(۵) حضرت ابوسعید خدری اوران کا ذکر ماسبق میں ہوچکا۔

امام بخاری نے پوری حدیث اپنی سند کے ساتھ جوامام مالک نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے ذکر کرنے بعدایک تعلیق ذکر کی جس میں امام مالک سے جوحدیث کے الفاظ ہیں ان سے تھوڑا سا فرق ہے اورسند میں بھی کچھ تغیر ہے۔ تعلیق کے بارے میں وضاحت پہلے گزرچکی کہ کبھی حدیث کو بیان کرنے والا ابتدائے سند سے ایک یا چند لوگ حذف کردیتا ہے اورحدیث بیان کردیتا ہے تواس حدیث کو حدیث معلق اوراس فعل کوتعلیق کہتے ہیں۔ حدیث کے بعدذکر کردہ تعلیق میں جوفرق ہے وہ یہ ہے "قال وھیب حدثنا عمرو الحیاۃ، و قال خردل من خیر" امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تعلیق سے یہ افادہ فرمایا کہ وھیب بن خالد نے یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمائی۔ الفاظ حدیث وہی ہیں جوگزرے بس اتنافرق ہے کہ فیلقون فی نھر الحیا، الحیاۃ" امام مالک نے اس میں شک کیا کہ حضور نے نھر الحیا فرمایا، یا نھر الحیاۃ فرمایا اور وھیب بن خالد کی روایت میں شک نہیں ہے۔ وھیب بن خالد کی روایت میں "الحیاۃِ" اعراب حکائی کے طور پر مجرور ہے۔ اوردوسری بات یہ ہے کہ امام مالک نے اپنی روایت میں "عن عمرو بن یحییٰ المازنی" کہا اور وھیب نے اپنی روایت میں حدثنا کی تصریح کردی۔ یعنی مالک کی روایت میں "عنعنہ" تھا اور وھیب کی روایت میں تحدیث ہے۔ اور یہ تعلیق امام بخاری وہم خلاف کودور کرنے کے لیے لائے۔

اس لیے کہ بعض محدثین کے نزدیک ''عنعنہ'' سماع پر محمول نہیں ہے۔ لیکن امام بخاری نے وھیب کی روایت سے حدثنا کہہ کر اس خلاف کو دور کر دیا اور یہ بتادیا کہ یہ حدیث امام مالک عمرو بن یحییٰ مازنی سے سنی ہے۔ اس ابہام خلاف کو دور کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ اکثر جمہور محدثین کے نزدیک ''عنعنہ'' اور ''حدثنا کا مفاد ایک ہے۔ اس لیے امام بخاری نے یہاں پر یہ تعلیق ذکر کی۔

اس تعلیق میں ایک فرق اور ہے کہ امام مالک کی روایت میں ''من خردل من ایمان'' ہے اور وھیب کی تعلیق میں ''من خردل من خیر'' ہے۔ یعنی عمرو بن یحییٰ نے ابو سعید خدری سے اس طور پر حدیث سنی۔ "اخرجوا من کان فی قبلہ مثقال حبۃ من خردل من خیر"۔ یعنی جس کے دل میں رائی برابر خیر ہے۔ یہ متن حدیث میں تھوڑا سا فرق تھا، اس لئے امام بخاری نے یہ تعلیق یہاں پر ذکر کی۔ امام بخاری کی تعلیقات اور ان کی احادیث معلقات سب کے سب متصل وموصول ہیں اور کہیں اس کو وہ تعلیقاً ذکر کرتے ہیں اور کہیں اسی کو موصولاً ذکر کرتے ہیں۔ اس جگہ بھی وھیب بن خالد کی حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا اور کتاب الرقاق میں اسی حدیث کو موصولاً ذکر کیا۔

احوال وھیب بن خالد: یہ باہلہ قبیلہ سے منسوب ہیں یہ ان کے آزاد کردہ غلام تھے اور یہ بصری ہیں، انہوں نے حدیث روایت کی ہے جلیل القدر تابعی ھشام بن عروہ، عمرو بن سہیل، ایوب، عمرو بن یحییٰ مازنی اور دوسرے کبار محدثین اور یحییٰ بن سعید قطان/ابن مہدی/ابوداود طیالسی اور بہت سارے محدثین نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ ان کی توثیق پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہے اور ابن سعید کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں اور ان کی احادیث بہت ہیں جو لوگوں نے ان سے سنی۔ اور یہ حجت ہیں۔ اور یہ اپنے شاگردوں کو بغیر کتاب دیکھے حدیث املا فرماتے تھے۔ آپ کی وفات ۵۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ ان سے تمام اصحاب کتب ستہ نے حدیث روایت کی ہے۔ آپ کو قید ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آپ کی بینائی جاتی رہی۔

سند حدیث:

”حدثنا محمد بن عبیداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح عن ابن شھاب عن ابی امامۃ بن سھل انہ سمع ابا سعید الخدری یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم رایت الناس یعرضون علی وعلیھم قمص منھا ما یبلغ الثدی ومنھا ما دون ذلک و عرض علی عمربن الخطاب وعلیہ قمیص یجرہ قالوا فما اولت ذلک یارسول اللہ؟قال :الدین۔“

(ترجمہ) امام بخاری فرماتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی محمد بن عبیداللہ نے وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی ابراھیم بن سعد نے وہ روایت کرتے ہیں صالح سے وہ روایت کرتے ہیں ابن شہاب سے وہ روایت کرتے ہیں ابوامامہ ابن سہل سے کہ انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میری خدمت میں لوگوں کو پیش کیا گیا اوران کے جسم پر کرتے ہیں ان میں سے کچھ تو چھاتی تک پہونچتے ہیں اور کچھ اس سے کم اور میرے اوپر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا ان کے جسم پر کرتا تھا جو ان کے جسم کو سراپا ڈھکے ہوئے تھا اور قمیص کا جو فاضل حصہ تھا اس کو وہ زمین میں گھسیٹ کر چل رہے تھے صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ تو آپ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ فرمایا میں نے اس کی تعبیر دین سے دی۔

امام بخاری نے ”باب تفاضل اھل الایمان من الاعمال“ کے عنوان سے باب باندھا ہے اور اس کے تحت ایک حدیث امام مالک کی روایت سے نقل کی

جس کا بیان ماسبق میں ہو چکا اب یہ دوسری حدیث ہے جو کہ اسی باب سے مناسبت رکھتی ہے۔ امام بخاری نے کتاب الایمان میں دعویٰ کیا تھا کہ ایمان قول وفعل ہے اس میں زیادتی ونقصان ہوتا ہے اسی کی تائید کے لیے یہ باب باندھا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ ایمان میں نفس ایمان کے اعتبار سے کمی زیادتی نہیں ہے بلکہ اعمال میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور اعمال کے لحاظ سے ایمان کی قوت بڑھتی اور گھٹتی ہے، جس کے اعمال زیادہ ہیں اس کا ثواب زیادہ ہے۔ اور اس کے اعتبار سے اس کا ایمان زیادہ منور وقوی ہے اور جس کے اعمال کم ہیں تو اس کے حساب سے اس کے اس صفت ایمان میں ضعف ہوتا ہے۔ اس دوسری والی حدیث میں اعمال کا باہم تفاضل و تفاوت ہے اور اس کے اندر حضرت عمر کی افضلیت سیدنا ابوبکر کے بعد دوسرے صحابہ پر صاف ظاہر ہے۔

شرح حدیث: "بینا انا نائم"، یہ اسم ظرف ہے اور اس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے یہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے کبھی "ما" کافہ کے ساتھ اور کبھی اس کے بغیر براہ راست بینا کو جملہ کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یہاں پر اسی لغت پر وارد ہوا۔ یہاں پر یہ لفظ اثنائی ہے اور "الف" اشباع کے لیے ہے عرب کی عادت ہے کہ کسی لفظ کو جب کھینچ کر بولتے ہیں تو کوئی دوسرا لفظ پیدا ہو جاتا ہے یہاں پر جب "زبر" کا اشباع کیا تو الف پیدا ہو گیا اب یہاں جملہ ہے "انا" مبتدا، "نائم" اس کی خبر اور "رأیت" یہ "بینا" کا جواب ہے۔ اس لیے کہ یہ اسم ظرف ہے اور "اذ" و "اذا" کے قائم مقام ہے اور یہ دونوں جب استعمال کئے جاتے ہیں تو شرطیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں اور جملہ کو شرط کے معنیٰ میں کر دیتے ہیں اور شرط جواب چاہتی ہے لہٰذا یہاں پر "بینا" کا جواب "رأیت" ہے۔ اور "بینا" کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے جملہ پر داخل ہوتا ہے اس کے بعد "بینا" کے جواب میں "اذا" آتا ہے اور کبھی نہیں آتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ یہی فصیح ہے اور اسی لغت فصیح پر حدیث ہے کہ

یہاں پر ـــ"اذ' واذا ـــ" نہیں فرمایا بلکہ ـــ"بینا ـــ" فرمایااور اس کے بعد ـــ"اذ' واذا ـــ" کے بغیر روایت فرمایا۔

قولہ-یعرضون علی : یہ جملہ محل نصب میں ہے اور یہ حال واقع ہے اور اس میں ایک اعراب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ـــ"رأیت ـــ" بمعنی ـــ"علمت ـــ" ہوتو متعدی بدو مفعول ہوگا تو مفعول اول ''الناس'' ہوجائے اور ''یعرضون'' مفعول ثانی ہوجائے اور محل نصب میں ہو اور دوسرا اعراب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''الناس'' کو مبتدا اور ''یعرضون علی'' کو خبر بنایا جائے اور پورا جملہ ''رأیت'' کا مفعول بہ ہوجائے۔

قولہ-وعلیهم قمص: یہ قمیص کی جمع ہے اور اس سے مراد معروف کرتا ہے جو آدمی پہنتا ہے۔''الثدی'' یہ جمع ہے ـــ"ثدی" کی اور اس کا معنی ہے سینہ میں وہ خاص جگہ جو مرد وعورت دونوں میں ہوتی ہے عربی میں اس کو ''ثدی'' اور اردو میں چھاتی کہتے ہیں۔

آگے صحابہ کرام نے پوچھا کہ حضور نے اس کی کیا تعبیر کی؟ تاویل لفظ کے چند معانی آتے ہیں ان میں سے ایک معنی یہ ہے کہ تاویل جب خواب سے متعلق ہوتو اس کے معنی تعبیر آتے ہیں۔اور تاویل اصطلاح اصولین میں یہ ہے کہ لفظ کے چند معانی ہوں توان میں سے خلاف ظاہر کسی معنی مرجوح کی طرف پھیر دے یہ تاویل ہے یا کسے ایسے معنی کی طرف پھیر دیں جو فی نفسہ مرجوح ہو لیکن کوئی قرینہ اس کو راجح کردے یہ تاویل اصولین کے نزدیک ہے اور تاویل تفسیر کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، تفسیر وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے منقول ہے اور قرآن میں کوئی کلمہ ہے تو اس کو کھولنا اور واضح کرنا یہ بھی تفسیر ہے اور تاویل یہ ہے کہ ظاہری معنی کے علاوہ جو دوسری وجوہ ہیں ان پر اس آیت کا معنیٰ بتانا اور ان معانی پر آیت محمول کرنا یہ تاویل ہے۔

سرکار دوعالم نے یہاں پر قمیص کی تعبیر دین سمجھی اور یہاں پر دین کو قمیص سے تشبیہ دی آخر قمیص ودین میں وجہ شبہ کیا ہے؟ جو دونوں کے درمیان مشترک ہے۔تو

قمیص کی اصل غرض ستر ہے۔ تو جس طرح سے آدمی جب قمیص پہنتا ہے تو اس کا بدن ڈھک جاتا ہے اور اعضائے عورت جن کو کھولنا باعث شرم و معیوب ہے وہ سب ڈھک جاتے ہیں اسی طریقے سے دین آدمی کے لیے دوزخ سے ستر و حجاب ہے اس لیے سرکار نے اس قمیص سے دین کو تعبیر فرمایا۔ اور اسکی تعبیر دین بتائی۔

اس حدیث پاک سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی وہ اس طرح کہ ان کا ایمان حضرت ابو بکر صدیق کے بعد ساری امت میں سب سے اقوی ہے اور وہ دین میں سب سے افضل تر ہیں۔ ان کو سرکار نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایسی قمیص پہنے ہوئے ہیں جس سے ان کا جسم ڈھکا ہوا ہے اور اس کا کچھ حصہ زمین پر پڑا ہوا ہے اور وہ اس کو گھسیٹ کر چل رہے ہیں۔ اس میں توجہ طلب امر یہ ہے کہ دنیا میں تو ایسی قمیص پہننا معیوب ہے اور اگر گھمنڈ کے لیے ہو تو حرام و ناجائز ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ قدموں کے نیچے جو تہبند ہو تو اتنا حصہ آگ میں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس کو جو گھمنڈ کے لئے لٹکائے اس نیت سے تو اس کا اتنا حصہ آگ میں ہے۔ دنیا میں تو اس کا حکم یہ ہے اور حضور نے جو خواب میں دیکھا تو اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ''یجرہ'' سے مراد قمیص کا وہ حصہ جو فاضل ہو اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ اور حضرت عمر سب انبیا و مرسلین اور حضرت ابو بکر کے بعد اولین و آخرین میں سب سے افضل ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں تو میری امت کو ان کی زندگی سے برکت و فائدہ ہوگا ہی۔ لیکن بعد وفات ان کے منافع و فیض جاری رہیں گے۔

حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع اور احادیث متواترہ سے جن کی قدر مشترک تواتر معنوی تک پہونچ گئی ہے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ انبیا و مرسلین کے بعد سب سے افضل ہے۔ امت میں کوئی ان کے برابر نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں پر ابو بکر کی تصریح

نہیں ہے اور حدیث کا عموم اجماع امت واحادیث متواترہ سے مخصوص ہے۔ اپنے عموم پر نہیں ہے۔

استنباط مسائل: یہ حدیث صاف دلالت کر رہی ہے کہ اہل ایمان کا مرتبہ آپس میں ایک جیسا نہیں ہے بلکہ آپس میں متفاضل ہیں اور حدیث کے الفاظ وعبارۃ النص سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ خواب کی تعبیر پوچھنا اور بتانا دونوں جائز ہیں لیکن یہ خواب بتانا اور پوچھنا اس سے جائز ہے جو خواب جانتا ہو اس سے ہی اپنا خواب ذکر کرے اس میں اس بات کی ترغیب ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو خواب کی تعبیر نہیں جانتا تو اس سے اپنا خواب بیان نہ کرے۔ بلکہ خواب ہمیشہ مرد عاقل سے بیان کرے اور جو حاسد ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ کوئی برا کلمہ نکال دے تو ایسے شخص سے خواب بیان نہ کرے۔ نیز اس سے یہ مفہوم بھی ہوا کہ عالم اپنے شاگردوں میں اس شخص کی تعریف عام کرے جس کا فضل عالم جانتا ہو۔ جب کہ یہ خوف نہ ہو کہ خود پسندی کرے گا۔ بایں سبب کہ لوگوں کو اس کا فضل معلوم ہو اور لوگ ایسے فاضل کی طرف راغب ہوں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنے خلفاء کی تعریف میں جو قصیدے لکھے تھے تو اس سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جھلکتی ہے اس لئے کہ لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ دین کے کام میں آگے بڑھیں۔ حضور سرور دو عالم نے بھی ابوبکر و عمر اور اپنے اصحاب میں جنکی بھی تعریف کی وہ اسی لیے کہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسرے لوگوں کو ان کی طرف رغبت ہو اور وہ ان سے رابطہ رکھیں اور ان کے پیروکار بنیں۔